اسوۂ علیؓ

یعنی

علیؓ اور اقدارِ انسانی

اس کتاب میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کی حیات گرامی کا
وہ اسوہ پیش کیا گیا ہے جو امت اسلامیہ کیلئے دلیل راہ کی حیثیت رکھتا ہے

از

سید رئیس احمد جعفری (ندوی)



آفتاب اکیڈمی

۱۴- اردو بازار کراچی نمبر۱ ——— ٹیلیفون (۷۱۷۱۵)

سلسلۂ مطبوعات ۲

طبع اول : .... جون ۱۹۶۳ء

باھتمام : .... نصیر احمد کرمانی

مطبوعہ :- باہتمام عبدالصمد عارف مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

ناشران

آفتاب اکیڈمی۔ اردو بازار کراچی ۱ ٹیلیفون (۷۱۷۱۵)

قیمت : .... سات روپے



مجسّمِ تسلیم و رضا پیکرِ اخلاص و محبت خورشید بانو بیگم مرحومہ

اہلیہ جناب سید محمد حسین کے نام !

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے !

فہرست

افتتاحیہ

ادھر کچھ عرصہ سے پاکستان کے بعض اصحابِ قلم نے کچھ ایسی کتابیں پیش کی ہیں جو اپنے مغز و معنی کے لحاظ سے اگرچہ بے مایہ ہیں، لیکن اخباری اصطلاح میں اتنی "سنسنی خیز" ہیں کہ لوگوں نے اس "جدید" کو "لذیذ" سمجھ کر پڑھا، اور اپنی متاعِ فکر و نظر پر سادہ لوحی کے ساتھ یہ شب خون برداشت کر لیا۔

جملہ صحابہ کرام کے ساتھ اگر عقیدت ایمان کی علامت ہے تو اُن اجلِ صحابہؓ کے ساتھ، جنہوں نے شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد سے، جامِ شہادت نوش کرتے وقت تک اسلام اور داعیِ اسلامؐ کے پیام و عزت کے لیئے سینہ سپر ہوکر ہر طاقت سے جنگ کی ایمانِ صادق کی علامت ہے، اور کوئی شبہ نہیں حضرت علیؓ اس گروہ میں سرفہرست ہیں، ان کی شہادت پر خلافتِ اسلامیہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہوگیا، جیسا کہ مشہور مفسر مولانا حمید الدین فراہی مغفور سورۂ والشمس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:-

"ایک اشارہ امت مرحومہ کے باب میں

اگرچہ ہماری اس کتاب کا مقصد اشارات و لطائف کی جستجو نہیں ہے لیکن ایسی بات کا ذکر ان شاء اللہ ناموزوں نہ رہے گا جو نفس کی سرکشی اور مطلق العنانی کے انجام کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے کیونکہ یہ چیز اس درجہ اہم ہے کہ اسی چیز کی بدولت امتِ مرحومہ بارہا ہلاکت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ہر مرتبہ اس تباہی سے اس کو بچا لیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پچھلی قوموں کے جو واقعات اور جو مثلیں بیان کی ہیں اُن سے سبق حاصل کرنا ایک

بہت بڑا ظلم ہے۔

انبیاء کے صحیفوں اور قرآن میں یہود کی سب سے بڑی شرارت یہ بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے انبیاء اور صالحین کو قتل کیا۔ سورۂ بقرہ میں ہے:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ	اور مار دی گئی اُن پر ذلت اور مسکنت
الْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ	اور وہ لوٹے اللہ کا غضب لے کر۔ یہ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ	اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار
بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ	کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے
بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا	تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی
يَعْتَدُونَ۔	اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

یعنی انھوں نے سرکشی اور تعدی کی وجہ سے انبیاء کو قتل کیا۔ سورۂ بقرہ میں دوسری جگہ ہے:۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا	کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری
تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا	خواہشوں کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا تم
كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَقَالُوا	اکڑ بیٹھے، پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض
قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ	کو قتل کرتے رہے اور کہتے ہیں ہمارے دل
بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ۔	تو محفوظ ہیں بلکہ اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سے

اُن پر لعنت کردی ہے پس وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یعنی ان کے اس کفر اور استکبار کے سبب سے جس نے اُن کو انبیاء کی تکذیب اور اُن کے قتل پر آمادہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن پر گمراہی کی لعنت کردی۔

یہی مضمون سورۂ آلِ عمران میں بھی وارد ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ	بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار

اللہ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۔

کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں جو لوگوں میں سے عدل کا حکم دیتے ہیں تو اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری پہنچا دو۔ وہی ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ڈھ گئے اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔

اس آیت میں نہایت وضاحت کے ساتھ قرار دیا ہے کہ صالحین اور عدل و انصاف کی دعوت دینے والوں کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر انبیاء کے قتل کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس معصیت کی محرک درحقیقت وہی نافرمانی اور تعدی ہے جو انبیاء کے قتل کا باعث ہوتی ہے اور جس کا ذکر اس باب کی اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ایک اور حقیقت پر غور کرو، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ چند افراد و اشخاص کے کسی جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ پوری قوم پر اپنا غضب نہیں نازل کیا کرتا۔ مگر جب اُن کے ہاتھوں سے عدل و قسط کا کوئی بنیادی قانون ڈھ رہا ہو اور دوسرے خاموشی سے اُن کے مجرمانہ اعمال کا تماشہ دیکھتے رہیں اور مجرموں کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اس وقت پوری قوم خدا کے غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل و قسط کا قیام اس پورے نظام کائنات کے بقا و قیام کے لیئے ناگزیر ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب اس پورے نظام کو کوئی صدمہ پہنچے تو سب اس کے لیئے دردمند اور بے چین ہوں اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی حفاظت کے لیے ان کے اندر حمیت پیدا ہو، جو ایسا نہ کریں وہ درحقیقت مجرموں کے شریک حال اور اُن کے معاون ہیں۔
اسی بنیاد پر قرآن نے ان لوگوں کو نہایت سخت الفاظ میں ملامت کی ہے جو جنگ و

جہاد کے مواقع پر گھروں میں بیٹھے رہے اور نہایت حق وعدل کے جوش سے وہ بے چین نہیں ہوئے۔ قرآن نے جہاں اُمت کو اللہ و رسولؐ کی کامل اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں مذکورہ بالا حقیقت کی بھی نہایت واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے۔ سورۂ انفال میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسولؐ کا وہ تم کو بلاتا ہے ایسی چیز کے لیے جو تم کو زندگی بخشتی اور یاد رکھو کہ اللہ آدمی اور اُس کے دل کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہے اور اُسی کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے اور اُس فتنے سے بچو جو خاص کر اُنہیں لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے اور یاد کرو جب تم زمین میں تھوڑے اور کمزور تھے کہ لوگ تم کو اُچک لے جائیں پس اللہ نے تم کو پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور تم کو پاک روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو۔

اِن آیات میں صاف بیان فرما دیا ہے کہ قوم کے چند افراد کسی جماعتی معصیت کا ارتکاب کریں اور باقی سب خاموش رہیں ان کے ہاتھ نہ پکڑیں تو ان کے جرم کی پاداش میں

پوری قوم ماخوذ ہو گی کیونکہ اُنھوں نے حق و عدل کو، جو سب کی متاع مشترک تھا، تنہا چھوڑ دیا۔ ثمود کے واقعہ کی بالکل یہی نوعیت تھی اور یہی سبب ہے کہ قرآن کے اندر سے ایک بدبخت نے جو کچھ کیا اُس کے وبال میں پوری قوم پکڑی گئی۔ چنانچہ (دیکھو قرآن نے ایک شخص کے فعل کے لیے "عَقَرُوْهَا" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جمع کا صیغہ۔ اور اونٹنی کے کاٹ ڈالنے کے جرم کو پوری قوم کی طرف منسوب کیا کیونکہ قوم نے اس جرم پر خاموشی اختیار کر کے درحقیقت اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔

ہمارے نزدیک یہ بات عقلاً بھی بالکل صحیح ہے کیونکہ گناہ درحقیقت قلب کی ایک صفت ہے ظاہری اعمال و افعال تو محض اس کے آثار ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پہ خوش ہے اور اس کو اچھا سمجھ رہا ہے تو یقیناً وہ اُس شخص کے برابر ہے جس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا بہت سے اعمال و افعال یہود کی طرف ایسے منسوب کیے ہیں جن کی اصل ذمہ داری اُن کے آبا و اجداد پر عائد ہوتی تھی لیکن چونکہ اخلاف نے بھی ان افعال کو پسند کیا اس وجہ سے جائز ہوا کہ وہ ان کی طرف منسوب کیے جائیں۔ باپوں کے جرم میں بیٹے جو پکڑے جاتے ہیں تو اس میں بھی یہی راز ہے اور اس میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے جس کو ہم نے سورۂ نوح کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور وہ اس کے نہایت اہم مطالب میں سے ہے۔

قوموں کے مواخذہ کا قانون!

کوئی قوم جب نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو فوراً تباہ نہیں کر دیتا بلکہ اُس کے بہت سے گناہوں سے درگذر کرتا ہے، اور اُن کو مہلت دیتا ہے تاکہ جو توبہ کرنا چاہیں وہ توبہ کر لیں اور جو ہلاک ہونا چاہیں وہ پورے طور پر عذاب کے مستحق ہو جائیں

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ	اور اللہ لوگوں سے اُن کے ظلم پر
بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ	فوراً مواخذہ کرتا تو روئے زمین پر کسی

دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى — جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو مہلت
اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ — دیتا ہے ایک مدت معینہ تک۔

چنانچہ یہود کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں پر بار بار سزا دی لیکن جب تک حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے زعم کے مطابق انہوں نے قتل کر کے اپنا پیمانہ لبریز نہیں کر لیا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنی شریعت ان سے چھینی اور نہ اُن سے اپنا رشتہ کاٹا۔ البتہ جب انہوں نے اپنے خیال کے مطابق اس تیسرے خون کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تو وقت آگیا کہ خدا کا عذاب اُن کو تباہ کر دے۔ اس تمہید کے بعد دو اہم باتوں کا خاص طور پر خیال رکھو۔

(۱) قرآن مجید سے یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کے بُرے اعمال کے نتیجے فوراً ظاہر نہیں فرماتا بلکہ اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے کہ لوگوں کو مہلت دے یہاں تک کہ وہ عذاب کے پورے مستحق ہو جائیں۔

(۲) نویں فصل میں ہم نے بتایا ہے کہ انبیاء و صلحاء اور عدل و قسط کی دعوت دینے والوں کا قتل شدید ترین معصیت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔

اب ہم گذشتہ امتوں میں سے ایک اُمت اور اُس امتِ مرحومہ کی تاریخ کے چند واقعات کی روشنی میں بعض ایسے نتائج و احوال کی طرف اشارہ کریں گے جو ماضی میں واقع ہو چکے ہیں اور ضروری ہے کہ آئندہ بھی وہ واقع ہوں۔ اور یہ چیز منجملہ اس سنتِ الٰہیہ کے ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہے کہ

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ — تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی
تَبْدِيْلًا۔ — نہ پاؤ گے۔

اور اس سے مراد سرکشوں اور مفسدوں کی گرفت کا وہ قانون ہے جو اٹل ہے اور جو ہمیشہ بے لاگ ظہور میں آتا ہے کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔

امّتِ مرحومہ میں ناقۃُ اللہ کی مثال!

ثمود نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کر کے سرکشی کی جو منحوس مثال قائم کی تھی یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر کے بعینہٖ اُسی مثال کی تقلید کی۔ گویا یہود کے اندر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا وجودِ گرامی ناقۃ اللہ کی مثال تھا۔ یہ مثال محض ہماری طبع زاد نہیں ہے بلکہ قرآنی اشارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ناقہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ایک آیۃ اللہ تھی بعینہٖ یہی بات قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بھی ملتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں ان کی نسبت وارد ہے :-

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ — اور ہم نے اس کو (مریمؑ) اور اس کے بیٹے (حضرت عیسٰیؑ) کو دنیا والوں کے لیے نشانی بنایا۔

یعنی ان کا وجود خود ایک آیت تھا۔ چنانچہ اس جُرم کی پاداش میں یہود بھی ثمود کی طرح پامال کر دیئے گئے اور اُن سے نبوت کی نعمت ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی۔

بعینہٖ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں بھی پیش آیا۔ اس امت کے اندر ناقہ کی مثال حضرت علی رضؓ تھے چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس اُمت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کے بعد جو لوگ منصب خلافت پر قابض ہوئے وہ خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک و سلاطین تھے (الا ماشاء اللہ) جو مال وجائداد کی طرح بادشاہت کو وراثت میں پاتے تھے اور پادشاہوں ہی کی طرح فرماں روائی کرتے تھے۔ آں حضرت صلعم نے اس انقلاب کی پیشین گوئی پہلے سے فرما دی تھی اور اس دور کو "ملک عضوض" کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا بعض روایات میں ان تمام امور کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا۔

" اے ابو تراب (علی رضؓ) میں تمھیں بد بخت ترین خلائق احمر ثمود کی خبر نہ دوں جس نے ناقہ کو قتل کیا اور جو تم کو اس پر (سر پر) مارے گا اور اس سے یہ (ڈاڑھی) تر

ہو جائے گی۔"

حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی مثالیں!

تم کہو گے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ نہایت مظلومیت اور بے کسی کی حالت میں قتل ہوئے۔ جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ شہید ہوئے جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ سب سے آخر میں حضرت امام حسینؓ قتل ہوئے جن کی مظلومیت تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ پھر ہم نے ان میں سے کسی کے واقعہ کو حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ سے کیوں نہیں تشبیہ دی؟ اس کے لیے حضرت علیؓ ہی کے واقعہ کو کیوں انتخاب کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ ایک مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ آپ کے قتل کی ذمہ داری اس امت پر نہیں ہے۔ آپ کو ایک عیسائی نے شہید کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا کہ آپ کا قاتل ایک نصرانی ہے تو نہایت خوش ہوئے کہ امت آپ کے قتل کے وبال سے بچ گئی صرف تھوڑے سے شریر لوگ اس جرم پر راضی تھے اور چونکہ یہ پہلا خون تھا اس وجہ سے قانونِ الٰہی نے ڈھیل سے کام لیا۔ ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ حضرت زکریاؑ سے زیادہ مشابہ نظر آتے ہیں۔ جس طرح وہ قربان گاہ اور مسجد کے درمیان قتل ہوئے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نماز کے اندر شہید ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ "حضرت عمرؓ کا حلیہ تورات میں موجود ہے" اور اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کی بہت سی صفتیں تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ آیت "ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ" کی تفسیر کے ذیل میں بعض ضروری باتیں ملیں گی۔

حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حالت سے زیادہ مشابہ ہے جس طرح حضرت یحییٰؑ قید کی حالت میں قتل کیے گئے اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر بند

کر کے شہید کیے گئے۔

ان وجوہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو مشابہت حضرت علی رضؓ کے واقعہ کو ہے، وہ کسی دوسرے واقعہ کو نہیں ہے۔ نتائج کے اعتبار سے بھی دونوں بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر کے خدا کی امانت سے محروم ہو گئے اور مسلمان حضرت علی رضؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہو گئے۔

باقی رہا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا معاملہ، تو یہ تو ملت مرحومہ کے سینہ کا وہ زخم ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا اور تاریخ کبھی اس کو فراموش نہ کر سکے گی۔ اور در حقیقت یہ اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے جو حضرت علی رضؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی تھی۔ زہیر نے جنگ کے نتائج کو احمر عاد سے تشبیہ دی ہے اور کیا خوب بات کہی ہے:

فتنتج لکم غلمان اشام کلھم كاحمر عاد ثم ترضع فتفطم

ایک برائی دس برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ کے قتل کی صورت میں جو بدبختی ظاہر ہوئی اسی کے نتیجہ کے طور پر وہ حادثہ بھی ظہور میں آیا، جو حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا باعث ہوا اور پھر اسی واقعہ کی جڑ سے اس طرح کے ہزارہا فتنوں کی شاخیں پھوٹیں اور پھیلیں اور اس کے مسموم اور مہلک ثمرات نہ جانے کن کن صورتوں میں نمودار ہوئے۔ یہ مسلمانوں کے جان و مال کی بربادی کے ہولناک اور شرمناک واقعات بار بار پیش آئے، یہ سب اسی شجرۂ فساد کے برگ و بار تھے اور یہی فتنے تھے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں آگاہ فرمایا تھا۔

یا ایھا الناس انما المومنون	لوگو! تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی
اخوۃ ولا یحل لامرء مال اخیہ	ہیں، کسی شخص کے لیے یہ بات جائز نہ ہوگی
الا عن طیب نفس منہ الا ھل	کہ اپنے بھائی کا مال لے لے مگر اس کی اجازت



ولعنت [illegible] اللّٰھم اشھد [illegible] لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض

اور خوشی سے۔ آگاہ رہو میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ پس اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد حالتِ کفر میں لوٹ جاؤ کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔

قرآن مجید نے بھی باہمی جنگ و جدل کو عذابِ الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے:۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔

کہہ دو کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے، یا تم کو گروہ درگروہ کر کے تم کو باہم ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے کا عذاب چکھائے۔ دیکھو ہم اپنی آیتیں کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

چنانچہ حضرت علی رض کی شہادت کے بعد یہ عذاب نمودار ہو گیا۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اور حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کی جماعتوں میں ایسی خونریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہو کر رہ گئے۔ اور جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کا عذاب دوسری جماعت کو چکھا دیا اور یہ آگ برابر مشتعل رہی۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ اس کے بعد مسلمانوں پر جتنی آفتیں نازل ہوئیں وہ تمام تر اسی قسم کی جماعتوں کے ہاتھوں نازل ہوئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گروہ بندی اور تفریق اس درجہ مبغوض تھی کہ اس نے اپنے پیغمبر کو اس سے بالکل بری قرار دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ۔

جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ نہیں ۔

اسی طرح ایک اور موقع پر بھی باہمی جنگ و جدل کو عذاب سے تعبیر فرمایا ہے :۔

وَ مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۪ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ۔

اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی میثاق لیا پس وہ بھول گئے ایک حصہ اس چیز کا جس کے ذریعہ ان لوگوں کو تذکیر کی گئی تھی (یعنی کتاب الٰہی) پس ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض کی آگ قیامت تک کے لیے ۔

(مجموعہ تفسیر فراہی ص ۱۹۱ تا ۲۲۱ مترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی شائع کردہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان - اچھرہ - لاہور)

لیکن ~~دوامی مکتب~~ لعین یزید، کے نئے پرستار جو میدان میں اُترے ہیں ان کی کوشش ہے کہ یہ حقائق مسلمان فراموش کر دیں۔ اور بعض حلقوں میں "یہ سعی نامحمود" کسی حد تک کامیاب بھی ہے کچھ اس لیئے کہ لوگ حقائق سے ناواقف ہیں اور زیادہ تر اس لیئے کہ اُن کے سامنے ایسا مواد نہیں ہے کہ وہ اُسوۂ علی رضؓ سے متعلق صحیح طور پر معلومات حاصل کر سکیں ۔

ـــ زیرِ نظر کتاب اسی مقصد جلیل کو انجام دینے کی ایک حقیر کوشش ہے ۔ اِس کتاب سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت علی رضؓ کے افکار اور امیال و عواطف کیا تھے ؟ انہوں نے کس طرح نازک سے نازک موقع پر اُن انسانی اقدار کو جو صحبت رسولؐ اور فہم قرآن کا نتیجہ

تھا اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھا، اور اس راستے میں اپنی ہر عزیز چیز قربان کر دینے سے دریغ اور تامل نہیں کیا۔

ضرورت ہے کہ اس موضوع پر اور اس کے متعلقات پر زیادہ سے زیادہ مستند لٹریچر ملت کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ دین و ایمان پر تجارت گری کی جو کوششیں ایک حلقہ کی طرف سے ہو رہی ہیں وہ کامیاب نہ ہو سکیں، اور مجھے امید ہے کہ اصحاب دل اور اصحاب علم وقت کی اس اہم ترین ضرورت کی طرف توجہ فرمائیں گے!

رئیس احمد جعفری
۸۹ - ٹیگور پارک
لاہور

فاتح خیبر

خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کے احوال و سوانح، صفات و فضائل!

قبل اس کے کہ ہم اس کتاب کو شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی حیاتِ گرامی کا ایک مختصر سا مرقع بھی نظر سے گزر جائے تاکہ اُن کی شخصیت اور کردار کی معرفت آسان ہو جائے، اور اس روشنی میں کتاب کا اصل موضوع واضح اور روشن ہو جائے گا۔

نام و نسب، خاندان،

علی نام، ابوالحسن اور ابو تراب کینت، حیدر، شیر لقب، والد کا نام ابو طالب، اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب، بن لوی، چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لیے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی، اور بعثت کے بعد انہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابو طالب ہر موقع پر آپ کے لئے سینہ سپر رہے، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجۂ ظلم سے محفوظ رکھا۔

حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی، مستند روایات کے

مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی، اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں ،

شرف اسلام۔

حضرت علیؓ کا سن ابھی دس سال کا تھا کہ ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ام المومنینؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروف عبادت دیکھا۔ اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ حضرت سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی، اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل ہوئی، اس لئے غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی، اور مشرف باسلام ہو گئے ،

اس بارہ میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے۔ اور بعضوں کے خیال میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکرؓ صدیق مردوں میں حضرت زیدؓ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ،

بھائی بھائی۔

حضرت علیؓ کی عمر اندازاً پندرہ سال کی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی، تقریباً ۴۰ افراد موجود تھے، حضرت حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے اٹھ کر فرمایا "یا بنی عبد المطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟" اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے، اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ کا یار و دست و بازو بنوں گا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اچھا تم بیٹھ جاؤ" اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ لیکن کسی نے جواب نہیں دیا، حضرت علیؓ پھر اٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا۔ تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جانبازی کے لہجہ میں ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ "بیٹھ جا۔ تو میرا بھائی اور وارث ہے"[1]

جاں نثاری کا جذبہ۔

دعوت اسلام کی کامیابی دیکھ کر کفار مکہ بہت تلملائے، ایک روز سب ایکا کرکے کاشانہ نبوی کی طرف چلے، کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت کر دیں، وحی الٰہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں سے اطلاع دیدی، اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا، اور خود حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس برس کی تھی، اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے، رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ [2] طبری ص ۱۱۷۲ یہ روایت مسند ابن حنبل میں بھی باختصار مذکور ہے جلد ۱ صفحہ ۱۵۹

میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا، غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں اور صبح ہوتے اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے، کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے آپ کا جاں نثار بھائی قربان ہونے کے لئے سربکف سو رہا ہے[۱]، مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن مکہ میں مقیم رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ کا کاروبار اور لین دین تھا، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی، اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیرباد کہکر عازم مدینہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا[۲]۔

اسلام کی پہلی مسجد اور اس کا معمار۔

ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپؐ نے اس کی بنیاد رکھی، اور اپنے رفقا کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریکِ کار تھے، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے، اور یہ رجز پڑھتے تھے[۳]۔

لا یستوی من یعمر المساجدا یدأب	جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت
فیه قائما وقاعدا ومن یری عن الغبار	کو برداشت کرتا ہے، اور جو گرد و غبار کے باعث
حائدا۔	اس کام سے جی چراتا ہے، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

علیؓ اور غزوہ بدر۔

سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلے معرکۂ غزوۂ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت صلی

---

۱ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴ ۲ ابن سعد تذکرہ علی صفحہ ۱۳ ۳ زرقانی جلد ۱ صفحہ ۲۲۶۔

اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ ۳۱۳ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا، جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچکر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، سترھویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا، اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا، جب یہ معلوم ہوا کہ وہ یثرب کے جوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو"، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے، حمزہؓ، علیؓ، اور عبیدہؓ، تینوں اپنے اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے، حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا، اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہ کی مدد کی، اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا، مشرکین نے طیش میں آ کر حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے، اور عام جنگ شروع ہوگئی، شیر خدا نے صفین کی صفیں الٹ دیں، اور ذوالفقار حیدری نے چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا، مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے، مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

حضرت فاطمہ سے نکاح۔

اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف

بخشا، یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ زہرا سے نکاح کر دیا۔
حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی، آپ نے ان سے پوچھا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ کہا ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو، حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمان کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا۔ اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں، اور خود نکاح پڑھایا، اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔[۱]

جہیز۔

حضرت سیدہ زہرا کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا، اس کی کل کائنات یہ تھی۔ ایک پلنگ ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں، اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں، اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

غزوہ احد میں علیؓ کا حصہ۔

سنہ ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا، لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے، اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا، دندانِ مبارک شہید ہوئے، اور آپؐ ایک خندق میں گر پڑے،[۲] مشرکین ادھر

---

[۱] بخاری باب غزوہ احد   [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۵۔

بڑھے، لیکن حضرت مصعبؓ ابن عمیر نے ان کو آپؐ کے پاس جانے سے روکا، اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر علم سنبھالا۔ اور بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار ابو سعد بن طلحہ نے مقابلہ کے لئے للکارا شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرش خاک پر تڑپنے لگا۔ اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہوگیا، حضرت علیؓ کو اس کی بےبسی اور بدحواسی پر رحم آگیا، اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے[1]

غزوہ خندق اور علیؓ۔

۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا، اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا، سواروں کے سردار عمرو بن عبد وُد نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ نے اپنے کو پیش کیا۔ اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدا نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ دوسرے سوار بھاگ کھڑے ہوئے[2]

عشق رسول۔

اسی سال ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے، حضرت عثمانؓ گفتگو کے لئے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید کر دئے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی۔ حضرت علیؓ بھی اس بیعت

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۵۵ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰ [3] زرقانی غزوہ بنی قریظہ۔

میں شریک تھے، بعد کو جب معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی، تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا، اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی، حضرت علیؓ کو صلحنامہ لکھنے کا حکم ہوا، انہوں نے حسب دستور ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت سے عہدنامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ اور عرض کی خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس کو مٹا دیا، اس کے بعد صلحنامہ لکھا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کرکے مدینہ واپس تشریف لائے[1]۔

فاتح خیبر۔

سنہ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ، اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے، لیکن کامیابی نہ ہوئی حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا کا اور رسول کا محبوب ہے۔ اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ اس فخر کے شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا۔ لیکن یہ دولتِ گرانمایہ حیدر کرار کے لئے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے، کہ دفعتہً آپ نے حضرت علیؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؓ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی[2]۔

---

[1] بخاری کتاب الصلح زرقانی باب غزوہ حدیبیہ [2] کتاب المغازی غزوہ خیبر۔

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنالوں؟ فرمایا نہیں! بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو، کیونکہ اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص بھی مسلمان ہوگیا تو وہ تمہارے لئے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۱۔

لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت، اور رسوائی لکھی تھی۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سلح پوش ہوں بہادر ہوں تجربہ کار ہوں

اذا الحروب اقبلت تلھب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبرؓ اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظر

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراونا

اوفیھم بالصاع کیل السندرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کردیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۲۔

غزوہ حنین اور حضرت علیؓ۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا۔ اور اس میں

---

۱ کتاب المغازی غزوہ خیبر ۲ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد وغیرہا۔

پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پاکر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے، بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی[۱]۔

بہت بڑا شرف۔

۹ھ میں جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبوک کا قصد فرمایا۔ تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو شرکت جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی۔ منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس کا حال معلوم ہوا۔ تو فرمایا علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا[۲]۔

سورۃ برأت۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی اثنا میں سورۃ برأت نازل ہوئی لوگوں نے کہا اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیج دی جاتی تو اچھا ہوتا، سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ و مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔ [۲] بخاری کتاب المناقب علیؓ۔

کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکّہ جا کر اس سورت کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی شخص برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔ اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد ہے مدت معینہ تک باقی رہے گا۔[1]

حضرت علیؓ کی خلافت۔

آنحضرت کی وفات کے بعد علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اٹھانا پڑا[2] اور واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی میں جناب مرتضیٰؓ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا۔ لیکن دقّت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ موجود تھیں۔ جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکر دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے۔ حضرت نائلہ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد ابن ابی بکر شریک قتل

۱؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ و صفحہ ۳۴۳ ۲؎ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ ۳؎ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۵۲

نہ تھے، غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ چلا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے۔ اس لئے مجرمین کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیساکہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمّال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک صحیح بھی ہے۔ اس لئے آپ نے تمام عثمانی عمّال کو معزول کر کے عثمان ابن حنیف کو بصرہ کا عامل کیا۔ عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبداللہؓ ابن عباس کو یمن کی ولایت پر مامور کیا۔ اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے۔ اور ان کو مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

جنگ جمل!

جنگ جمل درحقیقت غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ ٹلی۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی۔ اور دار الحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہو گیا، لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی کی جو توہین ہوئی، اس نے علیؓ مرتضیٰ کو مجبور کیا، کہ وہ آیندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی۔ گو حضرت علیؓ نے مدینہ کو سیاسی شر و فتن سے بچانے

کے لئے عراق کو دار الحکومت بنایا تھا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی۔ اور خود حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آیندہ ان کے لئے مضر ثابت ہوا بہر حال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق قائم کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، سجستان پر ربیعی بن کاش۔ اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچکر بغاوت کرا دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا۔ جناب امیرؑ نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا۔ اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند اکبر امام حسن (رضی اللہ عنہ) سے نکاح کر دیں۔ اس نے کہا کہ وہ ایک ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود جناب امیرؑ اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؓ نے انکار کیا۔ اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے۔ اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

اتمام حجت۔

اگرچہ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم آپ نے اتمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی، اور جریرؓ بن عبد اللہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا پھر بآواز بلند حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا:۔

تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں۔ سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی ان ہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا، وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو۔ اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے"

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خودمختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی۔ جس کے حصول کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا۔ نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنوامیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہوگئی تھی۔ حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا۔ بعض صحابہؓ بھی اپنے مقاصد کے لئے ان کے دست و بازو بن گئے تھے، حضرت عمرو بن العاص نے مصر کی حکومت کا عہد لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علیؓ کی طرف مائل تھے۔ آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہ کے ساتھ ہو گئے تھے، عبیداللہؓ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک

نومسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن ابیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید وحمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے۔ سارے شام میں پھیلایا ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لئے خطیب مقرر کئے، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔[1] ان تدبیروں سے لوگوں میں حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا۔ اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا۔ ابومسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد نجح کے طور پر گزارش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں کہ فضل وکمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابومسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابومسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بآواز بلند کہا: "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"۔ ابومسلم نے متعجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمان کے قاتلوں پر میرا کہاں تک

[1] طبری ص۳۲۵۵

بخزالہ

اختیار ہے۔

معرکۂ صفین۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آئیں حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، عمرو بن العاص کو علیحدہ لکھا کہ دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو۔ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی، لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی۔ اس لئے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے بلایا۔ اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رُخ کیا، اس جنگ میں جو صفین کے نام سے مشہور ہے حضرت علیؓ کی عین کامیابی کے وقت امیر معاویہؓ نے قرآن سامنے رکھ کر تحکیم کی صدا بلند کی، جس کے نتائج معلوم ہیں۔

باغیوں سے سلوک۔

چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور خود امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقہ پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعیان علیؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح کرمان، فارس، اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔

بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف

و مدارات کا سلوک کیا، کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا، کہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

عہد مرتضوی پر ایک نظر۔

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا اور پنج سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ تقریباً بند ہوگیا، ملکی انتظامات کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی۔ لیکن ان گوناگوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے۔ لیکن ان کارناموں پر نظر کرنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق و اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا تھے؟ اور حضرت علیؑ نے کس تحمل استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

شام میں بنو امیہ امیر معاویہ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہ حسب ذیل وجوہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔

۱۔ حضرت علیؑ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا۔ اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بنا قرار پائے۔ اس لئے غور کرنا چاہئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اور جناب مرتضیٰ کس حد تک اس میں معذور تھے۔

پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں، بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن وقاص اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو چنانچہ انصار کرام بنو امیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لئے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا ان کے لئے اس سے کہیں زیادہ ممکن نہ تھا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا، لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور گستاخانہ مزاحمت کی۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب و دانہ کی بندش نہ کی جائے، توان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے[1]۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے۔ تو دوسرے بڑے صحابہ بھی آزاد نہ تھے۔ اور مفسدین ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے۔ تو آج مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب

---

[1] طبری صنہ۳ —

جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا کہ مقید۔[۱]

البتہ قاتلوں کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے۔ اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہِ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا۔ لیکن جیساکہ پہلے گزر چکا ہے پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا۔ اور اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ جیساکہ امیر معاویہ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جا سکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی۔ اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا۔ ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہؓ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

عمّال کا احتساب۔

ملکی نظم و نسق کے سلسلے میں سب سے اہم کام عمّال کی نگرانی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے۔[۲] وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور کیا، تو یہ ہدایت فرمائی:۔

اخرج فی طائفۃ من اصحابک حتی	تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ
تمر بارض السواد کورۃ فتسالھم	اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات
عن عمالھم و تنظر فی سیرتھم[۳]	کرو۔ اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔

---

[۱] طبری صفحہ ۳۰۱۰ [۲] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۱۔ [۳] کتاب الخراج صفحہ ۱۴۰

عمّال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بے عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے، ایک دفعہ اُردشیر کے عامل مصلقہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کئے کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصلقہ نے کہا خدا کی قسم عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی۔ لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا :-

قبحه الله فعل فعل السيد وفر	خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا
فرار العبد وخان خيانة الفاجر	لیکن غلام کی طرح بھاگا۔ اور فاجر کی طرح خیانت
اما والله لو انه اقام فعجز ما زدنا	کی۔ خدا کی قسم اگر وہ مقیم رہتا تو قید سے زیادہ
على حبس فان وجدنا له شيئا	اس کو سزا نہ دیتا۔ اور اگر اس کے پاس کچھ
اخذناه وان لم نقدر على مال	ہوتا تو لیتا۔ ورنہ معاف کر دیتا۔
تركناه[1]۔	

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی عبداللہؓ بن عباس عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لے لی۔ حضرت علیؓ نے چشم نمائی فرمائی، تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے۔ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے

رعایا کے ساتھ برتاؤ۔

حضرت علیؓ کا وجود باجود رعایا کے لئے آیہ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غربا اور مساکین کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ اور اس میں جو رقم جمع

ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ ذمیوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں، لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی ہے۔

فوجی انتظامات۔

حضرت علیؓ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے۔ اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی، اس لئے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے، چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، ۳۹ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی، تو پہلے ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مستحکم قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلے میں بنا تھا۔ جنگی تعمیرات کے سلسلے میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا۔ لائق ذکر ہے۔

حضرت علیؓ کا فضل و کمال۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درس گاہ نبوتؐ میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مستدرک میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا[1]۔ اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا[2]۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے:

---

[1] مستدرک اول ص۱۲۵ [2] ایضاً ص۱۲۵۔

رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔ اکثر سفر میں بھی آپؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ اور اس سلسلے میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے اس کے لئے حضرت علیؓ کا نام بتایا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بارگاہِ رسالت میں جناب امیرؓ کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصل بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں کسی صحابی کے نہیں ہیں اس کی تصریح یہ کی ہے کہ :۔

جد ضعیف گوید سبب ایں معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یکی رسوخ او در سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اوصل ناس بارحام و اعرف ناس بحقوق قرابت بودند۔ باز چوں عنایت الٰہی مساعدت نمود، حضرت مرتضیٰ را درکنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت دوبالا شد۔ و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ۔ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا در عقد او دادند مزید فضیلت با دیار شد"

نوشت و خواند کی تعلیم اپنے بچپن ہی میں حاصل کی تھی۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی، آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسی لئے ابتدا ہی سے بعض دوسرے صحابہؓ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے چنانچہ کاتبانِ وحی میں آپ کا نام بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے، ان میں بعض آپ کے بھی لکھے ہوتے تھے، چنانچہ حدیبیہ کا

۱؎ مسند اول ص ۔

صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

مہارت تفسیر اور علوم قرآن!

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہؓ میں تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ "میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی"[1] چنانچہ حضرت علی کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں جب خوارج نے اعتراض کیا، کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ "اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ" تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا جائز نہ ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے[2]۔

علم حدیث۔

جناب مرتضیٰؓ نے بچپن سے لے کر وفات نبوی تک کامل تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کئے اس لئے ارشادات نبوی کے

---

[1] ابن سعد جزء ثانی، قسم ثانی صـ۱۰۱ [2] مسند ابن حنبل جلد اول صـ۸۶ [3] صحیح بخاری کتاب الدیات و ابن حنبل جلد اول صـ۱۰۰

سب سے بڑے عالم آپؓ ہی تھے۔ پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفات نبوی کے بعد سب سے زیادہ آپؓ نے عمر پائی، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشا و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے، خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ کے سپرد رہی ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا۔ اس لئے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لئے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن احادیث کی روایت میں آپؓ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہؓ کی طرح محتا متشدد تھے، اسی لئے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں۔

فقہ و اجتہاد۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کافی دستگاہ حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی وسعت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی، بڑے بڑے صحابہؓ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت مرتضیٰؓ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا ہے۔

فقہ و اجتہاد کے لئے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر

حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سنکر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے[۱]۔

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کے دن تک موزوں پر مسح کرسکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جاکر دریافت کرو ان کو معلوم ہوگا، کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ کے پاس گیا، انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک[۲]

قضا اور فیصلے۔

حضرت مرتضیٰؓ ان ہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے نہایت موزون تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی واقرأنا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزون علیؓ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں[۳]۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں[۴]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت مرتضیٰ کی اس استعداد وقابلیت کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا، اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علی کو "اقضاھم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔

یمن میں آپ نے دو عجیب وغریب مقدمات کا فیصلہ کیا، یمن نیا نیا

۱؎ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ ۲؎ مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۹۶ ۳؎ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۲ ۴؎ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

مسلمان ہوا تھا، پرانی باتیں ابھی تازہ تھیں۔ ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا۔ جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے، نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ یوں کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصّے کئے، پھر قرعہ ڈالا، جس کے نام قرعہ نکلا اس کے حوالہ کیا۔ اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصّوں میں سے دو حصّے اس سے لے کر دلوا دئے۔ گویا غلام کے مسئلے پر اس کو قیاس کیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سنا تو آپؐ نے تبسم فرمایا[1]۔

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا بھی ثبوت دیتے تھے۔ ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہکر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبرو ریزی کی ہے۔ فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جاکر کھڑا کر دو اور اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو[2]۔

تصوّف۔

تصوف کے اکثر سلسلے سیدنا مرتضویؓ پر جاکر ختم ہوتے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "اصول اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علیؓ مرتضیٰ ہیں"۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بیحد انہماک تھا۔ مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی[3]۔

صفات و کردار علیؓ۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صہ ۱۳۵ [2] تاریخ خلفا سیوطی روایت زربن حبیش مصنف ابن شیبہ [3] ازالۃ الخفاء صہ ۳

کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کا نمونہ تھے، آپ کی زبان نہ کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ ہوئی۔ اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرّا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی، اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔[1]

امانت و دیانت۔

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے۔ اس لئے ابتدا ہی سے امین تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی حکومت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی۔[2] اپنے

---

[1] ترمذی اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؓ نے شراب پی۔ اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورہ قل یا یہا الکفرون کچھ سے کچھ پڑھ دی، اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی، گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا۔ تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا۔ اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دہن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہؤا۔ اس لئے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے علوی تھا۔ مگر آخر میں حضرت علیؓ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ کی شان میں اس کی مخالف شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے، اس کی روایت سے اصلی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا۔ عثمانی راوی نے خود حضرت علیؓ مرتضیٰ کا نام رکھ دیا، حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؓ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔ [2] اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۱۹ ۔

عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت کی بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی، اس کا اندازہ ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ امام حسنؓ امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی، جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی[1]

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر نہایت احتیاط سے قرعہ ڈالتے تھے۔ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جاویں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں روٹی بھی تھی۔ حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی۔ اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے[2]۔

زہد۔

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا، آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گذر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دار الامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے۔ اور فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ میدان میرے لئے بس ہے۔

ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ مقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ لائیں، عوالی[3] مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے۔ اس کے

---

[1] ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ [2] ایضاً بحوالہ ابو عمر صفحہ ۲۶۹ [3] مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا۔

پاس پہنچکر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجور اُجرت میں ملی، لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی، بجنسہ لئے ہوئے بارگاہ نبوّت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام کیفیت سنکر نہایت شوق کے ساتھ کھاتے میں ساتھ دیا۔[۱]

در دولت پر کوئی حاجب تھا نہ دربان، نہ امیرانہ کرّ و فر، نہ شاہانہ تزک و احتشام اور عیش اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زر و جواہر اگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اس پر فیاضی کا یہ تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا"۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیرالمومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں"۔[۲]

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہِ دوعالم کی بیٹی گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں، ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم موجود نہ تھے، اس لئے واپس آکر سو رہیں، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خود تشریف لائے۔ اور فرمایا "کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لئے مفید ہو"۔ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی۔[۳]

---

[۱] مسند ابن حنبل ص ۱۳۵ [۲] ازالۃ الخفا مجوالہ ابو عمر ابن عبدالبر [۳] بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام

عبادت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گذار بندے تھے۔ عبادت آپ کا مشغلۂ حیات تھا، جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	محمد رسول اللہ اور جو لوگ جو ان
مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، باہم
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ	رحم دل ہیں۔ تم ان کو دیکھتے ہو کہ
رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ	بہت رکوع اور بہت سجدہ کرکے خدا
فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا	کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو

کرتے ہیں۔

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے ابوبکر صدیقؓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ عمر بن الخطابؓ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے عثمان بن عفانؓ رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ اور یبتغون فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں[1]۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ رکوع وسجود تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا، پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا،

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

کان ما علمت صواما قواما[2] جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور

---

[1] تفسیر فتح البیان جلد ۹ ص۔ [2] ترمذی کتاب المناقب، فضل فاطمہ۔

عبادت گذار تھے۔

زبیر بن سعید قرشی کہتے ہیں۔

لم ارھا شمیا قط کان اعبد اللہ منہ[1]۔ میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گذار ہو۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے۔ اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو، اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی، میں نے اس کو نہیں چھوڑا، ابن کوا نے کہا "صفین کی شب میں بھی نہیں"؟ فرمایا "صفین میں بھی نہیں"[2]۔

انفاق فی سبیل اللہ۔

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن دل غنی تھا، کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا، حتی کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچکر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کئے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا۔ اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظام کیا، لیکن تیار ہوا تو ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۸ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ و ابو داؤد کتاب الادب۔

اٹھا کر اس کے نذر کیا۔ غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا۔ اور یہ مردِ خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں یُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الآیہ) کی آیت نازل ہوئی[1]۔

سادگی اور تواضع۔

سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستار فضیلت کا سب سے خوشنما طرّہ ہے۔ اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو عمومًا کبھی جوتا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پاتے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں ڈھونڈھتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا "اجلس یا ابا تراب[2] مٹی والے اب اٹھ بیٹھ"، زبان نبوی کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی!

ایّام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عمومًا چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کا تہ بند باندھے بازار میں گشت

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ۔ [2] ایضاً۔

کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے۔ کہ "اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے۔"

دشمنوں کے ساتھ مہربانی۔

حدیث میں آیا ہے کہ "بہادر وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے"۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ اس میدان میں بھی مرد تھے۔ ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گذرا، لیکن با ایں ہمہ انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اسے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں لیکن جب ایک اجنبی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا۔ تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی۔ اور ان کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک ایک گوشے میں پناہ لی تھی، حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان پناہ گزین زخمی دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔

اصابت رائے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے۔ اور آپ کی اصابت

رائے پر عہد نبوی ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کئے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے راز داروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا، ان میں ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ غزوہ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کرتے تھے، ایک موقعہ پر انہوں نے فرمایا تھا۔

لولا علی لھلك عمر — اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لئے۔ اور اگر ان کے مشورے پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا، بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے زیادہ ثبوت آپ کے فیصلوں سے ملتا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے ان کو قائم رکھا۔ چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

ما اجد فیھا الا ما قال علی۔ — میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کہا ہے۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا :-

الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت۔ — اس خدا کا شکر ہے۔ جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ دینا یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں :-

بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت' قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے۔ اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا، اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا' ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو اِدھر اُدھر جھکتے ہوئے چلتے تھے' اور جب کسی آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا، وہ تقریباً فربہ اندام تھے، ان کی کلائیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے' اور جب میدان جنگ میں جاتے تھے تو بے باکانہ دوڑتے ہوتے جاتے تھے' توی اور دل کے مضبوط تھے۔ جس شخص سے کشتی لڑتے تھے اس کو پچھاڑ دیتے تھے، بہادر تھے، اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی۔ اور جب فیض ربانی نے اس کو موجب کیا۔ تو مقام محبت ان کے لئے ایک مسلّہ چیز بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے فرمایا کہ" میں کل ایسے

شخص کو جھنڈا دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں" بالآخر آپؐ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوابق اسلامیہ میں صرف کیا۔ اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا۔ اور یہ آیت اتری۔

هذان خصمان اختصموا۔ ان دونوں فریق نے باہم مخاصمت کی

ان کی اور انؓ کے رفقا کی شان میں نازل ہوئی، امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصومت کے لئے دوزانو بیٹھے گا۔ قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت:

هذان خصمان اختصموا فی ربهم۔ ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخاصمت کی۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ، ابوعبیدہؓ بن الحارث، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ، اور ولید بن عتبہ نے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارات میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نہی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ

کی شکایت کی، تو آپ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے"۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔" خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہے"۔

حضرت کلیب سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انہوں نے اس کے سات حصّے کئے۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصّے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا۔ پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون حصّہ دیا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی جس نے ڈھیلے اکٹھے کئے تھے، میں نے خیال کیا کہ غالبًا وہ ان کو بھگونا چاہتی ہے۔ چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور سولہ ڈول پانی بھرے۔ جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں، میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا۔

غذا اور لباس۔

حضرت علیؓ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا۔ عمومًا روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے۔ "العمائم تیجان العرب" یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں، کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ

آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی، کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے، اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوڑا لئے بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری نمائش اور طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا، یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے، اور مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے، کہ وہ اس کی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور اس پر "للہ الملک" نقش تھا۔

حضرت علیؓ پر سردی گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں ان کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اللھم اذھب عنہ الحر والبرد یعنی اس سے گرمی و سردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا۔ کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا لباس جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی ہے۔

شمائل اور حلیہ :-

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پُر رونق و خوبصورت سینہ چوڑا، اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا سر میں بال نہ تھے، یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے، اسی لئے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے، کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی، کہ

ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سفید ہوگئے تھے، اور شاید تمام عمر میں ایک دفعہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج واولاد۔

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان سے ذکور میں حسن، حسین، محسن، اور لڑکیوں میں زینب، کبریٰ، اور ام کلثوم کبریٰ، پیدا ہوئیں، محسن نے بچپن میں ہی وفات پائی،

ام البنین بنت حزام، ان سے عباس، جعفر، عبداللہ، اور عثمان، پیدا ہوئے، ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود، انھوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا، لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے،

اسماء بنت عمیس۔ ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ، یہ ام ولد تھیں۔ ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ عمر نے نہایت طویل عمر پائی، اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔

امامہ بنت ابی العاص، یہ حضرت زینب کی صاحبزادی اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے،

خولہؓ بنت جعفر، محمد بن علیؓ، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے؛

ام سعید بنت عروہ، ان سے ام الحسن اور رملہ کبری پیدا ہوئیں

محیاۃؓ بنت امراء القیس، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں، اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب، صغریٰ، رملہ صغریٰ۔ ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ امامہ خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

غرض حضرت علیؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں، امام حسنؓ، امام حسینؓ محمدؒ بن حنفیہ، عباسؓ، عمرؓ (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ)

خوارج کی سازش۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اٹھایا کہ پوری "تاریخ اسلام بدل دیں گے"، اور انہوں نے بدل دی،

عمرو بن بکر تمیمی نے کہا، میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دوں گا کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے، برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا، میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دوں گا، کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے، ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی، علیؓ بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے؛

بالآخر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑ دی، میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ پہلے [illegible]و شخص اپنی مہم میں ناکام رہے، لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم کامیاب ہو گیا، اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا، ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہو گئی، انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شحنہ بن عدی بن عامر بھی تھی، عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگدل نازنین نے کہا "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں [illegible] ادا کرو۔ ابن ملجم راضی ہو گیا، قطام نے اپنا مہر یہ بتلایا تین ہزار درہم، ایک غلام ایک کنیز اور علیؓ کا قتل!

عبدالرحمٰن نے کہا منظور ہے۔

آنے والے حادثہ کا احساس۔

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا، عبدالرحمٰن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں، ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے، خدا کی قسم مجھے آنحضرت نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی۔

عبدالرحمٰن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے آیا۔ مگر آپ نے لوٹا دیا۔ تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ واللہ

یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگ جانے والی ہے (ابن سعد)

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے، تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے! خدایا میں ان سے اکتا گیا ہوں۔ اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں، مجھے ان سے راحت دے اور انہیں مجھ سے راحت دے۔ (ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا قسم اس پروردگار کی جس نے بیج اگایا۔ اور جان پیدا کی، یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے (اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا۔ "امیرالمومنین! ہمیں اس کا نام بتلایئے: ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے"۔

فرمایا۔ تم ایسے آدمی کا قتل کرو گے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے؟

عرض کی گئی تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ فرمایا "نہیں میں تمہیں اسی حال پر چھوڑ جاؤں گا۔ جس حال میں تمہیں رسولؐ چھوڑ گئے تھے"۔

لوگوں نے عرض کیا۔ اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ فرمایا! کہوں گا، خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کرے اور چاہے انہیں بگاڑ دے۔ (مسند امام احمد، مسند علی)

حادثہ سے پہلے۔

آپ کی کنیز ام جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپ سے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپ نے سر اٹھایا، پھر داڑھی ہاتھ میں لی۔ اور فرمایا حیف تجھ پر تو خون سے رنگی جائے گی۔ (ابن سعد)

آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی

مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا، امیر المومنین ہوشیار رہئے یہاں کچھ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں ۔ (الامامة والسیاسة)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے، چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص نے آکر عرض کی، ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں ۔ (ابن سعد)

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا۔ اور اس سے کہا مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔ اس نے وہ تلوار دکھائی، تو وہ بالکل نئی تھی، انہوں نے کہا تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ زمانہ تو جنگ کا نہیں، عبد الرحمٰن نے کہا میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں ۔

اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا۔ آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں"۔ آپ نے جواب دیا۔ لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے ۔ (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ، اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

اریدُ حیاتَہ ویرید قتلی عذیرك من خلیلك من مراد

ابن ملجم برابر برأت کیا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا جو بات ہونا ہے ہو۔ بعض لوگوں نے کہا آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے فرمایا! اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں ۔

صبحِ شہادت

اقدامِ قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا رات بھر ابن ملجم اشعث بن

قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا، اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا، دونوں تلوار لے کر چلے اور اس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے، جس سے امیرالمومنینؓ نکلا کرتے تھے، (ابن سعد)

ساری رات امیرالمومنینؓ کو نیند نہیں آئی، حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا" فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں، ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی، فرمایا کہ دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دے دے ۔ (کامل)

اس پر میں نے دعا کی خدایا مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما۔ اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے ۔

حضرت حسن علیہ السلام فرماتے ہیں اسی وقت ابن النباح موذن بھی حاضر ہوا۔ اور پکارا لوگو! (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا آپ اٹھے ۔ ابن النباح آگے تھا میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا لوگو نماز، روز آپ کا یہی دستور تھا۔ کہ لوگوں کو مسجد میں آنے کے لیے جگاتے پھرتے تھے، (ابن سعد)

شہادت ۔

ایک روایت میں ہے کہ موذن کے پکارنے پر اٹھے نہیں لیٹے رہے موذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اٹھا نہ گیا سہ بارہ اس کے آواز دینے پر آپ بمشکل یہ شعر پڑھتے مسجد کو چلے ؎

اشدد حیازیمک للموت ۔ موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت

فان الموت لاقیکا — تجھ ضرور ملاقات کرنے والی ہے۔
ولا تجزع من الموت — موت سے نہ ڈر۔ اگر وہ تیرے ال
اذا حل بوادیکا — نازل ہو جائے۔

(واحیاء العلوم جلد ۴)

آپ جوں ہی آگے بڑھے دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی، حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری! شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ میں اتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلّائے فزت برب الکعبۃ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ (احیاء جلد ۴)

نیز پکارے کہ قاتل جانے نہ پائے لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، شبیب تو نکل بھاگا۔ عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کر دی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے، لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا، اور زمین پر دے مارا۔

قاتل کے لئے ہدایت۔

امیر المومنینؑ نے حضرت حسنؓ سے کہا یہ قیدی ہے، اس کی خاطر تواضع کرو، اچھا کھانا دو، نرم بچھونا دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا، قصاص لوں گا، یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ ربّ العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔ (ابن سعد)

وصیت :-

پھر آپؓ بے ہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبد اللہ نے حاضر ہوکر کہا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟

آپؓ نے جواب دیا میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔ (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلاکر فرمایا میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے، جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پر نہ کڑھنا، ہمیشہ حق کہنا، یتیم پر رحم کھانا، بے کس کی مدد کرنا، آخرت کے لئے عمل کرنا، ظالم کے دشمن بننا، مظلوم کے حامی بننا، کتاب اللہ پر چلنا، خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، پھر آپ نے تیسرے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کرلی؟ انہوں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ تیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا، ان کی اطاعت کرنا، بغیر ان کی رائے کے کام نہ کرنا۔

پھر امام حسنؓ و حسینؓ علیہما السلام سے فرمایا، میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے، تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر امام حسنؓ سے فرمایا، فرزند میں تمہیں وصیت کرتا ہوں خوفِ خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی، ٹھیک وضو کرنے کی، کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن

نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں، نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی، دین میں عقل و دانش کی، ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن سے مزاولت کی، پڑوسی سے حسن سلوک کی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی، فواحش سے اجتناب کی۔ (طبری جلد ۶)

اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہ کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ (طبری جلد ۶)

حضرت عائشہ کا سوگ۔

زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعے مدینہ میں پہنچی، سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا، کوئی آنکھ نہ تھی جو نہ روتی ہو بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا، جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا، چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ کے بھتیجے کی موت سنکر ان کا کیا حال ہے؟

حضرت زید کہتے ہیں سب لوگ ہجوم کر کے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ ہم نے دیکھا کہ حادثہ کی خبریں پہلے سے پہنچ چکی ہے۔ اور ام المومنین غم سے نڈھال اور آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں، لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے،

حضرت زید فرماتے ہیں دوسرے دن مشہور ہوا، ام المومنین رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قبر پر جا رہی ہیں، مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے، مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی ہیں نہ بولتی ہیں، شدتِ گریہ

سے زبان بند تھی، دل تنگ تھا، چادر تک نہ سنبھلتی تھی، بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا جاتیں۔ بدقت تمام پہنچیں، لوگ پیچھے پیچھے آ رہے تھے، حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں، اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:۔

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! ابو القاسم تجھ پر سلام۔ رسول اللہ! آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں، میں آپ کے عزیز ترین فرزند کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں، بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا، اور ایمان کے عہد میں پورا اترا، میں رونے والی غمزدہ ہوں، میں اس پر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں، اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہوگیا۔"

(عقد الفرید ج ۲)

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہؓ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی، اور کہا، اب عرب جو چاہیں کریں کوئی انہیں روکنے والا نہیں رہا۔

(استیعاب)

علی عبدِ شکور

خدائے یکتا و بے ہمتا

دنیا کی یہ سب سے زیادہ عجیب مشین جس کا نام انسان ہے اپنی وضع، کارگزاری و ماہیت کے لحاظ سے کتنی حیرت آفریں ہے۔

تخلیق کا عمل جہاں بھی نظر آتا ہے خواہ انسان ہو یا پتھر، درخت ہو یا خوشہ گندم، پھول ہو یا کانٹا، ثمر شیریں ہو یا دانۂ تلخ، ہوا میں اڑنے والے پرندے ہوں، یا دریا میں تیرنے والی مچھلیاں، یا زمین پر چلنے والے جانور اور درندے ان سب کا پیدا ہونا نشو و نما پانا، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپے، اور بڑھاپے سے موت کی وادی کا سفر، یہ سب مراحل کتنے معجز نما، کتنے محیر العقول، کتنے حیرت آفریں ہیں؟ خود یہ زندگی کا عمل، اور موت کی فرمانروائی، حیرت کے کتنے ذخیرے اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہے۔

اور اس کائنات سے ماورا، یہ باد صبا، یہ باد سموم، یہ بارش، یہ دھوپ، یہ طوفان، ہوا، یہ آندھی، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے اور سیارے۔ خود ایک دنیا ہیں، کتنی حسین، کتنی عظیم اور کتنی عجیب دنیا!

ان سب چیزوں کو کس نے بنایا ہے؟

ان سب چیزوں میں، یہ قوت کس نے پیدا کی ہے؟

اس سوچ میں انسان مدتوں بھٹکتا رہا، پیغمبر آئے اور گئے، انسان راہ یاب ہوا، اور گمراہ ہوا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک عرب کے ریگ زار سے نبی اُمی کی صدائے توحید بلند نہیں ہوئی۔ لیکن یہ صدا کچھ اس طرح دل کے کانوں نے سنی کہ سعید روحیں خدائے واحد کی عظمت و جلالت کے سامنے سر بسجود ہو گئیں انہی سعید

روحوں میں ایک روح علی مرتضیٰؓ کی بھی تھی، انہوں نے خدائے یکتا و بے ہمتا کا جلوہ دیکھا اور کہہ اُٹھے :-

ہر موجود، خدائے بزرگ و برتر کے لیئے تواضع اور فروتن ہے، ہر چیز اُسی کے بل پر قائم ہے۔ وہ ہر فقیر درویش کو بے نیازی عطا کرنے والا اور ہر ذلیل و خوار کو ارجمندی دینے والا ہے، وہ ہر ناتوانی کی قوت ہے، اور ہر ستم رسیدہ کی گریز گاہ ہے۔

وہ بولنے والے کی بات سنتا ہے، ہر خاموشی کے بھید و رمز سے واقف ہے، وہ ہر زندہ کا روزی رساں یعنی متکفل ہے۔ اور ہر مرنے والے کا مرجع اور بازگشت صرف اُسی کی طرف ہے۔ آنکھوں نے تجھے دیکھا نہیں کہ تیری خبر دے سکیں۔ مخلوقات میں جو تیرے وصف بیان کرنے والے ہیں تو اُن سے بہت پہلے سے موجود ہے۔ تو نے یہ خلقت تنہائی کی وحشت سے ڈر کر نہیں پیدا کی اور نہ انہیں کسی نفع و سعد کے لیے ایجاد فرمایا ہے، جسے تو طلب کرے، وہ تجھ سے سبقت نہیں کر سکتا اور جسے تو پکڑے وہ تیرے پنجہ سے نہیں نکل سکتا، جو تیری نافرمانی کا مرتکب ہو وہ تیری ملک و بادشاہی میں کسی طرح کی کمی نہیں کر سکتا، اور جو تیری اطاعت، و پیروی کرے وہ تیری سلطنت میں اضافہ نہیں کر سکتا، جو تیرے فیصلہ سے راضی اور خوش نہیں، وہ اس (فیصلہ) کو رَد نہیں کر سکتا، اور جو تیرے فرمان سے روگردانی کرتا ہے وہ تجھ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، ہر پنہاں تیرے نزدیک آشکارا اور ہر غائب تیرے لیئے حاضر ہے (پنہاں و آشکار، حاضر و غائب اُس کے نزدیک یکساں ہیں کیونکہ اس کا علم اس کی عین ذات ہے اور تمام اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے) تو ہمیشہ سے ہے اور تیرے لیے کوئی انتہا نہیں، تو ہی منتہی ہے لہذا تیرے امر و فرمان سے گریز و فرار ممکن نہیں، تو ہی (ہر چیز کی) جائے بازگشت ہے، لہذا تیرے (عذاب سے) گریز نہیں ہو سکتا، سوا تیری رحمت کی طرف گریز کرنے کے، ہر جاندار کی پیشانی تیرے دست (قدرت و توانائی) میں ہے، اور ہر انسان کا مرجع تیری ہی طرف ہے

خدایا ــــــــــ!

تو ہر عیب و نقص سے منزّہ ہے، تیری جس مخلوق کو ہم دیکھتے ہیں، وہ اپنی جگہ پہ بسیار بزرگ نظر آتی ہے، لیکن تیری قدرت و توانائی کے حضور میں اُس کی بزرگی کتنی حقیر اور کم مایہ دکھائی دیتی ہے، تیری پادشاہی اور ربوبیت کو ہم اپنی (چشم عقل) سے دیکھتے ہیں، تو وہ کتنی ہولناک نظر آتی ہے، لیکن یہ جلالت تیری اُس جلالت کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر اور کم مایہ ہے، جو ہماری نظروں سے پنہاں ہے۔

تیری نعمتیں دنیا میں کتنی کامل اور اکمل دکھائی دیتی ہیں لیکن آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں کتنی ہیچ نظر آتی ہیں!

استدراک!

یوں تو امیر المومنینؑ کا ہر خطبہ، مفہوم و معنی کا ایک دفتر، حقائق و معارف کا ایک سمندر، اور اسرار و رموز الٰہی کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہوتا ہے، لیکن اس خطبہ میں اُنہوں نے ایک بات ایسی فرمائی ہے جس کی تصدیق و تحسین جتنی آج کی ترقی یافتہ سائنس کر سکتی ہے آج سے چودہ سو برس پہلے کی مخلوق نہیں کر سکتی تھی۔ اس خطبہ میں امیر المومنینؑ نے خداوند تعالیٰ کے اوصاف کمال و جلال بیان فرماتے فرماتے ارشاد کیا ہے:

"تیری پادشاہی اور ربوبیت کو ہم اپنی چشمِ عقل سے دیکھتے ہیں تو کتنی ہولناک، عظیم الشان اور عدیم المثال نظر آتی ہے، لیکن تیری یہ جلالت اُس جلالت کے مقابلہ میں کہیں ہیچ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔"

اور یہ اوجھل ہماری نظروں کے سامنے کس حد تک نمایاں ہوتا جا رہا ہے، پہلے ہم بھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دنیا ایک دنیا ہے اور بس، اس لیے پہاڑ، دریا، سمندر، جنگل، صحرا، بیابان، دیکھ ہم حیران رہ جاتے تھے، سرِ عبودیت خم کر دیتے تھے، لیکن اب ہماری آنکھیں، رصد گاہوں میں بیٹھ کر، دوربینوں سے کام لے کر دیکھ چکی ہیں اور دیکھ رہی ہیں کہ

یہ کرۂ ارض، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ صحرا، یہ بیابان اور ساری عظیم و جلیل چیزیں، دوسرے سیاروں، دوسری دنیاؤں اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کتنی ہیچ، کتنی بے مایہ اور کتنی حقیر ہیں، اور یہ حال تو اب ہے کہ ہمارے معلومات کی مثال، اس بچہ کی طرح ہی جو سمندر کے کنارے بیٹھ کر ایک چلو پانی ہاتھ میں لیلے اور ڈھنڈورا پیٹے کہ سارا سمندر اس کی مٹھی میں آگیا، ابھی تو ہم نے معرفت کے میدان میں قدم رکھا ہے، راہروی نہیں کی ہے، ہزاروں سال بعد جب ہمارا علم اور بڑھے گا، ہمارے مشاہدات اور ترقی کریں گے، حقائق ہمارے سامنے اور زیادہ صحت کے ساتھ براگندہ نقاب ہوں گے، تب ہمیں پتہ چلے گا، کہ واقعی سلطنتِ الٰہی کا جو حصّہ ہماری نظروں سے پنہاں اور ہماری دسترس سے دور ہے وہ کتنا عظیم و جلیل ہے، وہ کتنا ہولناک اور لرزہ خیز ہے ——— لیکن یہ مراحل و مدارج ہمارے لیئے ہیں، خاصانِ خدا کے لیئے نہیں ہیں۔ ان کے ادراکِ باطن میں خدا ایسی جلا پیدا کر دیتا ہے، اور ان کی قوتِ مشاہدہ اتنی تیز اور سریع ہوتی ہے کہ بغیر کسی زحمت کے وہ ان بہت سی چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جن کا صرف اندازہ کرنے کے لیئے ہمیں نہ جانے کتنی صدیاں اور نہ جانے کتنے قرن چاہئیں، سچ کہا ہے کسی نے ؎

خاصانِ خدا، خدا نباشند،
لیکن ز خدا، جدا نباشند،

حمدِ خدائے پاک،

حمد ذاتِ باری تعالیٰ میں ایک اور موقع پر امیر المؤمنین نے فرمایا:۔

بندگانِ خدا!

میں تمہیں ترکِ دنیا کی نصیحت کرتا ہوں، کہ جو (بالآخر) خود تمہیں (ایک نہ ایک دن) چھوڑ دے گی (اور قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئے گی) اور اگرچہ تم ترکِ دنیا کو پسند

نہیں کرتے (لیکن) وہ تمہارے اجسام کو کہنہ کر دینے والی ہے، گو تم چاہتے ہو کہ وہ ہمیشہ تر و تازہ رہیں، پس تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے وہ مسافر کہ راہ مسافرت پہ قدم زن ہے، اور (سمجھ لیتا ہے کہ) راستہ طے ہو گیا، اور نشانِ منزل (کہ دور سے نمایاں نظر آتے ہیں) قریب آ گئے، اور وہ اُن تک پہنچ گیا، اور کتنا غلط خیال ہے اُن لوگوں کا جو اپنے مرکب کو، منزل کی طرف بڑھاتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ منزل تک پہنچ جائیں گے، اور کتنی عجیب ہے یہ اُمید کہ جسے ایک دن مرنا ہے اُسے بقا (لازوال) حاصل ہے جس کی حد سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا، اور طلب کنندہ (موت) کہ شتابی اور تندی کے ساتھ اُسے ہنکاتا ہے تا آنکہ وہ اس دنیا سے مفارقت اختیار کر لیتا ہے۔

پس دنیا کی عزت اور نعیم پر فریفتہ نہ ہو جانا، اس کی مصیبت اور کلفت پر فغاں وزاری نہ کرنا، کیونکہ اس کی عزت وار جمندی ختم ہو جانے والی ہے، اس کی زینت اور نعیم زائل ہو جائے گی، اس کی کلفت اور مصیبت (ایک نہ ایک دن) ختم ہو جائے گی اس دنیا کی ہر مدت اور ہر زمانہ کو ختم ہونا ہے، یہاں کے ہر جاندار کو فنا کے آغوش میں پہنچنا ہے، پس کیا آثار پیشینیاں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا میں دل الجھانے سے تمہیں روکے؟ اور کیا اپنے آبائے اولین میں ــــ اگر تم عقل و اندیشہ سے محروم نہیں ہو ــــ کوئی عبرت و پند نہیں پاتے؟

کیا تم نہیں دیکھتے کہ (اس دنیا سے) جانے والے پھر کبھی واپس نہیں آتے؟ اور اُن کے جو جانشین (اس وقت) زندہ ہیں، وہ بھی ہمیشہ زندہ و باقی نہیں رہیں گے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ اہل دنیا کیسے گوناگوں حالات میں شب و روز بسر کرتے ہیں؟ کہیں کوئی دم توڑ چکا ہے اور اُس پر رونے والے رو رہے ہیں اور کوئی دوسرا ہے جسے پُرسا دیا جا رہا ہے تعزیت کی جا رہی ہے؟ کوئی بیمار ہے اور بچھاڑیں (درد سے) کھا رہا ہے اور عیادت کرنے والا عیادت کر رہا ہے، اور کوئی دوسرا ہے کہ عالم نزع

میں ہے، کوئی دنیا کا خواہاں ہے، اور موت اُس کی تلاش میں ہے، اور کوئی دوسرا ہے
کہ (حساب و پرسش روزِ رستخیز سے) غافل و بے خبر ہے، لیکن خدا اس سے غافل نہیں
یہ گذر جانے والوں کے نقشِ قدم ہی ہیں، جن پر باقی (زندہ) لوگ چل رہے ہیں!

خبردار!

کارہائے زشت نہ انجام دو، اپنی موت کو یاد رکھو جو لذّتوں کو ڈھا دینے والی
خواہشات کو منغص کر دینے والی، آرزوؤں اور تمناؤں کو قطع کر دینے والی ہے..!
خدا کا حق ادا کرنے کے لیے اُس سے مدد طلب کرو، اور اُس کی اَن گنت نعمتوں
اور احسانوں کا شکر ادا کرو ــــ!

خدائے قادر و توانا

ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے امیر المومنینؑ نے فرمایا:-
"وہ فائدہ کا عطا کرنے والا، اور ہر بڑی سے بڑی بلا اور سختی کا رفع کرنیوالا ہے
میں اُس کے احسانِ پے در پے اور نعمتِ واسعہ پر اُس کی حمد کرتا ہوں!
میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اول و ہویدا ہے۔
اسی سے راہِ ہدایت طلب کرتا ہوں کہ وہ نزدیک و راہنما ہے۔
اسی سے یاوری کی امید رکھتا ہوں، کہ وہ غالب و توانا ہے، اُسی پر توکل کرتا
ہوں، کہ وہ (میرے لیے) کافی اور یاور ہے!
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے بندے اور فرستادہ
ہیں جن کو اُس نے اپنے فرمان جاری کرنے، اور تبلیغ حجت و دلیل، نیز اپنے عذاب
سے ڈرانے کے لیے روانہ فرمایا۔
یہ دنیا مٹ جانے والا دھوکہ، زائل ہو جانے والا سایہ، ڈوب جانے والی
روشنی، اور ٹوٹ جانے والا ستون ہے۔

یہاں تک کہ جب نفرت کرنے والا اس سے مانوس، اور گھبرانے والا مطمئن ہو جاتا ہے، تو یہ اسے اپنے پاؤں سے پٹک دیتی ہے. اپنے جال میں اس کا شکار کر لیتی ہے اور اپنے تیروں سے اُسے ہلاک کر ڈالتی ہے، اور انسان کے گلے میں موت کی کمند (بیماریاں) ڈال کر اسے کشاں کشاں خواب گاہ تنگ، (قبر) اور بازگشتگاہ ترسناک (آخرت) کی طرف لے جاتی ہے، تاکہ وہ جائے گاہ ہمیشگی (جنت یا دوزخ) اور جزائے کردار (نیک یا بد) دیکھ لے، اور اسی طرح خلف سلف کا تعاقب کرتے رہتے ہیں (ایک طرف) نہ موت اپنی کارفرمائی سے باز آتی ہے (دوسری طرف) یہ دنیا میں رہنے والے لوگ اپنے اسلام کی پیروی کر رہے ہیں۔ ارتکاب گناہ سے باز نہیں رہتے، اور نہ پشیمان ہوتے ہیں۔ لوگ (اسی طرح) پے در پے (آتے ہیں) اور جاتے جاتے ہیں۔ یہاں تک پایانِ فنا و نیستی پر منتہی ہو جائیں گے۔ اور (جب قیامت برپا ہوگی تو) یہ پھر زندہ کیئے جائیں گے، خدائے آمرزگار انہیں قبروں کے گوشوں، پرندوں کے آشیانوں، درندوں کے بھٹوں، اور جنگ کے میدانوں سے (جہاں وہ ہلاک ہوئے ہوں گے۔) اُٹھائے گا اور یہ تیزی کے ساتھ سوئے معاد، اور جائے بازگشت کی طرف جو خدا نے اُن کے لیے مقرر کر دی ہے روانہ ہوں گے ۔۔۔!

ان میں کوئی گروہ صف بستہ خاموش کھڑا ہوگا، بینائی خداوندا نہیں احاطہ کیئے ہوگی (اور جب حساب کا وقت آئے گا) منادی آواز دے گا، ان کے اجسام پر (ہول کے اثر سے گویا) فروتنی و خواری کا جامہ، رسوائی۔ اور ذلت کی شکستہ حالی کا لباس ہوگا، تدبیریں کم ہو چکی ہوں گی، اور آرزوئیں ناکام ہو چکی ہوں گی، دل افسردہ اور غمگین ہوں گے، خشوع و فروتنی کے باعث اُن کی آوازیں پست ہوں گی مُنہ پسینہ سے پُر ہوگا۔ (کیفیت معصیت کے باعث) خوف بے اندازہ ہوگا، اور (صدائے منادی) برائے تمیز حق و باطل، و جزائے خیر و شر و عقاب و کیفر، و بخشیدن

ثواب و پاداش، ان کے کانوں میں لرزہ پیدا کر رہی ہو گی۔

یہ وہ بندے ہیں کہ قدرتِ خداوندی سے خلق ہوئے، اور اس کی سطوت و قہرمانیت سے اس کے غلام بنائے گئے، پھر جان کنی کا وقت آیا اور ان کی روحیں قبض کی گئیں، اور مرنے کے بعد، یہ قبروں کو سونپ دیئے گئے، جہاں یہ ریزہ ریزہ ہو گئے، پھر انہیں ایک ایک کر کے قبر کی تنہائیوں سے اُٹھایا گیا، اور انہیں (ان کے اعمال کی جزا دی گئی، اور یہ حساب کے لیے جُدا جُدا کر دیئے گئے۔

ان لوگوں کو گمراہی سے رہائی پانے کی مہلت دے دی گئی تھی، (بوسیلہ پیغمبران) سیدھے رستہ کا نشان بتا دیا گیا تھا، اور (خدا کو) راضی رکھنے کے لیئے جتنی مدت درکار تھی اتنی عمر دے دی گئی تھی، شبہات کی تاریکیاں ہٹا دی گئی تھیں، اور مضمار حیات (یعنی سبک بار و سبک تن) کی طرح چھوڑ دیا گیا تھا، فکر عمل، اور نور علم و دانش کی تلاش کو مہلت دے دی گئی تھی، کہ موت کے پہنچنے تک کی فرصت سے فائدہ اُٹھا لیں، اور یہ امثالِ صائب، پند شافی، اور عقلِ رسا (کتنے دل نشیں ہیں کاش) یہ دل پاکیزہ اور گوشِ شنوا، اور اندیشہ ثابت اور عقلِ استوار پا لیتے!

پس اے لوگو! خدا سے اُس شخص کی طرح ڈرو جو پند و نصیحت کو سُنتا اور سر کو جُھکا لیتا ہے، جس نے گناہ کیا ہو، اور اُس کا اعتراف کر لیا ہو، جو خدا سے ڈرتا ہو، اور عملِ صالح کرنے لگا ہو، جس نے عذابِ خدا سے خائف ہو کر توبہ کی جانب بڑھا یا ہو، قیامت پر ایمان لا کر اچھے کام کیئے ہوں، عبرت انگیز چیزیں دیکھ کر نصیحت حاصل کی ہو، عذابِ الٰہی سے) ڈرایا گیا ہو تو ڈر گیا ہو، حق کی آواز سُن کر اس کی طرف رجوع کرتا ہو، اور پھر بعد ازاں تائب ہو جاتا ہو، پیشواؤں کی پیروی کرتا ہو، اور ان کے قدم بقدم چلنے کی (کوشش) کرتا ہو، جب اسے (راہ راست) دکھائی جاتی ہو تو دیکھ لیتا ہو، اور شتابی کے ساتھ جوئندہ حق بن کر لپکتا ہو، گناہوں سے رو بفرار

نجات حاصل کرلی ہو، اور آخرت کے لیئے (عمل صالح کے) ذخیرے جمع کر لیئے ہوں، اپنے باطن کو پاک کر لیا ہو، اور آخرت کا گھر آباد کر لیا ہو، اور توشہ (بندگی خدا و خدمت خلق) دنیا سے کوچ کے دن کے لیئے راہ سفر آخرت پر رہروی کے لیے، اور جائے ملک وستی (قبر و قیامت) کے لیئے ذخیرہ اندوزی کر کے (عمل صالح کی) اپنی پیٹھ پر مضبوط باندھ لی ہو، اور جائے آخرت کے لیئے اس توشہ کو (موت سے پہلے) روانہ کر دیا ہو۔

پس اسے بندگان خدا! ـــــ!

خدائے بزرگ و برتر نے جس کام کے لیئے تمہیں خلق کیا ہے اس سے ڈرتے رہو، اس نے اپنی ذات کے متعلق تمہیں جتنا خوف دلایا ہے اتنا اس سے ڈرو، اس کے وعدہ کی صداقت کو پورا کر کے روز قیامت کے ہول سے ڈر کر اجر آخرت کے مستحق بن جاؤ!

خدا نے تمہارے لیئے کان بنائے تاکہ تم (اچھی طرح کام کی باتیں) یاد رکھ سکو! آنکھیں دیں تاکہ تاریکی سے بچو، اور بینا بن جاؤ، اور تمہارے ہر عضو (ظاہری) کو عضو (باطنی) سے محتوی کر دیا۔ اور ان اعضاء کو ترکیب صورت دے کر مناسب مقاموں پر رکھ دیا، بدن کو ترکیب ہائے سودمند سے قائم اور برقرار رکھا، جو عمر کی ساخت اور شکل کی ترکیبیں ہیں، جوڑوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والے اعضاء کے ساتھ موجود ہیں، مرکب کیا، یہ ترکیب صوری، ایک تو ان ابدان سے قائم ہے جو سودمند ہیں، دوسرے ان قلوب سے، جو اس کی نعمت بے کراں کو بزرگ بنانے والے اعمال، اس کے احسانات کو واجب کر دینے والے امور، اور عافیت کی نگہداری کرنے والی آڑیں اپنے رزق کی تلاش کرتے ہیں۔

خدا نے تمہارے لیئے عمر و زندگی کی مدت معیّن کی، اور اُسے تم سے پنہاں رکھا اور آثار گذشتگاں کو تمہاری عبرت اندوزی کے لیئے باقی رکھا ـــــ وہ لوگ جو

اپنے نصیب سے بہرہ ور ہونے کی منزل، اور رسن گلو کے کشادہ ہونے کے مقام (دنیا) سے تم سے پہلے گزر چکے ہیں، جنہیں قبل اس کے کہ آرزوؤں تک پہنچ سکیں موت نے جھپٹ لیا، اور اُن کی مدت کے منقطع ہو جانے کے باعث تمنّائیں منتشر ہو گئیں انہوں نے ہنگامِ تندرستی کوئی توشۂ (آخرت) مہیا نہ کیا، اور زندگی کے آغاز (جوانی و توانائی) میں کوئی عبرت حاصل نہ کی —— !

کیا یہ عنفوانِ جوانی و توانائی میں، پیری و خمیدگی کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا کوئی تندرست بیماری ہائے گوناگوں کا منتظر رہتا ہے؟ کیا وہ جو باقی اور برقرار ہے فنا و نیستی کے سوا کسی اور چیز کا منتظر ہے؟ حالانکہ رحلت کا وقت نزدیک آ چکا، انتقال کی گھڑی سر پر آ پہنچی، سوزِ نہاں کے تعب، لعابِ دہن کے گلو گیر، اور پھندہ ڈالنے والے گھونٹ پینے اور خدمت گزاروں اور فرزندوں، ہمسروں دوستوں سے مدد طلب کرنے کے لئے متوجہ ہونے کی ساعت آ گئی ہے —— !

کیا ان لوگوں نے (موت کی) سختیاں دور کر دیں؟ —— یا ان کے شیون سے کوئی فائدہ پہنچایا؟ جب کہ گورستان میں سپردگی عمل میں آ گئی، اور گوشۂ تنگ (قبر) میں تنہا چھوڑ دیا گیا؟ قبر کے کیڑوں (مار و کژدم وغیرہ) نے اس کی لاش کو پارہ پارہ کر دیا، مصائبِ دوراں نے اس کے نشان کو نابود کر دیا، بدن کی طراوت و تازگی و رعنائی رخصت ہو گئی، باد سخت نے اُس کے آثار کو محو کر دیا، اس کی ہڈیاں لپٹ توانائی بوسیدہ ہو گئیں، اور روحیں بارِ گراں (معصیت) کا بوجھ لے کر غیب کے اخبار پر یقین لے آئیں، (مگر کب؟ جب) نہ اعمالِ صالحہ میں اضافہ ممکن ہے، نہ بُرے کاموں کی تلافی کی جا سکتی ہے!

لوگو!

یاد رکھو کہ تمہیں پل صراط پر سے گذرنا ہے، اس کی لغزش کے مقامات، ٹھوکر

کھانے کی جگہوں اور متواتر خوفوں سے گزرتا ہے، لہٰذا خدا سے اُس دانا آدمی کی طرح ڈرو، جس کے دل میں انجام کی فکر نے گھر کر لیا ہو، جس کے بدن کو خوفِ خدا نے لاغر کر دیا ہو، عبادتِ شب نے اُس کی ذرا سی نیند بھی چھین لی ہو، جس کے تپتے ہوئے دلوں کو ثواب کی امید نے پیاسا بنا دیا ہو، جس کے خواہشاتِ نفسانی کو زہد نے روک دیا ہو، جس کی زبان کو خدا کے ذکر نے خشک کر دیا ہو، جس نے خوف کو اپنے بچاؤ کے لیے پیشِ پیش رکھا ہو، جو راہ روشن سے ہٹے ہوئے راستوں سے روگرداں ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچانے والے سیدھے راستہ پر رہروی شروع کر دی ہو، جس کو مکر و فریب کے موانع نے نیک کام سے روکا نہ ہو، شبہات کی حقیقت اس نے پہچان لی ہو، جس نے اپنے خوشگوار دنوں اور آسائش کی نیند میں نعائم اُخروی کی راحت، اور نجات کی خوشخبری حاصل کر لی ہو، دنیا کو جس نے اچھے صفات کا حامل بن کر بسر کیا ہو، فیروزی کے عالم میں جس نے آخرت کا توشہ پہلے سے بھیج دیا ہو، عذابِ الٰہی سے خائف ہو کر جس نے نیک کام کرنے میں جلدی کی ہو، زندگی کی عطا کی ہوئی فرصت میں جس نے عجلت کے ساتھ آخرت کے کام انجام دے ڈالے ہوں، پسندیدہ امور کی طرف راغب ہوا ہو، اور قابلِ ترک چیزوں سے روگرداں رہا ہو، آج (زندگی میں) کل (موت کے بعد) کا دھیان رکھا ہو، اس لیے کہ اجر اور عطا، بخشش اور ثواب، جنت اور جہنم منتقم اور نصیر ہونے کی حیثیت سے حجت اور دلیل پیش کرنے والے کی حیثیت سے کتابِ خدا بہت کافی ہے۔

خدائے دانا و بینا

عبادتِ الٰہی اور بندگی خداوندی کی تلقین کرتے ہوئے ایک موقع پر امیرالمومنین نے ارشاد فرمایا:۔

(بلا شبہ) خداوند متعال، پنہاں سے واقف، اندیشۂ قلب کا دانا، ہر چیز کو

محیط (ہر کلی و جزوی چیز کو محیط) ہر چیز پر غلبہ اور توانائی رکھنے والا ہے۔

پس تم میں سے ہر اُس شخص کو جو عمل کر سکتا ہے چاہیئے کہ موت کے بسرعت لاحق ہونے سے پہلے مہلت کے دنوں میں فراغت اور اطمینان کی ساعت میں، جو کچھ کر سکتا ہے کر لے، قبل اس کے کہ مشغولیت کی گھڑی آ جائے سانس لینے کے زمانہ میں قبض روح سے پیشتر (اپنے بچاؤ) کا کام کر لے!

پل صراط پر مضبوطی کے ساتھ قدم جمانے کے لئے پہلے سے بندوبست کر لے، اور اس دنیا سے کہ جہاں سے بہر حال کوچ کرنا ہے، اس گھر کے لیے جہاں ہمیشہ رہنا ہے زادِ سفر کا انتظام کر لے۔

خدا کے بندو!

خدا سے ڈرو! ——!

اُن باتوں کے بارے میں جن کے لیئے تمہیں اس نے یاد رکھنے کا حکم دیا ہے، جن حقوق کی نگہداشت کے فرض کو اُس نے امانت کی طرح تمہیں سونپا ہے، کیونکہ اس نے تمہیں بیکار نہیں خلق کیا ہے، نہ تمہیں مہمل و بیکار چھوڑا ہے، نہ تمہیں نادانی اور کوری (گمراہی) میں مبتلا کیا ہے، اس نے تمہارے اعمال اور اُن کے حدود کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، وہ تمہارے کردار سے واقف ہے، تمہاری عمر اور زندگی کی مدت اُس نے معیّن کر دی ہے اور تم پر وہ کتاب نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے، اس نے اپنے نبیوں کو ایک مدت تمہارے اندر زندہ اور قائم رکھا، یہاں تک کہ اُس نے اپنے دین کو تمہارے لیئے مکمل کر دیا، اور آنحضرتؐ کی زبان سے وہ اعمال بیان کرا دیئے جنہیں وہ پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے، نیز زبانِ رسالت سے کردارِ زشت و نواہی و اوامر کی تبلیغ کرا دی، اور تمہارے کسی عذر کی گنجائش باقی نہ چھوڑی، اور تم پر ہر طرح سے حجّت تمام کر دی، تمہیں عذاب سے ڈرا دیا، اور تمہیں عذابِ سخت کے سامنے جانے سے ڈرایا!

یاد رکھو!

ریا کاری خواہ کتنی ہی خفیف ہو ایک طرح کا شرک ہے، اور اہلِ ہوٰی (نفس) کے ساتھ نشست برخاست ایمان کو فراموش کر دینے والی اور شیطان کو حاضر کر دینے والی ہے۔!

کذب و دروغ سے کنارہ کش رہو، کیونکہ جھوٹ خود ایمان سے کنارہ کش ہے، راست گفتار نجات وکرامت کے دہانے پر، اور دروغ گو ذلت و خواری کے کنارے پر کھڑا ہے۔

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، کیونکہ حسد ایمان کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، کیونکہ یہ ہر خیر و برکت کے زوال کا باعث ہے (جیسے بالوں کو سر سے جُدا کر دیتی ہے)۔

اور یاد رکھو!

آرزو عقل کو بھول میں ڈال دیتی ہے لہذا غلط امیدوں کو جھٹلاؤ۔ کیونکہ یہ امید نہیں (ایک قسم کا) فریب ہے! —— لہذا آرزو مند فریب خوردہ ہے!

خدائے لم یزل

خدائے بزرگ و برتر کی قدرت و کبریائی پر حضرت علیؑ نے مختلف مواقع پر حقائق و معارف سے بھرے ہوتے جو کلمات و خطبات ارشاد فرمائے ہیں وہ حُسنِ بیان، زورِ استدلال سحر طرازی اور اثر آفرینی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

اسی طرح کے خطبات میں سے ایک خطبے کا کچھ حصہ یہ ہے:

"حمد و سپاس اُس خدا کے (قادر و توانا) کے لئے ہے، کہ آنکھوں سے دیکھے بغیر جس کی شناخت حاصل ہے، اور جو بدون فکر و اندیشہ، ایجاد کنندۂ (دنیا) ہے، وہ اس وقت سے برقرار اور باقی ہے جب کہ یہ برجوں والا آسمان تھا، اور نہ یہ بڑے بڑے دروالے حجاب، نہ شبِ تاریک نہ بحرِ پرسکون، نہ گھاٹیوں والے پہاڑ، نہ موڑ دار گھاٹیاں، نہ زمین کا گہوارہ تھا، نہ توانائی و تونگری رکھنے والی مخلوق، پیکرِ وجود سے آراستہ تھی،

بلاشبہ یہی خدا ہے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، اور یہی ہے جو مخلوقات کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا، یہی معبود ہے، یہی روزی دینے والا ہے، ماہ و خورشید اسی کی راہ طلب میں رواں دواں ہیں اور ہر جدید کو کہنہ، اور ہر قریب کو دور بنا دینے والے ہیں،

خدا نے مخلوقات کو روزی تقسیم کی، وہ اُن کے آثار و اعمال سے واقف ہے، اُن کے تعداد انفاس، خیانتِ چشم، سینہ کے اندر چھپے ہوئے اسرار، رحمِ مادراں میں اُن کے جائے استقرار و محل و مقام تک سے آشنا ہے (ان کے دنیا میں آنے کے بعد سے) ان کے ہر کام سے واقف و شناسا ہے، یہاں تک کہ اُن کی عمر کی مدتیں اپنی انتہا کو پہنچ جائیں، یعنی زندگی فسخ ہو جائے)،

وہ خدا ہی ہے کہ عین وسعت و رحمت کے عالم میں اس کا عذاب دشمنوں پر سخت ہوتا ہے، اور عین سختیٔ عذاب میں اُس کی رحمت دوستوں کو اپنے کرم سے ڈھانپ لیتی ہے!

وہ ہر اُس ہستی پر مسلط ہے جو اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے۔ اور ہر اُس ہستی کو ہلاک کر دیتا ہے جو اس سے مخالفت کرے، جو اُس سے دوری طلب کرتا ہے، اُسے وہ خوار کر دیتا ہے، جو اُس سے دشمنی کرتا ہے اُس پر وہ غالب آجاتا ہے، جو اُس پر توکل کرتا ہے، اُسے وہ کافی ہوتا ہے، جو اُس سے مانگتا ہے اُسے وہ عطا کرتا ہے، اور جو اُسے قرض دیتا ہے اُس کا قرض (مع نفع کے) وہ ادا کر دیتا ہے، جو اُس کا شکر ادا کرتا ہے اُسے وہ جزا دیتا ہے

خدا کے بندو!

قبل اس کے کہ میزان (حشر) میں تمہیں تولا جائے، تم خود اپنے تئیں تول لو!

خود اپنا محاسبہ کر لو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ (میدانِ حشر میں) کیا جائے۔

رسنِ گلوگیر (موت) سے پہلے، اچھی طرح سانس لے لو (اچھے اور نیک کام انجام دو) اطاعت مند بن جاؤ قبل اس کے کہ عذاب کی سختی تمہیں کھینچ لے جائے۔!

(اور اے لوگو!) جان لو! —— انفس پر غالب آنے کے سلسلہ میں جس کی خود مساعدت نہیں کرتا کہ خود اپنے وجدان سے اپنا تنبیہ کنندہ بن جائے، اُسے کسی دوسرے کے پند و موعظت سے کوئی نفع نہیں پہنچتا،

چند پندِ سودمند

جان دو تو کسی بڑے مقصد پر!

اپنے ساتھیوں، رفیقوں، ماتحتوں، اور حکام و عمال کو حضرت علیؓ برابر ٹوکتے، ان کا محاسبہ کرتے اور انہیں پند و نصیحت کرتے رہتے تھے، آپ صرف اُن کی دنیا کے نگہبان نہ تھے، دین کے بھی محافظ تھے، یہ نصیحت، ہمدردی، محبت، خلوص، اور شفقت پر مبنی ہوتی تھی، اِس لیئے تیر کی طرح جا کر دل پر لگتی تھی، سچائی میں جو جادو ہوتا ہے، وہی سحر ارشادات امیرالمومنینؓ میں نظر آتا ہے۔

حارث الہمدانی کو ایک موقع پر آپ نے تحریر فرمایا:۔

خبردار! حق کے سوا کبھی خدا کی قسم نہ کھانا، موت کو برابر یاد کرتے رہو، اور موت کے بعد جو کچھ ہے اُس کی یاد سے بھی غافل نہ ہو، مگر موت کی آرزو نہ کرنا، جان ہی دینا ہو تو کسی بڑے مقصد پہ جان دو۔

ہر اس کام سے بچو جو آدمی اپنے لیئے تو پسند کرتا ہے، مگر عام مسلمانوں کے لیئے پسند نہیں کرتا۔ ہر اس کام سے پرہیز کرو جو خفیہ تو کیا جا سکتا ہے، مگر علانیہ کرنے سے شرم روکتی ہے۔ ہر ایسے کام سے دور رہو کہ جواب طلب کیا جائے تو انکار یا معذرت پر مجبور ہو جاؤ، اپنی آبرو کو لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننے نہ دو۔ ہر وہ بات کہتے نہ پھرو جو تم نے سُنی ہے، آدمی کے لیئے یہ جھوٹ کافی ہے کہ جو کچھ سُنے کہتا پھرے۔ ہر بات کی تکذیب پر بھی تُلے نہ رہو، کیونکہ یہ بھی نری جہالت ہے، اپنا غصہ پیو، انتقام کا اختیار رکھتے ہوئے بھی معاف کر دو، غصے کے موقع پر بُردباری سے کام لو۔ اور تمہیں تو معاف ہی کرنا چاہیئے، کیونکہ حکومت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ تم یہ سب کرو گے تو تمہاری عاقبت

بخیر ہو گی، خدا کی ہر نعمت کو سنوارنا چاہیے، اور خدا کی کسی نعمت کو بھی ضائع نہ ہونے دو، خدا نے جو نعمت بخشی ہے اُس کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیئے۔

تمام معاملات میں خدا کی فرماں برداری کرو، خدا کی فرماں برداری سب پر مقدم ہے۔ اپنے نفس کو بہلا پھسلا کر عبادت میں لگالیا کرو۔ اس بارے میں اس سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ زبردستی سے مجبور نہ کرو۔ جب وہ خالی اور چاق و چوبند ہو تو عبادت کی طرف مائل کرو۔ مگر فرض نمازوں کا معاملہ دوسرا ہے انہیں تو ہر حال میں ادا کرنا ہے اور اُن کے اوقات ہی میں ادا کرنا ہے۔

دیکھو ایسا نہ ہو کہ موت ایسی حالت میں آ ٹوٹے کہ تم دنیا کی طلب میں اپنے ربّ سے بھاگے ہوئے ہو۔ خبردار! فاسقوں سے دوستی نہ کرنا کیونکہ ایک شر اپنے ساتھ دوسرا شر لاتا ہے۔ اللہ کی توقیر کرو۔ اللہ کے حبیبوں سے محبت کرو۔ غصے سے بچو۔ کیونکہ غصہ شیطان کی ایک بہت بڑی فوج ہے"۔

والسّلام

حاکم کے صفات

امیرالمؤمنینؑ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے، لیکن یہ شفقت احتساب اور نصیحت سے خالی نہیں تھی، بلکہ اس میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ بصرے کی گورنری پر جب آپ نے عبداللہ بن عباس کو سرفراز فرمایا تو یہ منصب گراں بار سونپتے وقت اُنہیں نصیحت فرمائی۔

لوگوں کے لیئے اپنی مجلس میں بشاشت، اور حکومت وسعت پیدا کرنا، خبردار غصّے نہ ہونا، کیونکہ غصہ شیطان کی بدشگونی ہے، اور یاد رکھو جو چیز خدا سے قریب کرتی ہے، دوزخ سے دور کر دیتی ہے۔ اور جو چیز خدا سے دور کرتی ہے، دوزخ سے قریب کر دیتی ہے۔

بہ ظاہر یہ نصیحت صرف عبداللہ بن عباسؓ کو ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ہر اس شخص کے لیئے جو حاکمیت کے کسی منصب پر فائز ہو، جن نکات کی طرف آپ نے ابن عباسؓ کی توجہ مبذول کرائی ہے وہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر انہیں بلحوظِ خاطر اور پیشِ نظر رکھا جائے تو راعی اور رعایا کے مابین کسی طرح کی تلخی اور بدمزگی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح ایک موقع پر جب ابن عباسؓ خوارج سے مناظرے کے لیئے گئے تو اُنہیں نصیحت فرمائی:-

"قرآن کو لے کر بحث نہ کرنا، کیونکہ قرآن بہت سے معنیٰ کا محتمل ہے، بہت سی وجہیں رکھتا ہے۔ قرآن سے بحث کرو گے تو تم بھی کہتے رہو گے، وہ بھی کہتے رہیں گے اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا لیکن سنت کو لے کر بحث کرنا سنت سے بھاگنے کا موقع نہ پا سکیں گے"

ایسا معلوم ہوتا ہے خوارج اپنے مسلک کے اعتبار سے "اہل قرآن" تھے۔ اس نصیحت میں نکتہ یہ پوشیدہ ہے کہ اگر سنت کو نظر انداز کر کے صرف قرآن پر حصر کیا جائے گا تو

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

کا منظر سامنے آجائے گا۔!

فوج کے سالاروں کو ہدایات

جب فوج کسی سرزمین پر داخل ہوتی ہے تو وہاں نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال، نہ کشتِ دہقاں، نہ تاجِ خسروی، لیکن "مسلمان فوج" ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ بڑی سے بڑی فتح و ظفر کے موقع پر بھی نہ کسی کو لوٹ سکتی ہے، نہ ستا سکتی ہے، نہ کسی کا گھر لوٹ سکتی ہے، نہ کھیت اُجاڑ سکتی ہے، نہ ظلم و تعدی کر سکتی ہے نہ جور و ستم کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ اور خلیفۂ راشد حضرت علیؓ خاص طور پر اس بات بلحوظ خاطر رکھتے تھے، شام پر فوج کشی کے وقت اُنھوں نے فوج کے سالاروں کو جو ہدایات دیے

وہ یہ تھے :۔

"فوجیوں کی زیادتیوں میں بری الذمہ ہوتے کا میں تمہارے سامنے اعلان کیے دیتا ہوں۔ فوجیوں کو ظلم و تعدی سے روکو اور شریروں کو سزائیں دو۔ خبردار کوئی ایسی بات ہم سے سرزد نہ ہونے پائے جو خدا کو بری لگے اور ہماری تمہاری دعاؤں پر دروازہ بند ہو جائے۔ کیونکہ اللہ عز و جل شانہٗ فرما چکا ہے "ما یعبأ بکم لولا دعاؤکم" اور یاد رکھو! خدا جس قوم کو آسمان پر ناپسند کرتا ہے، وہ زمین پر برباد ہو جاتی ہے لہٰذا اپنے لیے بھلا چاہو۔ اپنے سپاہیوں کو اچھی سیرت پر رکھو۔ رعایا کی مدد کرتے رہو۔ دین الٰہی کو قوت پہنچاؤ اور خدا کی راہ میں جیسا کہ اس کا مطالبہ ہے پوری طرح کام آؤ۔ کیونکہ خدا کے ہم پر اور تم پر بے شمار احسان ہیں جن کا شکر بجالانا واجب ہے اور یہ کہ ہم سب اپنی پوری قوت سے اس کی نصرت میں لگ جائیں، اگرچہ سب قوت خدا ہی کی طرف سے ہے"۔

والسلام

آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ سالارانِ فوج کو ہدایات دے کر مطمئن اور خاموش ہو گئے ہوں، آپ نے براہ راست اپنی سپاہ کو بھی مخاطب فرمایا۔ انہیں بھی پُر زور انداز میں نصیحت فرمائی، اور خدا کا خوف دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"امّا بعد، خدا نے حق میں تمہیں برابر کر دیا ہے۔ تمہارے گوروں کو بھی اور کالوں کو بھی اور خلیفہ سے تمہارا رشتہ ویسا رکھا ہے جیسا اولاد کا باپ سے ہوتا ہے خلیفہ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تم سے انصاف برتے۔ برابری کا سلوک کرے اور تمہارے مال غنیمت سے اپنا ہاتھ روکے رہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس کی مدد کرو۔ اپنی نصرت کے لیے خرچ کرو اور اللہ کی حکومت کا بچاؤ کرو۔ تم زمین پر خدا کے شحنے ہو لہٰذا اس کے مددگار اور اس کے دین کے انصار بنو اور اصلاح کے بعد

میں فساد نہ پھیلاؤ۔ یاد رکھو خدا مفسدوں کو پسند نہیں کرتا"

والسلام

مرگ و زیست

ایک خطبہ میں آپ نے مرگ و زیست کے فلسفے پر گفتگو فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:-

"کوئی شخص بھی متاع دنیا سے مسرور و شادماں نہیں رہتا، مگر وہ شخص کہ گریہ گلوگیر کے لیئے تیار رہا ہو۔ اس کی خوشیوں سے کوئی بھی بہرہ مند نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ اس کی بدی کی زیاں کاری سے ملاقی نہ ہوا ہو، اس دنیا میں اُسی کو باران فراخ و خوش بختی عطا کرتا ہے جس پر پے در پے ابر بلا برستا ہے (پس جب دنیا کی رفتار یہ ہے) تو یہ شائستہ اور سزاوار اس کی ہے کہ اگر یہ کسی کے لیئے صبح فرحت کناں کرے تو شام یہ بھی کے ساتھ رونما ہوا ہے، اس کا ایک پہلو اگر خوشگوار اور شیریں ہے تو دوسرا تلخ اور اندوہ گیں۔ جو شخص اس کی سرسبزی اور شادابی سے نہال ہوتا ہے، اُسے یہ بلاؤں کی سختی سے نڈھال کر دیتی ہے، اور جو اس کے نازک و نرم پروں کے سایہ میں شام کرتا ہے، اس کی صبح خوف و دہشت کے بازوؤں پر ہوتی ہے، یہ فریب کار ہے اور اس میں سوا فریب کے کچھ نہیں یہ فانی ہے اور اس کی پشت پر جو کچھ بھی ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے پس پرہیزگاری کے سوا کوئی شے خوب نہیں جس شخص نے اس سے کم (مال و منال) لیا، اُس نے گویا بہت زیادہ چیز لے لی، جو اُسے عذاب (الٰہی سے) بچا لے گی۔ اور جس نے اس سے خوب سا مال و منال) لیا، اُس نے وہ چیز زیادہ سے زیادہ لے لی، جو اسے تباہ و برباد کر دے گی، اور بہت جلد زائل ہو جائے گی۔

کتنے ہی اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں، جن کو اس نے مبتلائے معصیت کیا، اور کتنے صاحب طمانیت ہیں جنہیں اس نے پچھاڑ دیا، کتنے ہی ارباب جاہ و جلال ہیں جنہیں اس نے حقیر و ذلیل کر دیا، کتنے ہی نخوت پرست ہیں، جن کو اس نے کچھ نہ رکھا، اس کا

اقتدار گردش کرتا رہتا ہے، اس کی زندگی مکدّر ہے، اس کا شیریں پانی تلخ ہے، اس کی مٹھاس میں کڑواہٹ ملی ہوئی ہے، اس کی غذا زہریلی ہے، اس کے رشتے کمزور ہیں، اس کا ہر زندہ موت کے سامنے، اس کا ہر تندرست بیماری کے حوالے ہے، اس کا ملک چھن جائے گا، اس کا عزیز (با عزت) ذلیل ہوگا، اس کا مال تباہ ہوگا، اس کا ہمسایہ لُٹ جائے گا۔"

"اے لوگو! کیا تم انہیں لوگوں کے گھروں میں اقامت گزیں نہیں ہو جو تم سے پہلے یہیں رہتے تھے؟ ان کی عمریں دراز تر، اور اُن کے آثار پائندہ تر تھے؟ ان کی آرزوئیں بیشتر ان کی جمعیتیں آمادہ تر اور اُن کے لشکر انبوہ تر تھے، اُنہوں نے دنیا کو کس کس طرح پوجا، اور کس کس طرح سے اسے چاہا، لیکن آخر کار اُنھوں نے یہاں سے کوچ کیا (مر گئے) بغیر کسی توشہ کے کہ ساتھ لے جاتے، یا سواری کے کہ اس پر چڑھ کر راہ پیمائی کرتے، کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس دنیا نے کبھی ان کا فدیہ دیا یا ان کی اعانت و دستگیری کی؟ یا از راہ نیکوئی کبھی انہیں کمک پہنچائی؟ (نہیں یہ کچھ نہیں کیا (بلکہ) اس نے انہیں گرفتار مصائب کیا، آفات سے انہیں کمزور بنایا، وستِ مصیبت کو جنبش دی، ان کی ناکیں زمین پر رگڑ دیں، اُن کو اپنے پاؤں تلے روندا، اور اُن کے مقابلہ میں حوادثِ دہر کی مدد کی، جو لوگ اس دنیا کے اطاعت مند تھے، اور آخرت پر اُسے ترجیح دیتے تھے، اور ہمہ تن اس کی طرف مائل تھے، اُن کے ساتھ تم نے اس کا ظلم و ستم دیکھ لیا، پس جب وہ اس سے دائمی مفارقت اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تو اس نے بھوک اور گرسنگی کے سوا بھی انہیں کوئی توشہ دیا؟ تنگ منزل (قبر) کے سوا کہیں اور اُنہیں اُتارا؟ یا تاریکی کے سوا کوئی چراغ اُن کے لیے جلایا؟ یا ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ اور اُنہیں عطا کیا؟

تم اس دنیا کو پسند کرتے ہو، بلکہ اس سے مطمئن ہو، بلکہ اس پر حریص ہو، یہ دنیا اُس شخص کے لیے بدترین گھر ہے جو اسے متہم نہ قرار دے اور اس میں رہ کر اس سے خوف زدہ

جان لو، اور تم (اچھی طرح) جانتے ہو کہ تمہیں چھوڑنا پڑے گا، یہاں سے تم کو کوچ کرنا ہوگا، لہٰذا ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو، جو کہتے تھے، ہم سے زیادہ کون قوت والا ہے؟ لیکن اُنہیں لاد کر قبروں کی طرف لے جایا گیا، مگر سوار کہہ کر بار نہیں کیئے گئے۔ باوجود اس کے کہ قبروں میں اُتارے گئے، لیکن مہمان کہہ کر بلائے نہیں گئے۔ ان کی پتھریلی قبریں، مٹیالے کفن، اور بوسیدہ ہڈیاں بس یہی ان کے ہمسائے ہیں، یہ نہ کسی پکارنے والے کو جواب دے سکتے ہیں، نہ کسی مصیبت کو دور کر سکتے ہیں، نہ نوحہ و ماتم کی پروا کرتے ہیں، اگر انہیں بارش سے شاد کام کیا جائے تو خوش نہیں ہوتے، اور اگر بارش سے محروم کر دیا جائے تو غمگین نہیں ہوتے، یہ الگ الگ ہونے کے باوجود مجتمع ہیں، اور پڑوسی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے دور ہیں، نزدیک ہیں مگر ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کر سکتے، قریب ہیں۔ لیکن (لطف) قربت سے محروم ہیں، ایسے حلیم ہیں جن کے کینے دور ہو چکے ہیں، اتنے بے حس ہیں کہ عداوتوں کو بھول چکے ہیں، اب نہ ان سے ایذا رسانی کا خوف کیا جا سکتا ہے، نہ مخالفت کی ان سے امید کی جا سکتی ہے"۔

دنیا کی خوشی، دنیا کا غم

یہ دنیا کیا ہے؟ اس کی خوشی کیا ہے؟ اس کا غم کیا ہے؟ اس کا بیان امیرالمومنین رض کی زبان سے:-

دنیا پر اس طرح نظر ڈالو، جس طرح اِس سے نفرت کرنے والے اور اس سے روگرداں ہونے والے اسے دیکھتے ہیں! کیونکہ خدا کی قسم، یہ اپنے رہنے والوں کو بہت جلد اپنے سے دور کر دے گی، اور صاحبانِ دولت و نعمت کو مبتلائے آفت و مصیبت کر دے گی۔ اس کی جو چیزیں گزر چکیں (جیسے جوانی، صحت،

قوت اور توانائی وغیرہ) وہ اب واپس نہیں آئیں گی، اور اس کے بعد جو چیزیں آنے والی ہیں وہ نامعلوم ہیں پھر انتظار کیسا؟ (نعمت یا نقمت، خوب یا بد، کچھ معلوم نہیں) دنیا کی خوشی غم کے ساتھ ملی ہوئی ہے، اس کی قوت و توانائی اور جواں مردی، ضعف و ناتوانی اور پیری کی طرف پلٹنے والی ہے، پس اس کی جو چیز تمہیں مسرور کرتی ہے، وہ تمہیں دھوکہ نہ دے (جیسے مال و دولت، فرزند و زن) کیونکہ ان میں سے کم ہیں وہ چیزیں جو تمہارے ساتھ جائیں گی"۔!

اسی طرح ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"جس کے سامنے جنت اور دوزخ ہوں، وہ (کسی اور طرف) مشغول نہیں ہو سکتا۔ (اس طرح کے) لوگ تین گروہوں میں تقسیم کیئے جاسکتے ہیں، (اول) شتاب کاری کے ساتھ سعی و کوشش کرنے والا، (دوسرا) طالب حق کہ کاہل ہے (رحمتِ الٰہی کا) امیدوار ہو سکتا ہے (اور تیسرا) تقصیر کنندہ، وہ آتش و عذابِ الٰہی میں سرنگوں ہوا، داہنے اور بائیں راستے کی گمراہی ہے، راہِ راست میانہ ہے۔ اسی رستہ پر کتابِ الٰہی (قرآن کریم) اور آثار نبوت (سنتِ رسول) شاہد ہیں یہی راہ راست سنتِ رسول کا منفذ ہے، اور اسی کی جانب آخر کار لوٹنا ہے، اگر اس رستہ کو چھوڑ کر کسی نے کسی اور رستہ کا ادعا کیا، وہ ہلاک ہوا، اور جس نے دروغ گوئی کی وہ زیاں کار بنا، جس کسی نے حق سے مقابلہ کیا، وہ برباد ہوا، آدمی کی جہالت کے لیے یہ بس کرتا ہے کہ وہ قدر نہ پہچانے، تقویٰ، اور پرہیزگاری کی جڑ کبھی برباد نہیں ہوتی، اور نہ کسی قوم کی کھیتی بے آب رہ سکتی ہے، پس اپنے اپنے گھروں میں چھپ بیٹھے رہو، توبہ تمہارے عقب میں ہے، خدا کے سوا کوئی کسی کی حمد نہ کرے، اور اپنے نفس کے سوا کسی کی برائی نہ کرے"!

ایک اور موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

اگر تم سُننا چاہتے تو ہر چیز سنا دی گئی تھی، ہدایت حاصل کرنا چاہتے تو راہِ ہدایت بھی دکھا دی گئی تھی۔

(لوگو!) میں تم سے کہتا ہوں ؛

عبرتیں اور نصیحتیں تم پر کھول جا چکی ہیں، قابلِ احتراز چیزوں سے تمہیں روکا بھی جا چکا ہے۔

اور ہاں تبلیغ!

سو (یاد رکھو) آسمانی رسولوں کے بعد فریضۂ تبلیغ اب جس پر عائد ہوا ہے وہ بشر ہی ہے"۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا :۔

"سبک بار بن کر یاران تیز گام سے جا ملو! تمہارے اوّل کے لیے تمہارے آخر کا انتظار کیا جا رہا ہے"۔

خدا سے ڈرو!

ایک حد درجہ اثر آفریں خطبہ کا حصّہ :۔

"جو لوگ حق کی مخالفت کرتے، اور راہِ ضلالت و گمراہی میں قدم رکھتے ہیں، اُن سے میں کسی قسم کی مصالحت اور سستی روا نہیں رکھ سکتا!

اے بندگان خدا! — خدا سے ڈرو اور اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامن رحمت میں پناہ گزیں ہو جاؤ، اس راستہ پر چلو جو اُس نے تمہارے لیئے مقرر کر دیا ہے!

جو امور تم پر لازم کر دیئے گئے ہیں اُن کی (پوری پوری) پیروی کرو!

پھر اگر دنیا میں تم کامیاب نہ ہوئے تو علیؑ آخرت میں تمہاری فیروزی اور رستگاری کا ضامن ہے"۔

استدراک!

کتنا زور ہے اس آخری جملہ میں :— وہی زور جو صرف حق اور صداقت کا پیدا کردہ

ہوتا ہے، یہ الفاظ اسی کی زبان سے نکل سکتے تھے جو اپنی زندگی کی ساری امنگیں خوشنودیٔ خدا کے لیئے وقف کر چکا ہو، جو اِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالمِین کا مکمل ترین نمونہ ہو، جس نے طے کر لیا ہو کہ جب تک زندہ رہے گا، خدا کے لیئے اور جب موت کو لبیک کہے گا تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی تمنّا میں، جس کی ساری زندگی ایک کتاب کی طرح کھلی ہوئی ہے اس زندگی کے آئینہ میں اس کا بچپن نظر آتا ہے، اُس کی جوانی نظر آتی ہے، اس کا بڑھاپا نظر آتا ہے۔ ان میں سے ہر دور پر نظر ڈالو، وہ پیکرِ عبدیت کے سوا کیا نظر آتا ہے؟

جب وہ بچّہ تھا، تو اُس نے اپنے بھائی (رسول اللہؐ) کو نماز پڑھتے دیکھا اور بے ساختہ اُس کے پہلو میں کھڑا ہو کر خود ہی نماز پڑھنے لگا، جب سنِ شعور کو پہنچا، تو رسول اللہؐ کا پرستار بن چکا تھا۔ کفارِ مکہ نے طے کر لیا کہ آں حضرتؐ کو شہید کر کے رہیں گے، آں حضرتؐ کو بارگاہِ الٰہی سے اس کی اطلاع مل گئی، آپؐ نے ہجرت کا تہیّہ کر لیا، یارِ غار ابو بکر صدیق رضؓ ہمراہ تھے، گھر کا کفار ایک طرح محاصرہ کیئے ہوئے تھے، رسول اللہؐ نے علی رضؓ سے کہا، تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ علی رضؓ نے بغیر ادنیٰ تامل کے اپنے رسولؐ اور برادرِ بزرگ کے فرمان پر سرِ تسلیم خم کیا وہ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے اور علیؓ رسول اللہؐ کے بستر پر یہ سمجھ کر لیٹ کر اب جان دینی ہے، چادر اوڑھ لی، تاکہ کفار مغالطہ میں رہیں اور یہی سمجھیں رسول اللہؐ آرام فرما رہے ہیں، پھر عہدِ شباب میں ان کافروں سے مقابلے ہوئے جن کی قوتِ دست و بازو اور ہیبتِ شمشیر کی دھوم مچی ہوئی تھی اجن میں کا ایک ایک سو سو سواروں پر بھاری مانا جاتا تھا۔ علیؓ نے ان سے مقابلہ کیا اور شکست دی وہ علیؓ کے سوا کون تھا جس نے مرحب اور عنتر کو ہرایا بچھاڑا اور اسلام کی

سربلند کیا!

زمانہ اپنی چال چلتا رہا، حالات کے تواتر اور تراکم کا سلسلہ جاری رہا! اب ہم یہودیوں سے مسلمانوں کی معرکہ آرائی دیکھ رہے ہیں۔ خیبر ایک ایسا قلعہ ہے، جو کسی سے سر نہیں ہوتا، اجل صحابہؓ اور کبار صحابہ اس مہم پر مامور ہوتے ہیں اور ناکام واپس آجاتے ہیں، حضرت عمرؓ جیسا شخص بھی جاتا ہے اور لوٹ آتا ہے، قلعہ سر نہیں کر پاتا! رسول اللہؐ فرماتے ہیں، اب کل اُس کے ہاتھ میں علم دوں گا جو فتح کیئے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ صبح ہوتی ہے، اور لوگ منتظر ہیں کہ وہ کون خوش قسمت ہے، جسے آج دست پیمبر سے لوا اسلام مرحمت ہوگا؟ رسول اللہؐ دریافت فرماتے ہیں علیؓ کہاں ہیں؟ جواب ملتا ہے بیمار ہیں، آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، حکم ہوتا ہے، بلاؤ علیؓ حاضر ہوتے ہیں، رسول اللہؐ اُن کی آنکھوں میں، لعاب دہن لگاتے ہیں اور فتح خیبر کا کام سپرد کرتے ہیں، حضرت عمرؓ بڑھ کر مبارک باد دیتے ہیں اس افتخار پر۔ اور اعتراف فرماتے ہیں کہ آج مجھے علیؓ پر رشک آیا۔

تاریخ کا ایک ورق اور الٹو! صلح حدیبیہ ہو رہی ہے صلح نامہ علیؓ لکھ رہے ہیں، ایک فریق کفارِ مکہ ہیں، دوسرے فریق، آں حضرتؐ، علیؓ، محمدؐ کے ساتھ، رسول اللہ کا لفظ بھی لکھتے ہیں، کفار کا نمائندہ کہتا ہے، ہم اگر رسول مانتے ہوتے تو جھگڑا ہی کاہے کا تھا، یہ لفظ مٹا دیجیے، آپؐ علیؓ سے کہتے ہیں، یہ لفظ (رسول) مٹا دو، علیؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے، رسول اللہ کا لفظ لکھنے کے بعد، میرا ہاتھ نہیں مٹا سکتا۔

اللہ اللہ!

رسولؐ سے عشق اور والہانہ محبت دینِ اسلام سے شیفتگی، اور بے تابانہ

شیفتگی کی یہ انتہا تھی ـــــــ! رسول اللہؐ نے شفقت سے فرمایا، اچھا بتاؤ، وہ لفظ کہاں ہے ـ؟ پھر آپ اپنے دستِ مبارک سے اُسے مٹا دیتے ہیں ـ

دیکھنا ـــــــ!

یہ حجۃ الوداع ہے!

آخری حج ـــــــ اس حج کے بعد رسول اللہؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا! ـــ اس حج سے فارغ ہوکر جب کاروانِ رسالت مدینہ کی طرف چلا، تو کچھ لوگوں نے علی رض کی شکایت کی، یہ شکایت رسول اللہؐ برداشت نہ کرسکے اِس لیئے کہ شکایت ایک ایسے شخص کے خلاف تھی، جو تن من دھن سے اسلام اور اتحادِ اسلام کے لیئے اپنے آپ کو وقف کرچکا تھا ـــ!

جو سونے کی طرح تپایا جاچکا تھا ـ!

خطبہ خمِ غدیر اسی موقع کی یادگار ہے ـــــــ یہ وہ خطبہ ہے جس میں دوئی کا پردہ اُٹھ گیا ہے، اور صاف نظر آرہا ہے کہ نبیؐ کی نظر میں حضرت علیؓ کا کیا درجہ تھا؟

دنیا کا سب سے بڑا حادثہ رونما ہوگیا، نبی اکرمؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ـ

یہ بڑی کٹھن گھڑی تھی ـــ!

سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں خلافت اور امامت کا سوال کھڑا ہوگیا تھا، اندیشہ تھا کہیں تدفینِ رسولؐ سے پہلے، اُمت افتراق میں مبتلا نہ ہوجائے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے اجل صحابہ بھی وہاں پہنچے اور وحدتِ اُمّت کی مساعیِ جمیلہ میں مصروف ہوگئے ، !

لیکن علیؓ ــــــ ؟

بے شک سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کام انجام دیا جا رہا تھا، بہت اہم تھا، امت کی صلاح و فساد، اسی پر منحصر تھی اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن علیؓ کی نظر میں ایک کام اس سے بھی زیادہ اہم تھا ــــــ وہ ہر فکر اور اندیشہ سے بے پروا، رسولِ آخر الزّماںؐ کے پاس بیٹھے تھے، اور اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی جب تک اس فریضہ سے فارغ نہ ہو لیے۔

پھر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ باری باری سے منصبِ خلافت پر فائز ہوتے۔ ہر مرتبہ علیؓ نے یہ سمجھا کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، یہ منصب انہیں ملنا چاہیے تھا لیکن دوسروں کو ملا، لیکن ہر مرتبہ اُنھوں نے بیعت کر لی اپنی ذات، اور اپنی شخصیت کو بیچ میں لا کر، تفریق بین المسلمین سے احتراز کیا۔

پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد صحابۂ کرام کے پُر زور اصرار سے بالعموم اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے عزیزانہ، دوستانہ اور رفیقانہ اصرار سے بالخصوص مجبور ہو کر یہ منصب قبول فرمایا، اور فوراً ہی فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل، جنگ صفین اور جنگِ نہروان برپا ہوئیں ــــــ ان جنگوں میں بھی ذوالفقارِ علیؓ بے شبہ ہم نے بے نیام دیکھی، لیکن کہیں بھی کوئی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا، جس سے یہ معلوم ہو کہ علیؓ نے زیادتی کی ــــــ کیا یہ اُن کا سب سے بڑا اسلامی کارنامہ نہیں ہے؟ ــــــ اس علیؓ کو اپنے پیشِ نظر رکھو! ــــــ اور پھر دیکھو کہ، وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، جس جوش و خروش سے کہہ رہا ہے، کیا وہ اس میں حق بجانب نہیں ہے؟

اس کی دعوت کیا ہے!

وہ اپنی بادشاہت کی طرف لوگوں کو نہیں بلاتا، وہ اپنی قیصریت کی طرف لوگوں کو راغب نہیں کرتا۔ وہ شان دار محلوں میں نہیں رہتا، وہ زرق برق پوشاک نہیں پہنتا۔ وہ بیت المال کا روپیہ اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے عزیزوں پر صرف نہیں کرتا ــــــ حالانکہ دمشق میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، ــــــ وہ حاجب و دربان نہیں رکھتا، اس کی دعوت صرف اسلام ہے، وہ صرف اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ اسلام کے احکام کی پیروی کرو، قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ، اسوۂ رسولؐ کی پیروی کرو، حق کے آگے سر جھکا دو اور باطل کے سامنے تلوار بن کر آمادۂ مرگ و مہیائے قضا ہو جاؤ، دوسروں کے ساتھ ــــــ عزیزوں، دوستوں، رفیقوں اور عامۂ مسلمین کے ساتھ ــــــ رفق و محبت، صلح و سلام آشتی و نرمی کا برتاؤ کرو، ان کے دکھ میں کام آؤ، ان کی مصیبت میں ساتھ دو، ان کے غم میں شرکت کرو، ان کی اعانت کرو، دستگیری کرو اور جو لوگ حق کے راستہ سے رو گردان ہو کر باطل کے راستہ پر گام فرسا ہوں، وسائل و ذرائع کی کمی، اور ساز و سامان جنگ کی کوتاہی کے باوجود، ایک پہاڑ کی طرح اُن کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، پھر وہ بشارت دیتا ہے کہ یہ زندگی آنی اور فانی ہے، اسے قیام و دوام نہیں، لیکن اگر یہ زندگی دے کر تم آخرت کی دائمی زندگی کا سودا کر لو، تو یہ کاروبار بُرا نہیں، تم ٹوٹے میں نہیں فائدے میں رہو گے اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں، کہ "عاجل" دے کر "آجل" کما لو گے!

کیا یہ بات علیؓ کے سوا کوئی اور بھی کہہ سکتا تھا؟

ہوائے نفس اور طولِ امل

اس کا خطاب۔ جو صرف حاکم نہ تھا، رفیقِ طریق بھی تھا، صرف سردار نہ تھا ہم قدم بھی تھا، صرف بالا دست نہ تھا ہم سفر بھی تھا، اس نے کہا:-

"سب سے زیادہ جن چیزوں سے میں تمہارے بارے میں ڈرتا رہتا ہوں، وہ دو باتیں ہیں:

(۱) پہلی چیز ہوائے نفس کی متابعت اور پیروی ہے۔!

(۲) اور دوسری چیز طولِ امل دور از کار امیدیں اور توقعات ہیں!

اتباعِ ہوا (خواہشِ نفس) کے بارے میں (یاد رکھو کہ) یہ انسان کو حق سے دور کر دیتا ہے اور طولِ امل (کے بارے میں یہ نہ بھولو کہ) آخرت کو فراموش کر دیتی ہے۔

خبردار ---!

دنیا تیزی اور تندی کے ساتھ مُنہ موڑ چکی ہے، اور اب اس کے پیمانہ میں سوائے تلچھٹ کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔

خبردار ---!

آج عمل کا دن ہے نہ حساب کا، اور کل حساب کا دن ہوگا، نہ کہ عمل کا۔"

یہ دنیا ایک سرائے فانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اِس حقیقت کی طرف اس خطبہ میں آپ نے متوجہ فرمایا ہے:-

ساری حمد و ثنا اُسی ذاتِ واحد کے لیئے ہے جس کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا جس کی نعمت سے کوئی محروم نہیں، جس کی مغفرت سے کوئی ناامید نہیں، جس کی پرستش سے کوئی عار اور سرشکستگی محسوس کرنے والا نہیں،

وہ (خدا) ایسا ہے، جس کی رحمت ہمیشہ رہنے والی ہے، اور جس کی نعمت کبھی نہ ختم ہونے والی ہے ——— !

دنیا وہ سرائے فانی ہے جس کے رہنے والوں کے لیئے اس سے جلا وطن ہونا مقدر ہو چکا ہے، یہ (بظاہر) خوشگوار اور سرسبز و خرم ہے، اور اپنے چاہنے والے کے لیئے تیزی سے حرکت کرتی ہے اور اپنے دیکھنے والے کے دل سے چمٹ جاتی ہے —— !

پس تم اچھے زادِ راہ کے ساتھ یہاں سے کوچ کرو، اور ضرورت سے زیادہ کچھ طلب نہ کرو، اور نہ زادِ راہ کے سوا (اس سے) کسی چیز کے طالب ہو"

اسی حقیقت کا اظہار دوسرے پیرایہ میں :-

دنیا وہ سرا ہے کہ جس میں کوئی شخص سلامت نہیں رہ سکتا، مگر اس میں (صحیح طور پر) رہ کر کوئی شخص اس کی اس چیز سے نجات نہیں حاصل کر سکتا، جس میں وہ مبتلا ہو گیا ہے، اس (دنیا کے اندر) لوگ امتحان و آزمائش میں مبتلا ہیں ان (مبتلائے دنیا) لوگوں نے جو کچھ دنیا سے لے لیا ہے اس سے نکال باہر کیے جائیں گے، اور ان لوگوں سے (پورا پورا) محاسبہ کیا جائے گا، اور جو چیز (ان لوگوں نے) اس دنیا سے اس کے غیر (عالم آخرت) کے لیئے لی ہیں، اُن پر پہنچائے جائیں گے، اور وہیں ہمیشہ اقامت گزیں رہیں گے۔

یہ دنیا خردمندوں کے نزدیک (انقلاب احوال میں) سایہ کی طرح ہے ابھی پھیلا ہوا دیکھا تھا، لیکن سمٹ گیا، ابھی زیادہ (نظر آ رہا تھا) کم ہو گیا!

شاہراہِ درخشاں

ایک خطبہ میں صفات ستودہ و پسندیدہ کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا :-

خدا اُس شخص پر رحم فرمائے جس نے سخنِ حکیمانہ کو سنا۔ اور اُسے ماننا چاہیے راہِ راست کی طرف بلایا گیا، تو اس سے قریب ہو گیا، ہادیِ راہ (معرفت) کا دامن تھاما، اور نجات پا گیا،

جس نے دستوراتِ پروردگار کی نگہداری کی، اور اپنے گناہوں سے ڈرتا رہا۔

جس نے اپنے عمل خالص کو (مرنے سے پہلے حضور خداوندی میں) بھیج دیا۔

جس نے اپنے کردار کو نیک اور شائستہ رکھا،

جس نے نیک کام کیے، اور صرف انہی چیزوں کو حاصل کیا، جو (آخرت میں) ذخیرہ بن سکیں اور ان چیزوں سے دور رہا جن سے حذر واجب ہے۔

جس نے اغراضِ دنیا کو پامال کیا، اور (اغراضِ دنیا کے) عوض (متاعِ آخرت) حاصل کر لی، جو خواہشوں پر غالب آیا، اور اس کی تمناؤں کو دروغ سمجھا۔

جس نے شکیبائی کو اپنی نجات و رستگاری کا مرکب قرار دیا، اور تقویٰ و پرہیزگاری کو، توشۂ مرگ بنا لیا، راہِ روشن پر قدم رکھا، اور شاہراہِ درخشاں سے دور نہ ہوا۔

جس نے زندگی کی چند روزہ مہلت کو غنیمت شمار کیا، اور فرصت (عمل) کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ (پھر) موت کی طرف عمل کا توشہ لے کر بڑھا۔

طریقِ دعا

امیر المؤمنین اپنے خدا سے ان الفاظ میں دعا مانگا کرتے تھے:۔

خدایا!

تو میرے ان گناہوں کو بخش دے جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھے ہے۔

اگر ان گناہوں کا مجھ سے پھر ارتکاب ہو تو وہ بھی (از راہِ رحم و کرم) دوبارہ

مجھے معاف کر دے۔

خدایا!

میں نے اپنے نفس سے (اطاعت و بندگیٔ الٰہی کے) جو وعدے کیے تھے، اور ان وعدوں کو تو نے مجھ سے وفا ہوتے نہ پایا، اس پر بھی تو درگزر سے کام لے۔!

نیز ــــ اگر میں نے زبان سے تیرا تقرّب ڈھونڈا (اگرچہ) میرے دل نے میرا ساتھ نہ دیا، تو بھی تو عفو سے کام لے۔!

اور اے میرے پروردگار!

میرے گوشۂ چشم کے اشاروں، گفتارِ بے ہودہ، آرزوئے نامناسب اور لغزشِ زباں کو بھی معاف فرما دے!

منصب اور حکومت

بندوں کے حقوق ۔ ذمہ داری کا احساس

منصب کو خوانِ نعمت نہ سمجھو!

آذربائیجان کے حاکم اشعث بن قیس کے نام اپنے ایک فرمان میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"تمہارا یہ عہدہ کوئی خوانِ نعمت نہیں ہے، بلکہ تمہارے گلے میں امانت ہے، اور تم بالا دست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو، تمہارے ہاتھ میں جو مال ہے، خدا کا ہے، تم اس کے خزانچی ہو، یہاں تک کہ اسے میرے پاس پہنچا دو۔ امید ہے میں تمہارے حق میں برا افسر ثابت نہ ہوں گا۔"

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی نظر میں حکومت کے اہلِ مناصب اور حکام و عمال کو کس طرح اپنے فرائض انجام دینا چاہئیں۔!

محاسبہ

امیر المومنینؑ یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے عہد معدلت مہد میں کسی پر جور اور زیادتی ہو، یا حکام و عمال میں سے کوئی شخص اپنے اقتدار اور اختیار کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔ وہ ہر خطا معاف کر سکتے تھے، لیکن خیانت برداشت نہیں کر سکتے تھے، وہ اپنے عمال اور حکام کی تمام بشری کمزوریوں سے درگزر کر سکتے تھے، لیکن وہ عوام کا خون چوسیں، اس سے درگزر کرنا ان کے لیئے ناممکن تھا، اپنے اسی طرح کے ایک موقع پر انہوں نے تحریر فرمایا:۔

"مجھے ایک خبر ملی ہے، اگر سچی ہے تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا ہے، اپنے امام کی نافرمانی کی ہے۔ اپنی امانت گنوا دی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ تم نے ملک اُجاڑ دیا ہے۔ جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے

تھا اُسے ہتیا لیا ہے، اور کچھ تمہارے ہاتھ میں تھا، اُسے ہڑپ کر گئے ہو، لہذا اپنا حساب میرے پاس بھیجو اور یقین کر د، خدا کا حساب آدمیوں کے حساب سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔"

اسی طرح ایک اور منصب دار کے بارے میں جب آپ کو اس کی دراز دستیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے تحریر فرمایا :-

"میں نے تمہیں اپنی امانت میں شریک کیا تھا۔ اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا جو اپنے خاندان کے بھی کسی آدمی کو تم سے زیادہ اپنی خیر خواہی مددگاری اور امانت کی حفاظت میں قابلِ اعتماد نہ سمجھتا تھا۔ لیکن جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمہارے چچا کے کے بیٹے کے خلاف سخت ہو گیا ہے، دشمن کا زور بڑھ رہا ہے۔ قوم کی امانت تباہی کا شکار بن گئی ہے۔ اُمت آوارہ اور بے سری ہو گئی ہے، تو تم نے بھی اپنے چچیرے بھائی سے نگاہیں پھیر لیں۔ کٹنے والوں کے ساتھ کٹ گئے۔ غداروں کے ساتھ غداری کی ڈگر پر چل پڑے۔ تم نے نہ اپنے چچیرے بھائی کی رفاقت کی، نہ اپنی امانت ادا کی، گویا اپنے جہاد سے تم خدا کی رضامندی نہیں چاہتے تھے۔ گویا اپنے پروردگار کی طرف سے تم کسی کھلی روشنی پر تھے، گویا اس امت کو اس کی دنیا میں تم دھوکہ دینا اور غفلت میں پا کے اس کا مالِ غنیمت ہڑپ کر جانا چاہتے تھے، اسی لئے خیانت نے موقع دیا تو تم نے جست لگائی اور اُمت کا وہ سب مال اُڑا لیا جس تک تمہارا ہاتھ پہنچ سکا، حالانکہ یہ مال امت کی بیواؤں اور یتیموں کے لیئے رکھا گیا تھا، تم اُمت کے مال پر اسی طرح جھپٹ پڑے جس طرح تیز طرار بھیڑیا، زخمی مجبور بکری کو چھاپ پڑتا ہے۔ پھر تم اس مال کو اس خوش دلی اور خندہ پیشانی سے حجاز لے گئے جس میں ذرا ندامت نہ تھی۔ ضمیر کی ذرا ملامت نہ تھی! تیرے غیر کا بُرا ہو! تو اس مال کو اپنے گھر اس طرح لے گیا جیسے تیرے باپ یا ماں کا ترکہ ہے! سبحان اللہ! کیا قیامت پر

بھی تیرا ایمان اُٹھ گیا ہے۔ کیا خدا کے حضور حساب دینے کا خوف بھی تیرے دل سے نکل چکا ہے؟

اے شخص! جسے ہم عقلمند سمجھا کرتے تھے تیرے جی کو کھانا پانی کیسے بھلا لگتا ہے کہ تو جانتا ہے کہ حرام کھا رہا ہے، حرام پی رہا ہے، تو کنیزیں خریدتا ہے عورتوں سے نکاح کرتا ہے مگر کس مال سے؟ یتیموں، مسکینوں، مومنوں، مجاہدوں کے مال سے! اس مال سے جو خدا نے مومنوں مجاہدوں کو غنیمت میں دیا تھا اور جس سے اس ملک کی حفاظت کی تھی۔!

کیوں نہ ایسا ہو کہ اب بھی تو خدا سے ڈرے اور اُمت کو اس کا مال لوٹا دے۔ اگر تو یہ نہیں کرے گا اور خدا تجھے میرے ہاتھ میں کر دے گا! تو تیرے بارے میں خدا کے سامنے میرا عذر پورا ہو کے رہے گا۔ اپنی تلوار سے تجھے ماروں گا جس کی ضرب جس کسی پر بھی پڑی دوزخ کا ہو رہا۔

قسم خدا کی اگر حسنؑ اور حسینؑ بھی وہ کرتے جو تو نے کیا ہے تو ہرگز مجھ سے کوئی رعایت نہ پاتے ہرگز کسی طرح کی نرمی نہ دیکھتے، یہاں تک کہ میں خدا کا حق ان سے اگلوا لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے باطل کو مٹا دیتا۔

اور میں اللہ رب العالمین کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال میں سے جو حلال مال لیا ہے، مجھے ہرگز منظور نہیں اپنے بعد والوں کے لیے اُسے میراث بنا کر چھوڑ جاؤں،

ذرا دھیرے دھیرے چر، او چرنے والے! تو گویا اب جنگل کے پاس پہنچا ہوا ہے، گویا خاک کے نیچے تو دبا دیا گیا ہے جہاں ظالم حسرت سے چلاتا ہے اور کوتاہی کرنے والا واپسی کی آرزو کرتا ہے مگر وہاں بھاگنے کا موقع کہاں؟

پھر ایک اور عامل مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی کو تحریر فرمایا:۔

مجھے ایک ایسی بات کی خبر ملی ہے کہ اگر واقعی تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو یہ تم نے اپنے خدا کو ناراض اور اپنے امام کو خفا کر لیا ہے، تم مسلمانوں کے مالِ غنیمت کو جو اُن کے نیزوں اور گھوڑوں نے حاصل کیا ہے اور جس پر اُن کا خون بہا ہے اپنی قوم کے بدوؤں میں بانٹ رہے ہو! قسم اُس ذات کی

جس نے بیج پھوڑا اور جاندار کو پیدا کیا ہے، اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تم میری نظر میں ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا پلہ میرے سامنے ہلکا ہو جائے گا۔ خبردار اپنے پروردگار کے حق کو معمولی نہ سمجھو۔ دین برباد کر کے دنیا آباد نہ کرو، کرو گے تو اخسرین اعمالا میں سے ہو جاؤ گے"۔

شریح بن ہانی جب مقدمۃ الجیش کے افسر بنائے گئے تو انہیں نصیحت فرمائی ۔

خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا، دنیا کے غرور کا اپنے نفس کے لیئے اندیشہ رکھنا، دنیا پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔ یاد رکھو، بُرے انجام کے خوف سے نفس کو اس کی محبوبات سے نہ روکو گے تو خواہشیں تمہیں بڑے بڑے نقصانوں کے حوالے کر دیں گی۔ لہذا نفس کو ہمیشہ روکنا اور غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنا۔

جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کے لیئے آپ فکرمند رہتے تھے کہ عمال حکومت عوام پر کوئی زیادتی کریں اسی طرح ان ذمیوں یعنی غیر مسلموں کے لیے بھی آپ فکرمند رہتے تھے جو مسلمانوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کر رہے تھے، چنانچہ اپنے عمال حکومت کے نام آپ نے تحریر فرمایا:۔

اللہ کے بندے علیؑ امیر المومنین کی طرف سے اُن تحصیلداروں کے نام جن کے علاقے سے فوج گزرے گی اما بعد! میں نے فوجیں روانہ کی ہیں۔ یہ فوجیں ان شاء اللہ تمہارے علاقوں سے گزریں گی میں نے فوجیوں کو پوری تاکید کر دی ہے، اور بتایا ہے کہ خدا انہیں انسانوں کو اذیت دینے اور شرارت کرنے سے منع فرما چکا ہے، اور تم بھی سُن لو کہ تمہارے اور ذمیوں کے معاملے میں فوج کی زیادتیوں سے بری الذمہ ہوں، لیکن ہاں سپاہی بھوک سے مر رہے ہوں اور پیٹ بھرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اور بات ہے، ورنہ وہ زیادتی کریں تو انہیں سخت سزا دو۔ بدی کا انہیں پورا مزہ چکھاؤ لیکن اپنے غنڈوں کے ہاتھ بھی فوج کے ستانے اور حیران کرنے سے روکنا، میں تو فوج کے پیچھے موجود ہی ہوں۔ فوج کی طرف سے کوئی ظلم زیادتی یا ایسی بات میں تمہیں بے بس کر ڈالے تو مجھے خبر کرنا۔ میں خدا کی مدد سے سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔

امانت و دیانت

قاضی سے قاضی القضاۃ کا خطاب

حضرت علیؓ اپنے پیش رو خلفائے راشدینؓ کے عہد میں تمام اہم امور کے شرعی نقطۂ نظر سے فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ گویا خلیفہ ہونے سے پہلے ہمیشہ اُن کی حیثیت قاضی القضاۃ کی رہی، اپنے عہدِ خلافت میں شریح بن حارث کو منصب قضا عطا فرمایا، آپ جانتے تھے کہ ایک قاضی کو کن صفات اور خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے، چنانچہ :

روایت ہے امیر المومنینؓ کے قاضی شریح بن حارث نے ایک مکان اسّی دینار میں خریدا۔ امیر المومنینؓ کو خبر ہوئی تو قاضی کو طلب کیا اور فرمایا سُنا ہے۔ "تم نے اسّی دینار میں گھر مول لیا ہے؟" شریح نے اقرار کیا، تو امیر المومنینؓ نے غصّے کی نگاہ سے دیکھ کر فرمایا :-

"اے شریح جلد ہی تیرے پاس وہ آپہنچے گا جو نہ تیرے دستاویز دیکھے گا نہ تیرے گواہوں ہی کو پوچھے گا۔ وہ بس تجھے گھر سے بیک بنی و دوگوش نکال باہر کر کے سیدھا قبر میں پہنچا دے گا۔ اے شریح! اب تجھے سوچ لینا چاہیے کہ یہ گھر تو نے غیر کے مال سے تو خریدا نہیں ہے! اس کی قیمت حرام کی کمائی سے تو ادا نہیں کی ہے۔ ایسا ہوا ہے تو دنیا کا گھر بھی تو نے کھو دیا۔ خریداری کے وقت تو میرے پاس آتا تو میں ایسی دستاویز لکھ دیتا کہ ایک درہم میں بھی تو یہ گھر خریدنا گوارا نہ کرتا۔ وہ دستاویز یہ ہے :-

"یہ ہے وہ جو ایک عاجز بندے نے ایک چل چلاؤ والے بندے سے خریدا

ہے۔ اس گھر کی چوحدی اس طرح ہے:

پہلی حد آفتوں کے اسباب پر ختم ہوتی ہے، دوسری حد مصیبتوں کے اسباب پر ٹھہرتی ہے، تیسری حد مُنہ کے بل گرا دینے والی خواہشوں پر رُکتی ہے اور چوتھی حد گمراہ کرنے والے شیطان تک پہنچتی ہے اور اسی حد میں گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔

آرزو کے جال میں پھنسے ہوئے اس آدمی نے گھر کا سودا اس آدمی سے کیا ہے جس کا پیچھا موت کر رہی ہے اور قیمت یہ دی ہے کہ قناعت کی عزت تج کے خواہش طلب کی ذلت اوڑھ لی ہے! اگر اس بیع میں خریدار کا کوئی حق تلف ہو تو بادشاہوں کا گرانے والا، جبّاروں کی جان لینے والا، کسریٰ و قیصر، تبع و حمیر جیسے فرعونوں کی بادشاہیاں مٹانے والا، بائع اور مشتری کو حساب و کتاب، ثواب و عذاب کے دربار میں لے جا کے پیش کر دے جہاں اہل باطل کے لئے خسارہ ہی ہے عقل اس تحریر کی گواہ ہے۔ جب خواہش کی قید سے باہر اور علائق دنیا سے آزاد ہو۔"

اے ابنِ حنیف خدا سے ڈر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار مدینہ سے غیر معمولی تعلق خاطر تھا، حضرت علیؓ بھی ان کا بہت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ بصرے کی گورنری پر آپ نے عثمان بن حنیف کو، جو نیک اور صالح شخص تھے مامور فرمایا، لیکن وہ کتنے ہی نیک اور صالح ہوں اس سخت معیار پر پورا اترنا ان کے لئے مشکل تھا، جو امیر المومنینؓ کے پیش نظر تھا، ایک مرتبہ ایک شخص نے اُن کی دعوت کی۔ اُنہوں نے دعوت قبول کر لی۔ اس کی اطلاع امیر المومنین کو ہوئی، آپ نے انہیں تحریر فرمایا:۔

اما بعد! ابن حنیف، مجھے معلوم ہوا ہے کہ بصرہ کے ایک بے فکرے نے تمہیں دعوت دی اور تم دوڑ پڑے، قسم قسم کے کھانے تھے۔ تم مزہ لے کے کھاتے تھے اور

تمہارے آگے تھالوں پر قابیں بڑھائی جاتی تھیں۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کروگے جن کے دروازے پر محتاج دھتکارے جاتے ہیں اور جن کے دستر خوان پر صرف مال دار بُلائے جاتے ہیں۔

اب سوچو اس دعوت میں تم نے کیا کھایا ہے، جس کھانے کی حلّت مشتبہ ہو اُسے قے کر کے نکال ڈالو اور جس کی حلّت کا اطمینان ہو تو خیر کوئی مضائقہ نہیں۔

بات یہ ہے کہ ایک امام ہوتا ہے، لوگ اس کی پیروی کرتے، اور اس کے نورِ علم سے روشنی حاصل کرتے ہیں، تمہارے امام کے لیئے اس دنیا کے ساز و سامان میں سے پہننے کو دو گدڑیاں اور کھانے میں دو روٹیاں بہت ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سب ایسا نہیں کر سکتے، البتہ اپنی پرہیز گاری، ریاضت، عفت اور نیکی سے میری مدد کر سکتے ہو۔

بخدا تمہاری اس دنیا میں سے میں نے نہ چاندی سونا جمع کیا ہے نہ اور کوئی دولت اپنی اس تن کی گدڑی کے سوا اور گدڑی سینت نہیں رکھی ہے۔

یہ میرا نفس ہے تقویٰ الٰہی کے ذریعے مغلوب کر رہا ہوں، تاکہ خوفِ اکبر کے دن امن میں رہے اور صراط پر پھسل نہ پڑے۔

اگر میں چاہتا تو آسانی سے اس شہدِ مصفّٰی سے، گیہوں کے خلاصے سے، اس نرم ریشم سے تن آسانیاں مہیا کر سکتا تھا۔ مگر یہ کہاں ممکن؟ خواہش مجھے مغلوب نہیں کر سکتی، حرص اچھے کھانوں پر مجھے رجھا نہیں سکتی۔ جب کہ حجاز میں یا یمامہ میں شاید کوئی ایسا ہو جسے ایک ایک روٹی کی بھی امید نہیں، جس نے کبھی شکم سیری جانی ہی نہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں شکم سیر ہوں اور میرے گرد بھوکے پیٹ اور

پیاس سے جگر بلبلا رہے ہوں؟ کیا میں ویسا ہو جاؤں جیسا شاعر نے کہا ہے:

وحسبک داء ان تبیت ببطنۃ

وحولک اکباد تحن الی القد

(یہ بیماری کیا کم ہے کہ تمہارا پیٹ کھانوں سے بوجھل ہو اور لوگ چھیچھڑوں تک کو ترس رہے ہوں۔)

کیا اس پر خوش ہو جاؤں کہ مجھے امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ مگر مومنوں کی مصیبتوں میں ان کا شریکِ حال نہ ہوں۔ روکھی سوکھی زندگی میں اُن کے لیئے نمونہ نہ بنوں؟ اس لیئے تو مجھے پیدا نہیں کیا گیا کہ اچھے کھانوں میں میرا دل اس بندھے ہوئے چوپائے کی طرح اٹکا رہے جسے اپنے چارے دانے کے سوا کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یا کھلے ہوئے جانور کی طرح ہو جاؤں، جس کا کام بس چرنا ہے۔ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور ماسوا سے غافل رہتا ہے، کیا میرے لیئے مناسب ہے کہ یوں ہی بے مطلب، بے فائدہ، عبث زندگی بسر کردوں! بے مقصد اپنے دن پورے کرتا رہوں گم رہی کی رسی کھینچتا پھروں یا حیرانی کا شکار ہو جاؤں۔

اور گویا میں تمہارے کسی کہنے والے کا کہنا سُن رہا ہوں کہ ابو طالب کے بیٹے کی خوراک کا یہ حال ہے تو کمزوری نے اُسے برابر والوں کی جنگ اور بہادروں کے مقابلے سے ضرور بٹھا دیا ہوگا۔ لیکن نہیں بات ایسی نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میدانی درخت بہت مضبوط ہوتا ہے اور تروتازہ پیڑ نازک ہوتے ہیں بیابانی لکڑی کا ایندھن زیادہ آگ دیتا اور دیر میں بجھتا ہے۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں ایسے ہیں جیسے ایک ہی جڑ کے دو نخل، جیسے کلائی اور ڈنڈا! بخدا پورا عرب بھی مجھ سے لڑائی میں ایکا کر لے تو بھی میں پیٹھ پھیرنے کا نہیں بلکہ موقع پاتے ہی اس کی گردن پر ٹوٹ پڑوں گا۔ میری کوشش رہے گی کہ

کو اس شخص (معاویہ) سے پاک کر دوں، جس کی عقل بھی اُلٹی ہے اور جسم بھی اُلٹا ہے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔

دور ہو جا۔ مجھ سے اے دنیا! بخدا میں تیرے آگے نہیں جھکوں گا کہ تو مجھے ذلیل کرے۔ تیرے لیئے اپنی رسّی ڈھیلی نہیں کر دوں گا کہ مجھے ہانک لے چلے۔ اور قسم کھاتا ہوں خدا کی۔ ایسی قسم جس میں مشیتِ الٰہی کے سوا کوئی استثنار نہیں کہ اپنے نفس کو ایسا ہلکان کر دوں گا کہ ایک روٹی پر بھی خوش ہو جائے گا۔ اگر اس کے ساتھ نمک مل جائے۔ اور اپنی آنکھوں کو ایسا چشمہ بنا دوں گا جس کا سوت سوکھ چکا ہو۔ میری آنکھیں بھی آنسوؤں سے سوکھ جائیں گی۔ اونٹ اور مویشی اپنے چارے اور دانے کے بعد اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ تو کیا علیؑ بھی اتنا کھالیا کرے کہ آسودہ ہو جائے؟ آنکھیں پتھرا جائیں علیؑ کی اور اس عمر بھر کی ریاضت کے بعد اونٹوں اور بھیڑوں بکریوں کی ریس کرنے لگے۔

مبارک ہے وہ جس نے اپنے رب کا فرض پورا کر دیا مصیبتوں پر صبر کرلیا، راتوں کو نیند سے کنارہ کیا اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو زمین کو فرش بنایا، ہاتھ کو تکیہ ٹھہرایا اور ان لوگوں کے ساتھ پڑا رہا، جن کی آنکھیں خوفِ قیامت سے جاگتی رہتی ہیں، جنکے پہلو بچھونوں سے ناآشنا رہتے ہیں اور جن کے گناہ کثرتِ استغفار سے چھٹ گئے ہیں، یہی لوگ حزب اللہ ہیں اور حزب اللہ ہی کو فلاح ہے۔

تو اے ابن حنیف! خدا سے ڈر۔ تیرے لیئے دو روٹیاں کافی ہوں تاکہ دوزخ سے تیری مخلصی کا پروانہ بن جائے۔

شوریٰ اور انتخاب

شوریٰ کے بعد انتخاب، امت کی رضامندی ہے!

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اور وہ اس خیال کی بڑی بلند آہنگی کے ساتھ تبلیغ و تلقین کرتے رہتے ہیں کہ اسلام میں آمریت اور قیصریت کی جتنی گنجائش ہے، شوریٰ اور انتخاب کی نہیں۔ لیکن یہ محض ادعائے باطل ہے، جس کی تائید نہ کتاب الٰہی سے ہوتی ہے، نہ سنتِ رسول سے نہ اجماعِ اُمت سے۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے، جس نے اُس زمانے میں جب دنیا جمہوریت، شوریٰ اور انتخاب کے نام سے ناواقف تھی، اور ہر طرف ملوک وسلاطین کے جاہ وجلال کے مناظر نظر آتے تھے، شوریٰ اور انتخاب کو اقتدار واختیار کی اصل اساس اور بنیاد قرار دیا، بے شک بعد میں یہ بنیاد منہدم ہوگئی اور اسلام میں آمریت اور قیصریت کا فروغ و عروج شروع ہوگیا لیکن اسلام کی حکومت کا آغاز جمہوریت سے ہوا تھا، اور یہی داعیٔ اسلام کا منشار تھا،

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، یہ معاملہ امت کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ امت نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ منتخب کرلیا، جب حضرت ابو بکر اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اُنہوں نے ارباب حل وعقد کے مشورے اور انصار و مہاجرین کی منظوری سے حضرت عمر کو منصبِ خلافت سونپ دیا، حضرت عمرؓ کا جب وقت آخر آیا تو انہوں نے، ان چھ آدمیوں کو، جو خلافت کے مستحق اور امیدوار ہو سکتے تھے ایک پینل کی صورت میں جمع کردیا، اور انتخاب ان میں سے کسی ایک کے لئے منتخب کردیا۔

حضرت عثمان اس حال میں شہید ہوئے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی اقدام نہ کرسکے
حضرت علی نے جب رخت سفرِ آخرت باندھا تو آپ سے سوال کیا گیا۔
"کیا ہم حسن رض کے ہاتھ پر بیعت کرلیں ؟"
آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔
"نہ میں یہ کہتا ہوں کہ بیعت کرو، نہ یہ کہتا ہوں کہ بیعت نہ کرو، میں تمہیں اسی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہوں جس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے"!

خلفائے راشدین کی یہ مثالیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلام میں بادشاہت، ولی عہدی، اور موروثی سلطنت کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

حضرت علی نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد امیر معاویہ کو ایک مکتوب لکھ کر یوں اتمامِ حجت کی:-

"مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رض، عمر رض، عثمان سے بیعت کی تھی، لہٰذا نہ تو حاضر کے لیئے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شوریٰ صرف مہاجرین وانصار کے لیئے ہے، اگر انہوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کرلیا اور اسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ کی اور پوری امت کی رضامندی کے لیئے کافی ہے۔ اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا ہے۔ انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ اور خدا اسے اس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا۔

ہمارے اس دعوے کی مزید وضاحت حضرت علی رض کے ایک خطبہ سے بھی
[ہو]تی ہے۔

آپ کے دستِ مبارک پر جب بیعت کے لیئے اصرار کیا گیا تو آپ نے
[ف]رمایا :-

"تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اور کسی دوسرے کو خلافت کے لیئے طلب کر لو"!

ہم وہ اقدام کرنے والے ہیں جس کا رنگ و روگوناگوں ہے۔

(کیونکہ ان لوگوں کے) قلوب استوار نہیں، ان کی عقلیں ثابت نہیں ـــــ!

آفاق کو ابرِ سیاہ نے ڈھانپ لیا ہے، اور راہِ روشن تغیر یافتہ ہو گئی ہے'

ـــــ جان لو ـــــ اگر میں تمہاری دعوت (بیعت) قبول کر لیتا ہوں تو جن
[باتو]ں کو میں بہتر سمجھتا ہوں اُن پر تم سے عمل کراؤں گا، اور پھر کسی کہنے والے کی
[با]ت اور ناراض ہونے والے کی ناراضامندی کی پرواہ نہیں کروں گا، اور اگر تم نے
[مجھ]ے چھوڑ دیا تو میں تمہارا ہی جیسا ایک آدمی ہوں گا، اور جسے تم امیر بنا لوگے، تم
[س]ے زیادہ اُس کی بات سنوں گا، اور اطاعت کروں گا"

میں وزیر و مشاور بن کر تمہارے لیئے زیادہ بہتر ہوں گا، بہ نسبت اس کے
[ت]مہارا امیر و زمام دار بن جاؤں۔

اِس خطبہ سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے یہ ہیں :-

(۱) آپ از خود خلیفہ نہیں بنے، امت کے ارباب حل و عقد نے آپ کو
[دعو]ت دی کہ یہ منصب قبول کر لیں۔

(۲) قبول کرنے سے پہلے آپ نے کچھ شرائط پیش کیئے۔

(۳) شرائط کی عدم منظوری کی صورت میں ایک عام آدمی بننے پر، اور جسے
[امی]ر منتخب کیا جائے اُس کی اطاعت، پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔

اگر اسلام میں شوریٰ اور انتخاب کو بنیادی اور اساسی حیثیت نہ حاصل ہوتی تو آپ کا طرزِ عمل یہ نہ ہوتا۔

ایک اور خطبہ میں بھی آپ نے اس مسئلہ پر لب کشائی فرمائی ہے :-

" امرِ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جو ان میں سب سے زیادہ اس پر قوی اور قادر ہو، اور اس کے بارے میں جو احکام خداوندی ہیں سب سے زیادہ ان کا دانا، اور رمز شناس ہو، پس اگر (اس باب میں) کوئی فتنہ انگیزی اور تباہ کاری پر آمادہ ہوتا ہے، (تو سب سے پہلے تو) اسے حق پر مراجعت پر آمادہ کیا جائے گا اور انکار کی صورت میں اس سے جنگ (جائز) ہوگی، اور سوگند بجان خود، اگر امر امامت اس وقت تک منعقد نہیں ہو سکتا، جب تک سب لوگ حاضر نہ ہوں، تو یہ بات کبھی بھی عمل پذیر نہیں ہو سکتی، (کیونکہ ایسا ہونا ناممکن ہے) لیکن جو لوگ اس مجلس کے اہل ہیں (یعنی اصحاب و آشنایانِ راہِ خیر و شر) ان لوگوں پر حکم لگا سکتے ہیں۔ جو تعیینِ امامت کے ہنگام میں موجود نہیں تھے پس اس صورت میں جو موجود ہوں، وہ اس فیصلہ کو پلٹنے کا حق نہیں رکھتے، اور جو غیر موجود ہوں انہیں یہ اختیار نہیں کہ کسی اور کو منتخب کر لیں۔

میں دو شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا، ایک اس سے جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے، جو اس کی نہیں ہے، اور دوسرے اس سے جو ان حقوق کو ادا نہ کرے، جو اس پر واجب ہیں۔

خدا کے بندو، میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، بلاشبہ تقویٰ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جن کی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں، اور یہ انجاموں میں سب سے بہتر انجام ہے، خدا کے نزدیک! تمہارے اور اہلِ قبلہ کے مابین جنگ کا دروازہ کھل گیا ہے، اور ا

پرچم کو وہی شخص اُٹھا سکتا ہے جو صاحب بصیرت ہو، اور شدائد پر صبر کا عادی ہو، حق کے مواقع سے آشنا ہو، پس تمہیں جس بات کا حکم دیا جائے اُس کی پیروی کرو، جس بات سے منع کیا جائے اس سے باز آجاؤ اور کسی معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لو، جب تک وہ اچھی طرح واضح نہ ہو جائے۔

یہ دنیا جس کی تم تمنا کر رہے ہو، اور جس کے بارے میں رغبت کا اظہار کرتے ہو، اس کا یہ حال ہے کہ کبھی یہ تمہیں غضب ناک کر دیتی ہے، کبھی راضی کر لیتی ہے، نہ یہ تمہارا اصلی گھر ہے نہ منزلِ مقصود، جس کے لیئے تم خلق کیئے گئے ہو، نہ وہ منزل ہے جس کی طرف تمہیں بلایا گیا ہے، نہ یہ تمہارے لیئے ہمیشہ باقی رہنے گی، نہ تم اس پر ہمیشہ باقی رہو گے، اس نے اگر تمہیں اپنی سجاوٹ سے فریب دیا ہے تو اپنی بدی سے تمہیں ڈرایا بھی ہے، تم اس کی سجاوٹ کے فریب کو، اس کی خوف انگیزی کو، اس کی تحریص کو، اس کی تخویف کی بنا پر ترک کر دو، اور یہاں رہنے کے باوجود، اس گھر کی طرف سبقت کرو، جس کی طرف تمہیں بلاوا دیا گیا ہے"۔

اور آپ کا یہ انداز فکر، تمام تر نتیجہ تھا صحبت نبویؐ کے فیوض و برکات کا آپؓ نے اپنی ساری زندگی رسول اکرمؐ کے قدموں میں گزار دی، یہی وجہ تھی کہ آپ کو یہ کہنے کا حق حاصل تھا۔

"اپنے طیب و طاہر نبی کی پیروی کرو، اس لیئے کہ ہر پیروی کرنے والے کو انہی کی پیروی لازم ہے، سب سے زیادہ محبوب آپؐ ہیں، اور پھر وہ شخص جو اپنے نبیؐ کے قدم بہ قدم چلتا ہو"۔

آں حضرتؐ نے دنیا کی طرف بہت کم توجہ فرمائی، کبھی سرسری نظر سے بھی اسے نہ دیکھا، آپؐ کا شکم مبارک (بھوک کے باعث) پیٹھ سے ملا رہتا تھا، سب سے

زیادہ بھوکے رہتے تھے، دنیا آپؐ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، آپؐ کو معلوم تھا خدا کس چیز (دنیا) کو سب سے زیادہ مبغوض، اور ناپسندیدہ رکھتا ہے؟ پس آپؐ نے بھی اسے حقیر جانا، وہ کس چیز کو ذلیل سمجھتا ہے، پس آپ نے بھی اسے ذلیل تصور کیا، اگر ہم میں یہ بات ہوتی کہ خدا جس چیز کو برا سمجھتا ہے ہم اسے اچھا سمجھتے، اور وہ جسے اچھا سمجھتا ہے ہم اسے برا سمجھتے تو بھی مخالفت خداوندی کے لیئے یہ بات کافی ہوتی، رسولِ خداؐ کا عالم یہ تھا کہ آپؐ فرشِ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، ایک عبدِ مسکین کی طرح بیٹھتے تھے، اپنی جوتی اپنے دستِ مبارک سے گانٹھ لیا کرتے تھے، اپنے پھٹے کپڑوں میں خود پیوند لگا لیا کرتے تھے، بغیر پالان کے گدھے پر سوار ہوتے تھے، حجرۂ نبوی کے دروازے پر پردہ لٹکتا رہتا تھا۔ اس پر اگر کوئی تصویر ہوتی تو آپ اپنی بیوی کو حکم دیتے اسے ہٹا دیا جائے، کیونکہ جب میری نگاہ اس پر پڑتی ہے تو دنیا اور اس کے زخارف اپنی طرف متوجہ کرنے لگتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے دنیا سے اعراض کیا، اس کا نقش اپنے دل سے مٹا دیا، اور ہمیشہ یہ چاہا کہ اس کی زینت آپ کی نگاہ سے مخفی رہے، تاکہ آپ لباسِ فاخرہ زیبِ تن نہ کریں، اسے اقامت گاہ تصور نہ کریں، اس میں قیام کی آرزو نہ کریں، دنیا کو آپ نے اپنے نفس سے نکال دیا، اپنے دل سے دور کر دیا، اپنی نگاہوں سے الگ کر دیا اسی طرح جو آدمی کسی کو برا سمجھے لازم ہے کہ نہ اسے دیکھے نہ اس کا ذکر پسند کرے"۔

یہی وجہ ہے کہ آپؑ نے اسوۂ نبیؐ کو کبھی ترک نہیں کیا اور ہمیشہ اسی راستے پر چلتے رہے جو نبی رحمتؐ کا تھا۔

چنانچہ جب مدینہ منورہ میں عام مسلمین نے آپؑ کے دستِ مبارک پر سمع و اطاعت

کی بیعت کرلی تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

میں اپنی باتوں کا ذمہ دار ہوں، جو میں نے کہیں، اور ان سب (کہی ہوئی باتوں) کا ضامن ہوں۔ بلاشبہ جس کسی پر عبرتوں اور بلاؤں یعنی عقوبات و انقلابات دنیا کا تسلط ہو، اسے شک شبہ (کی بلا سے) جو چیز روک سکتی ہے وہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

مصیبت اور بلا پھر اسی دن کی طرح واپس آگئی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو (عہد جاہلیت میں) رسالت کی ذمہ داری سونپی تھی،

اُس ذاتِ بے ہمتا کی قسم جس نے رسول اللہؐ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا، تم لوگ اُلٹ پلٹ دیئے جاؤ گے، تمہارے پارچے الگ الگ کر دیئے جائیں گے، تم چھانے جاؤ گے (جس طرح غلیان و جوشش کے وقت) دیگ اُبلتی ہے۔ (اور اُس کے اندر کی چیزیں اوپر نیچے ہوتی ہیں اسی طرح) تم تلے اوپر کیئے جاؤ گے۔

تمہارے پست بلند ہو جائیں گے، اور بلند پست ہو جائیں گے، جو پیچھے رہ گئے تھے، وہ آگے بڑھ آئیں گے، جو آگے بڑھ آئے تھے، وہ پیچھے ہو جائیں گے۔

خدا کی قسم! —— میں نے کوئی بات نہیں چھپائی۔
میں نے کبھی دروغ گوئی نہیں کی۔!

اس مقام اور اس دن کی اطلاع مجھے پہلے سے دے دی گئی تھی،
معاصی کی مثال اُن اسپ ہائے سرکش کی ہے، جن پر خطا کار سوار کیئے گئے ہیں، ان کی باگیں چھوڑی گئی ہیں، وہ اپنے سواروں سمیت جہنم کی طرف رواں دواں ہیں۔

اور تقویٰ! ـــــ وہ رام کی ہوئی سواریاں ہیں، جن پر نیکو کار سوار کیئے گئے ہیں، ان کی لگامیں ان کے ہاتھوں میں ہیں، اور یہ سواریاں جنّت کی طرف رواں دواں ہیں۔

حق اور باطل، ـــــ بس دنیا میں یہی دو طاقتیں ہیں جو کارفرما ہیں) حق کے ساتھی بھی ہوتے ہوتے ہیں اور باطل کے بھی،

پس اگر باطل برسر اقتدار ہو (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) ایسا ہمیشہ سے ہوتا آتا ہے! ـــــ اگر حق کے پرستار کم ہوں، تو (یہ بھی کوئی نادر چیز نہیں) ایسا تو ہوا کیا ہے، لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ حق باطل پر غالب آیا ـــــ ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے، کہ پیچھے ہٹی ہوئی چیز آگے بڑھ آئے ـــــ!

نظمِ مملکت اور دستورِ حکومت

اسلامی حکومت کا نظام

حضرت علی رضؓ خلیفہ راشد تھے، ان کی حکومت صحیح معنوں میں اسلامی حکومت تھی، اس حکومت کا نظام کیا تھا؟ دستور کیا تھا؟ آئین کیا تھا؟ یہ باتیں معلوم کرنے کے لیئے ہمیں تاریخ کے اوراق کھنگالنا ہوں گے، اور دیکھنا ہو گا کہ آپ نے نظام حکومت اپنایا تھا ▪ کیا تھا!

اس کا ایک نمونہ وہ مکتوب ہے، جو محصلین زکوٰۃ کے نام آپ نے تحریر فرمایا تھا، آپ نے لکھا تھا:۔

"اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تقویٰ کے ساتھ اپنے کام پر روانہ ہو، خبردار کسی مسلمان کو خوف زدہ نہ کرنا۔ خبردار کسی مسلمان کی طرف سے اس حال میں نہ گزرنا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہو، خدا کے مقرر کیے ہوئے حق سے زیادہ کچھ نہ لینا، جب کسی علاقے میں پہنچنا تو آبادی کے باہر کنوئیں پر اُترنا۔ کسی کے گھر میں نہ اُترنا۔ پھر سکون و وقار کے ساتھ آبادی میں داخل ہونا، لوگوں کو سلام کرنا۔ اگر انھوں نے صاحب سلامت نہ کی ہو تو پروا نہ کرنا۔ تم خود پوری طرح صاحب سلامت کرنا۔ اس کے بعد اُن سے کہنا خدا کے بندو! اللہ کے ولی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہارے مالوں میں سے خدا کا حق وصول کر لوں۔ تو اب تم بتاؤ کیا خدا کا کوئی حق تمہارے مال میں واجب الادا ہے جسے اُس کے ولی کے حوالے کیا جائے۔ تمہارے اس کہنے پر اگر کوئی انکار کرے تو حجت نہ کرنا۔ اگر کہے ہاں ہے تو اس کے ساتھ جانا۔ مگر اس طرح کہ نہ ڈرانا، نہ دھمکانا، نہ ستانا، بلکہ سونا چاندی جو کچھ پیش کرے لے لینا۔

اور اگر اس کے پاس مویشی اور اونٹ ہیں تو اُن کے گلّے میں اُس کی اجازت کے بغیر نہ جانا، کیونکہ اکثر جانور اُسی کے تو ہیں۔ اور جب مالک کی اجازت سے جانا تو اس طرح نہیں گویا تم افسر ہو۔ ہرگز کوئی سختی تمہاری طرف سے نہ ہونے پائے کسی جانور کو نہ بھگانا نہ سہمانا، نہ مالک کو اپنے طرزِ عمل سے رنجیدہ کرنا۔

جو کچھ مال ہو اُس کے دو حصّے کر دینا، اور مالک کو اختیار دینا کہ اپنے لیے جو حصّہ چاہے پسند کر لے۔ اس کی پسند پر اعتراض نہ کرنا۔ اب جو ایک حصّہ رہا ہے، اُسے بھی دو حصوں میں بانٹ دینا اور مالک سے کہنا کہ جو حصّہ چاہے اپنے لیے پسند کر لے اور تم اس کی پسند پر معترض نہ ہونا۔ اسی طرح تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا، یہاں تک کہ اس مال میں خدا کا جو حق ہے نکل آئے۔ تم اُس حق لے لینا۔

لیکن اگر اس کارروائی کے بعد بھی مالک چاہے کہ پورے مال کی پھر سے تقسیم ہو تو تم بے چون و چرا منظور کر لینا، سب جانوروں کو دوبارہ ملا دینا اور پہلے کی طرح مالک کی مرضی کے مطابق تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا، یہاں تک خدا کا حق پورا ہو جائے۔ لیکن کوئی بوڑھا، مریل، لنگڑا، لولا، بیمار، عیبی جانور نہ لینا۔

زکوٰۃ کے اس مال کو ایسے آدمی کے سپرد کر دینا، جس کے دین پر تمہیں بھ ہو، جو مسلمانوں کے مال کا ہمدرد ہو، یہاں تک کہ یہ مال ان کے ولی کے پاس جائے اور ولی ان میں تقسیم کر دے۔ ایسے ہی آدمی کے سپرد کرنا جو خیر خواہ ہو، امین ہو، حفاظت کرنے والا ہو، جانوروں کے حق میں بے رحم نہ ہو، انہیں دوڑانے بھگانے ستانے، دُبلا کر ڈالنے والا نہ ہو، پھر تم سب کچھ لے کر سستی کیے بغیر ہم پاس چلے آنا۔ ہم اس مال کو حکمِ الٰہی کے مطابق ٹھکانے لگا دیں گے۔

اور دیکھو جس آدمی کے سپرد جانور کرنا اُسے تاکید کر دینا کہ بچّے کو اونٹنی

الگ نہ کرے اسے بہت نہ دوہے کہ بچوں کو بھوک سے نقصان پہنچے۔ سواری کرکے اسے ہلکان نہ کر ڈالے۔ سوار ہو، مگر دوسری اونٹنیوں میں اور اس میں انصاف سے کام لے باری باری بیٹھے۔ تھکے ہوئے اونٹوں کو آرام دے، جس اونٹ کا کھر پھٹ جائے، یا وہ لنگڑانے لگے تو اس پر ترس کھائے۔ رستے میں جہاں جہاں پانی ملتا جائے جانوروں کو خوب پلائے۔ ہری بھری زمین سے انہیں ہٹا کر شاہراہوں پر نہ چلے، اچھی طرح سستانے، پانی پینے اور چرنے کا انہیں موقع دے تاکہ جب ہمارے پاس پہنچیں تو خوب موٹے تازے ہوں تھکے ماندے، دُبلے پتلے نہ ہوں، ہم انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق تقسیم کریں گے۔ تم ان سب باتوں پر عمل کرو گے تو تمہارے لیئے بڑا اجر ہوگا اور تم ہدایت سے قریب تر ہو جاؤ گے۔ انشاء اللہ۔!

ایک اور مکتوب

امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے کہ اپنے ہر عمل میں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی خدا سے ڈرتے رہنا، جہاں خدا کے سوا نہ کوئی گواہ ہے نہ دلیل ہے۔

اور حکم دیا ہے کہ خدا کا کوئی حکم ظاہر میں اس طرح نہ بجا لانا کہ باطن میں خدا کی نافرمانی ہو جس شخص کے ظاہر و باطن قول و فعل میں اختلاف نہ ہو، اُس نے بیشک اپنی امانت پوری کر دی ہے اور خدا کی سچی عبادت بجا لایا ہے اور حکم دیا ہے کہ یہ شخص اپنے ماتحتوں پر افسری نہ جتائے، انہیں حیران نہ کرے اور اپنے عہدے کی وجہ سے انہیں حقیر نہ سمجھے۔ کیونکہ سب مسلمان دین میں بھائی بھائی ہیں اور حقوق کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے مددگار۔

اس صدقے میں تمہارا حصّہ مقرر اور حق معلوم ہے۔ مگر اس میں اور لوگ بھی تمہارے شریک ہیں۔ یہ کون ہیں؟ غریب، کمزور، فاقہ زدہ لوگ۔ ہم تمہیں تمہارا پورا پورا حق دیں گے۔ لہٰذا تم بھی اپنے شریکوں کو اُن کا پورا پورا حق دینا، ورنہ یاد رکھو قیامت

کے دن تم سے زیادہ کسی آدمی کے دشمن نہ ہوں گے اور بدبخت ہے اُس کے لیئے جس سے اللہ کے حضور جھگڑا کریں گے۔ فقیر، مسکین، سائل، محروم، مقروض، مسافر!۔

یاد رکھو جو کوئی امانت میں غفلت سے کام لیتا ہے، خیانت کے میدان میں چرتا پھرتا ہے اور اپنے نفس و دین کو اس گندگی سے پاک نہیں رکھتا تو وہ اس دنیا میں بھی اپنے اوپر بلائیں نازل کراتا ہے اور آخرت میں وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ اور روسیاہ ہوگا۔

سب سے بڑی خیانت امت کی خیانت ہے اور سب سے بڑی دغابازی امام سے دغابازی ہے۔

والسلام

پھر جب مصر کی گورنری پر محمد بن ابی بکر کو فائز کیا، تو ان کے نام فرمان صادر فرمایا:۔

اور اے محمد! رعایا سے خاکساری برتنا، نرمی سے پیش آنا، بشاشت ظاہر کرنا، اپنے برتاؤ اور نظر میں سب کو مساوی رکھنا تاکہ نہ بڑے لوگ چھوٹوں پر تمہارے ظلم کی امیدیں رکھیں۔ نہ چھوٹے بڑوں کے مقابلے میں تمہارے انصاف سے مایوس ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سب سے جو اس کے بندے ہو تمہارے چھوٹے بڑے کھلے ڈھکے اعمال کا جواب طلب کرے گا۔ اس کے بعد اگر عذاب دے تو تم ہی سب سے بڑے ظالم ہو اور معاف کر دے تو وہی سب سے بڑا کریم ہے۔

اللہ کے بندو سنو، پرہیزگار لوگ دنیا کے قریبی اجر اور آخرت کے دور والے ثواب دونوں کو لے گئے وہ دنیا والوں کے ساتھ ان کی دنیا میں بھی شریک رہے مگر دنیا والے اُن کی آخرت میں شریک نہ ہوئے۔ وہ دنیا میں افضل طریق پر رہے انہوں نے

نے دنیا کو بہتر سے بہتر برتا۔ انہیں دنیا سے وہ سب کچھ ملا جو عیش نعمت میں لوٹنے
والوں کو ملتا ہے، اُنہوں نے دنیا سے وہ سب حاصل کیا جو جبّار و متکبّر حاصل کیا
کرتے ہیں۔ پھر وہ دنیا سے پورا پورا توشہ لے کر اور مالا مال تجارت حاصل کر کے
سدھار گئے۔ دنیا سے زہد کی لذت اُنہوں نے دنیا ہی میں پالی۔ اُنہیں یقین رہا کہ
کل آخرت میں خدا کے پڑوسی ہوں گے، جہاں اُن کی نہ کوئی بات کاٹی جائے گی نہ
کسی لذت میں اُن کے لیے کمی کی جائے گی تو اللہ کے بندو موت سے ڈرو، اُس کی
نزدیکی سے ڈرو، اور اُس کے لیے اپنی تیاری پوری کر لو۔ موت کے ساتھ بڑا معاملہ ہوتا ہے
موت کے ساتھ یا تو بھلائی آتی ہے جس میں شر کا شائبہ تک نہیں ہوتا یا شر آتا ہے
جس کے ساتھ بھلائی ہو نہیں سکتی۔

اس شخص سے زیادہ جنّت کے قریب کون ہے جو جنّت کے لیے عمل کرتا ہے
اور اس شخص سے زیادہ دوزخ کے قریب کون ہے جو دوزخ میں جانے کے کام کرتا
ہے؟ اور تمہیں جان لینا چاہیے کہ موت تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اگر تم اس کے
انتظار میں ٹھہرے رہو گے تو بھی اُچک لے گی اور بھاگو گے تو بھی دھر لے گی، موت
تمہارے سایہ سے بھی زیادہ تمہارے ساتھ ہے۔ موت تو تمہارا مقدر بن چکی ہے،
دنیا تمہارے پیچھے سے تہہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لہٰذا ڈرو اُس دوزخ سے جو بہت
گہری ہے جس کی گرمی بڑی سخت ہے، اور جس میں عذاب نت نئے طریق سے بدلتا
بڑھتا رہتا ہے۔ دوزخ ایسی جگہ ہے جہاں ترس کھایا نہیں جاتا، آہ و بکا سنی نہیں
جاتی، کوئی تکلیف دور نہیں کی جا سکتی۔

اللہ کے بندو اگر تم اللہ سے زیادہ سے خوف کر اللہ سے زیادہ سے زیادہ
حسن ظن کے ساتھ جمع کر سکو تو ضرور جمع کر لو کیونکہ بندے کا اپنے پروردگار سے حسن ظن
اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے جتنا وہ اس سے ڈرتا ہے۔ خدا کے ساتھ سب سے زیادہ حسن ظن

سکھنے والے ہی خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

اور محمد بن ابی بکر! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے تجھے اپنے سب سے بڑے صوبے مصر کا گورنر بنایا ہے۔ اب تجھ سے میرا مطالبہ ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنا۔ اپنے دین کی مدافعت کرنا اگرچہ یہ بات تجھے ایک ہی گھڑی کے لیئے زمانہ میں میسر آجائے اور یاد رکھ کسی مخلوق کی خوشنودی کے لیئے خدا کو ناخوش نہ کرنا کیونکہ اگر خدا تیرے ساتھ ہے تو تجھے بہت لوگ مل جائیں گے اور اگر خدا سے تیرا رشتہ کٹ گیا تو کوئی بھی خدا کی جگہ تیرے پاس نہ لے سکے گا۔

وقت پر نماز پڑھنا نہ چھٹی پا لینے کے لیئے وقت سے پہلے پڑھنا، نہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے دیر کر دینا۔ یاد رہے تمہارا ہر کام نماز کے ماتحت ہے۔

کیا ان ارشادات کی روشنی میں اسلامی نظام حکومت مرتب کرنا کچھ مشکل ہے؟

افسرانِ خراج کے نام

خراج کے افسران کے نام آپ نے جو مکتوب تحریر فرمایا، اس سے بھی اسلامی دستور کے بہت سے گوشے واضح ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

اپنے معاملے میں لوگوں سے انصاف کرو اور اُن کی ضرورتیں پوری کرنے میں برد باری سے کام لو۔ تم رعایا کے خزانچی ہو، اُمت کے وکیل ہو، اماموں کے سفیر ہو کسی کو بھی اس کی ضرورت سے نہ روکو۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ لوگ خراج ادا کرنے کے لیئے اپنے گرمی جاڑے اپنی روزی کے مویشی اور غلام بیچنے لگیں۔ پیسے کے لیئے کسی کو کوڑے نہ لگائے جائیں کسی کا مال چاہے مسلمان ہو یا معاہد نہ چھونا۔ مگر ہاں یہ کہ اس کے پاس گھوڑا یا ہتھیار ہو جن سے اہلِ اسلام کے خلاف کمک پہنچاتا ہے۔ تو بے شک کسی مسلمان کے لیئے روا نہیں کہ ایسی چیزیں دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں چھوڑ دے کہ ان سے اسلام کو نقصان پہنچے۔ آپس میں ہمیشہ خیر خواہی کرتے رہو فوج سے نیک برتاؤ جاری رکھو، رعایا کی مدد کرتے رہو

مالک بن اشتر جب محمد بن ابی بکر کے بعد مصر کی گورنری پر فائز ہوئے تو آپ نے انہیں لکھا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ہے وہ وصیت، جس کا حکم دیا ہے اللہ کے بندے علی امیر المومنین نے مالک بن الحارث اشتر کو جب اُسے مصر کا گورنر بنایا تاکہ اس ملک کا خراج جمع کرے، اس کے دشمنوں سے لڑے، اس کے باشندوں کی سود بہبود کا خیال رکھے اور اس کی زمین کو آباد کرے۔

مالک کو حکم دیا ہے تقویٰ الٰہی کا، اطاعتِ خداوندی کو مقدم رکھنے کا اور کتاب اللہ کے مقرر کیئے ہوئے فرائض و سنن کی پیروی کا، اِس لیئے آدمی کی سعادت انہی کی پیروی سے وابستہ ہے اور ان سے انکار کرنے اور انہیں گنوا دینے میں سراسر بدبختی ہے۔

اور حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت میں اپنے دل سے اپنے ہاتھ سے، اپنی زبان سے سرگرم رہے، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ذمہ لے لیا ہے کہ جو کوئی اس کی نصرت و تائید پر کھڑا ہوگا، نصرت و تائید خداوندی اُسے حاصل رہے گی۔

اور حکم دیا ہے کہ خواہشوں کے موقعے پر اپنے نفس کو توڑے، سرکشی کے وقت اُسے روکے، کیونکہ نفس برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ کہ خدا کا رحم آدمی کے شامل حال ہو جائے۔

اس کے بعد اے مالک سُن! میں تجھے ایسے ملک میں بھیج رہا ہوں جس پر تجھ سے پہلے بھی حکومتیں گزر چکی ہیں، عادل بھی اور ظالم بھی، لوگ تیری حکومت کو بھی اسی نظر سے دیکھیں گے، جس نظر سے تو اگلے حاکموں کی حکومتوں کو دیکھتا رہا ہے اور تیرے حق میں بھی وہی کہا جائے گا جو تو ان حاکموں کے حق میں کہا کرتا تھا۔

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ نیک آدمی اُس آواز سے پہچانا جاتا ہے جو خدا اپنے بندوں کی زبان پر اس کے لیئے جاری کر دیتا ہے۔

لہذا تیرا دل پسند ذخیرہ، عمل صالح کا ذخیرہ ہو۔ یہ ذخیرہ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ تجھے اپنی خواہشوں پر قابو حاصل ہو۔ جو چیز حلال نہیں ہے اُس کے لیئے تیرا دل کتنا ہی مچلے اپنے آپ کو اس سے دور رکھ۔

یہ بھی جان لو کہ محبوبات و مکروہات میں نفس کی مخالفت کرنا ہی نفس سے انصاف کرنا ہے۔

اپنے دل میں رعایا کے لیے رحم، محبت، لطف پیدا کرنا۔ خبردار، رعایا کے حق میں پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جانا کہ اسے لقمہ بنا ڈالنے ہی میں تجھے اپنی کامیابی دکھائی دے۔

رعایا میں دو قسم کے آدمی ہوں گے: تمہارے دینی بھائی یا مخلوقِ خدا ہونے کے لحاظ سے تمہارے جیسے آدمی۔ لوگوں سے غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں۔ جان بوجھ کے یا بھولے چوکے سے ٹھوکریں کھاتے ہی رہتے ہیں۔ تم اپنے عفو و کرم کا دامن خطا کاروں کے لیئے اس طرح پھیلا دینا، جس طرح تمہاری آرزو ہے کہ خدا تمہاری خطاؤں کے لیئے اپنا دامن عفو و کرم پھیلا دے۔

کبھی نہ بھولنا کہ تم رعایا کے افسر ہو، خلیفہ تمہارا افسر ہے اور خدا خلیفہ کے اُوپر حاکم ہے۔ خلیفہ نے تمہیں گورنر بنایا ہے اور مصر کی ترقی و اصلاح کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے۔

خدا سے لڑائی نہ مول لینا۔ کیونکہ آدمی کے لیئے خدا سے کوئی بچاؤ نہیں۔ خدا کے عفو و رحمت سے تم کبھی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

عفو پر کبھی نادم نہ ہونا۔ سزا دینے پر کبھی شیخی نہ بگھارنا۔ غصہ آتے ہی دوڑ نہ پڑنا، بلکہ جہاں تک ممکن ہو غصے سے بچنا اور غصے کو پی جانا۔

خبردار رعایا سے کبھی نہ کہنا کہ میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں! اور اب میں ہی سب کچھ ہوں سب کو میری تابعداری کرنی چاہیے۔ اس ذہنیت سے دل میں فساد پیدا ہوتا

ہے۔ دین میں کمزوری آتی ہے اور بربادی کے لیئے بُلاوا آتا ہے۔

اور اگر حکومت کی وجہ سے غرور پیدا ہونے لگے تو سب سے بڑے بادشاہ۔ خدا کی طرف دیکھنا جو تمہارے اوپر ہے اور تم پر وہ قدرت رکھتا ہے، جو تم خود بھی اپنے آپ پر نہیں رکھتے۔ ایسا کرو گے تو نفس کی طغیانی کم ہو جائے گی۔ حدّت گھٹ جائے گی۔ بھٹکی ہوئی روح لوٹ آئے گی۔

خبردار! خدا کے ساتھ اُس کی عظمت میں بازی نہ لگانا، اس کی جبروت میں تشبیہ اختیار نہ کرنا، کیونکہ خدا جباروں کو ذلیل کر ڈالتا ہے اور مغروروں کو نیچا دکھا دیتا ہے۔

اپنی ذات اور معاملے میں اپنے خاص عزیزوں کے معاملے میں جنہیں تم اپنی رعایا میں سے چاہتے ہو، خدا سے بھی انصاف کرنا اور ——— خدا کے بندوں سے بھی انصاف کرنا۔ یہ نہ کرو گے تو ظلم کرنے لگو گے۔

یاد رکھو جو کوئی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو خدا خود اپنے مظلوم بندوں کی طرف ظالم کا حریف بن جاتا ہے اور معلوم ہے خدا جس کا حریف بن جائے اس کی حجت باطل ہو جاتی ہے، وہ خدا سے لڑائی ٹھاننے کا مجرم ہوتا ہے، یہاں تک کہ باز آ جائے اور توبہ کر لے۔ خدا کی نعمت کو اس سے بڑھ کر بدل دینے والی اور خدا کی عقوبت کو اس سے زیادہ بلانے والی کوئی چیز نہیں کہ آدمی ظلم کو اختیار کر لے، یاد رہے خدا مظلوموں کی سنتا اور ظالموں کی تاک میں رہتا ہے۔

تمہاری مجلس سے سب سے زیادہ دور اور تمہاری نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ وہ شخص ہونا چاہیے جو لوگوں کے عیب ڈھونڈا کرتا ہے۔ لوگوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں۔ یہ کام حاکم کا ہے کہ ان کے عیب ڈھکے۔ خبردار چھپے ہوئے عیبوں کی کرید نہ کرنا۔ تمہارا منصب بس یہ ہے کہ جو عیب چھپے ہوتے ہیں، اُن کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دو۔ حتی المقدور لوگوں کے ڈھکے کو ڈھکا ہی رہنے دینا۔ ایسا کرو گے تو خدا بھی

تمہارے وہ عیب ڈھکے رہنے دے گا، جو تم رعایا سے چھپانا چاہتے ہو۔

وہ سب اسباب دور کر دینا، جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کرتے ہیں عداوت و غیبت کی ہر رسی کاٹ ڈالنا۔ خبردار! چغل خور کی بات ماننے میں جلدی نہ کرنا۔ کیونکہ چغلخور دغاباز ہوتا ہے۔ اگرچہ خیر خواہ کا روپ بھر کے سامنے آتا ہے۔

اپنے مشورے میں بخیل کو شریک نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہیں احسان کرنے سے روکے گا اور فقر سے ڈرائے گا۔

بزدل کو بھی صلاح میں شریک نہ کرنا، کیونکہ مہمات میں تمہاری ہمت کمزور کر دے گا۔

حریص کو بھی شریک نہ کرنا، کیونکہ ظلم کی راہ سے دولت سمیٹنے کی ترغیب دے گا۔

یاد رکھو بخل، بزدلی، حرص اگرچہ الگ الگ خصلتیں ہیں، مگر ان کی بنیاد خدا سے سوء ظن پر ہے۔

بدترین وزیر وہ ہے جو شریروں کی طرف داری کرے اور گناہوں میں اُن کا ساجھی ہو۔ ایسے آدمی کو اپنا وزیر نہ بنانا۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ گنہ گاروں کے مددگار اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کی جگہ تمہیں ایسے آدمی مل جائیں گے جو عقل و تدبیر میں اُن کے برابر ہوں گے، مگر گناہوں سے اُن کی طرح لدے نہ ہوں گے! نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہوگی۔ نہ کسی گناہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہوگا۔ یہ لوگ تمہیں کم تکلیف دیں گے۔ تمہارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے تم سے پوری ہمدردی رکھیں گے اور غیر سے اپنے سب رشتے کاٹ لیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کو نجی کی صحبتوں اور عام درباروں میں اپنا مصاحب بنانا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ خاص الخاص لوگوں میں بھی وہی تمہاری نگاہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوں جو زیادہ سے زیادہ کڑوی بات تم سے کہہ سکتے ہوں اور اُن کاموں میں تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہوں جو خدا اپنے بندوں کے لیے ناپسند فرما چکا ہے۔

اہل تقویٰ و صدق کو اپنا مصاحب بنانا۔ انہیں ایسی تربیت دینا کہ تمہاری جھوٹی تعریف کبھی نہ کریں۔ کیونکہ تعریف کی بھرمار سے آدمی میں غرور پیدا ہوتا ہے۔

اور تمہارے سامنے نیکوکار اور خطاکار برابر نہ ہوں۔ ایسا کرنے سے نیکوں کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اور خطاکار اور بھی شوخ ہو جائیں گے۔ ہر آدمی کو وہ جگہ دینا جس کا وہ اپنے عمل کے لحاظ سے مستحق ہے۔

اور تمہیں جاننا چاہیے کہ رعایا میں اپنے حاکم کے ساتھ حسن ظن اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ حاکم رعایا پر رحم و کرم بارش کرتا رہے، اس کی تکلیفیں دور کرے اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جو اس کے بس سے باہر ہو۔ یہ اصول تمہارے لیے کافی ہے اس طرح رعایا کا حسن ظن تمہیں بہت سی مشکلوں سے بچا دے گا۔

کسی اچھے دستور کو نہ توڑنا، جو اس امت کے اگلے لوگ جاری کر گئے ہیں اور جس سے لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ رعایا کی بھلائی ہوئی توڑو گے تو اچھے دستور کا ثواب اگلوں کے لیے باقی رہے گا اور عذاب تمہارے حصے میں آئے گا کہ بھلی راہ تم نے مٹا دی۔

دیکھو اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا، انہی لوگوں کو افسر بنانا جو تمہارے خیال میں اللہ کے رسول کے اور تمہارے امام کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں، صاف دل ہوں، ہوشمند ہوں، جلد غصے میں نہ آجاتے ہوں، کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں، زبردستوں پر سخت ہوں، نہ سختی انہیں جوش میں لے آتی ہو نہ کمزوری انہیں بٹھا دیتی ہو۔

فوج کے لیے انہی کو منتخب کرنا جن کا حسب نسب اور خاندان اچھا ہے، جن کا ماضی بے داغ ہے، جو ہمت و شجاعت جود و سخا سے آراستہ ہیں، شرافت اور نیکی ایسے ہی لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

۱ ان فوجیوں کے معاملات کی ویسی ہی فکر کرنا جیسی فکر والدین کو اولاد کی ہوتی ہے۔ اِن کی تقویت اور درستی حال کے لیے جو بھی بن پڑے کرتے رہنا، اور جو کچھ کرنا اُسے بہت نہ سمجھنا۔ اپنے کم سے کم لطف واحسان کو بھی معمولی سمجھنا۔ کیونکہ اس سے اُن کی خیر خواہی بڑھے گی اور حسن ظن میں اضافہ ہوگا۔ ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورتوں سے بھی بے پروائی اس بھروسے پر نہ کرنا کہ بڑی ضرورتوں کا خیال کر رہے ہو۔ کیونکہ تمہاری معمولی رعایت بھی ان کے لیے نعمت ہوگی اور بڑی ضرورتوں میں سراسر تمہارے لطف وکرم کے ہمیشہ محتاج رہیں گے۔

وہی فوجی سردار تمہارے سب سے زیادہ مقرب ہوں جو فوجیوں کی سب سے زیادہ مدد کرتے ہوں، اپنے ہاتھ کی دولت سے سپاہیوں کو اُن کی ضرورتوں اور بال بچوں کی فکروں سے آزاد کرتے ہیں تاکہ ساری فوج ایک دل ہو جائے اور اس کے سامنے بس ایک ہی خیال رہے۔ دشمن سے جنگ فوج کے سرداروں پر تمہاری توجہ، فوج کے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ کر دے گی۔

حاکم کی آنکھ کی ٹھنڈک کس چیز میں ہونا چاہیے۔ اس میں کہ خود انصاف قائم کرے، اور رعایا اس سے اپنی محبت ظاہر کرتی رہے۔ رعایا کی محبت ظاہر نہیں، جب تک اس کے دل سلیم نہ ہوں اور رعایا کی خیر خواہی صحیح نہیں ہوتی جب تک اُسے حاکم سے سچی محبت نہ ہو، اس کی حکومت کو بوجھ اور اس کے زوال میں دیر کو وبال نہ سمجھتی ہو۔

ہر آدمی کے کارنامے کا اعتراف کرنا ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کرنا۔ انعام دینے میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ خاندانی ہونے کی وجہ سے کسی کے معمولی کام کو بڑھا چڑھا نہ دینا۔ اسی طرح ادنیٰ خاندان ہونے کی وجہ سے کسی کے بڑے کارنامے کی بے قدری نہ کرنے لگنا۔

مشتبہ معاملات پیش آئیں اور تمہاری بصیرت و علم ساتھ نہ دے تو انہیں اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف لوٹا تا کیونکہ خدا مسلمانوں کی ہدایت کے لیئے فرما چکا ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ الخ

اللہ کی طرف معاملے کو لوٹانا یہ ہے کہ کتاب محکم اور نص صریح کی طرف لوٹایا جائے اور رسول کی طرف لوٹانا یہ ہے کہ جامع سنت نبوی کو لیا جائے نہ کہ اُسے جس میں اختلاف پڑ گیا ہے۔

پھر ملک میں انصاف کرنے کے لیئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا جو تمہاری نظر میں سب سے افضل ہوں۔ ہجوم معاملات سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں۔ اپنی غلطی پر اڑے رہنا ہی ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد باطل سے چمٹے نہ رہتے ہوں۔ طماع نہ ہوں، اپنے فیصلوں پر غور کرنے کے عادی ہوں، فیصلے کے وقت شکوک و شبہات پر رُکنے والے ہوں۔ صرف دلائل کو اہمیت دیتے ہوں۔ مدعی اور مدعا علیہ سے بحث میں اُکتا نہ جاتے ہوں۔ واقعات کی تہ تک پہنچنے سے جی نہ چراتے ہوں اور حقیقت کھل جانے پر اپنے فیصلے میں بے باک اور بے لاگ ہوں۔ یہ ایسے لوگ ہوں جنہیں نہ تعریف سب سے خود کر دیتی ہو، نہ چاپلوسی ہی مائل کر سکتی ہو۔ مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

تمہارا فرض ہے کہ اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو، کھلے دل سے انہیں معاوضہ دو تاکہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اور کسی کے سامنے انہیں ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اپنے دربار میں اُنہیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا انہیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہو سکے۔ قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہیئے۔ اس بارے میں پوری توجہ سے کام لینا، کیونکہ دین اشرار کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا جو اپنی خواہشوں پر چلتے اور دین کے نام پر دنیا کمایا کرتے تھے۔

عمّال حکومت کے معاملات پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہو گی۔ جیسے مقرر کرنا، امتحاناً مقرر کرنا۔

رو رعایت سے یا صلاح مشورے کے بغیر کسی کو عہدہ نہ دینا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ظلم و خیانت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اچھے گھرانوں اور سابق میں اسلام کے خدمت گزاروں میں تجربہ کار اور باحیا لوگوں ہی کو منتخب کرنا کہ اُن کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔ اپنی آبرو کا خیال رکھتے ہیں۔ طمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور انجام پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔

عہدہ داروں کو بہت اچھی تنخواہیں دینا، اس سے یہ لوگ اپنی حالت درست کر سکیں گے اور حکومت کے اس مال سے بے نیاز رہیں گے، جو ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس پر بھی حکم عدولی کریں یا امانت میں خلل ڈالیں تو تمہارے پاس ان پر حجّت ہوگی مگر ضروری ہے کہ اُن کاموں کی جانچ پڑتال کرتے رہنا، نیک لوگوں کو مخبر بنا کر اُن پر چھوڑ دینا، یہ اس لیے کہ جب اُنہیں معلوم ہوگا کہ خفیہ نگرانی بھی ہو رہی ہے تو امانت داری اور رعایا سے مہربانی میں اور زیادہ چست ہو جائیں گے۔ پھر اگر ان میں سے کوئی شخص خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوسوں سے تصدیق ہو جائے تو بس یہ شہادت کافی ہے تم بھی سزا کا ہاتھ بڑھانا، جسمانی اذیت کے ساتھ خیانت کی رقم بھی اگلوا لینا خائن کو ذلّت کی جگہ کھڑا کرنا اور پوری طرح اُسے رسوا کر ڈالنا۔

تجّار اور اہلِ حرفت کا پورا خیال رکھنا ان کا بھی، جو مقیم ہیں اور ان کا بھی جو پھیری کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ملک کی دولت بڑھاتے ہیں۔ دور دور سے سامان لاتے ہیں خشکیوں، تریوں، میدانوں، ریگستانوں، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں کو پار کر کے ضروریاتِ زندگی مہیّا کرتے ہیں۔ ایسی ایسی جگہوں سے مال ڈھو لاتے ہیں، جہاں اور لوگ نہیں پہنچتے، بلکہ وہاں جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔

تاجر اور اہلِ حرفہ، امن پسند لوگ ہوتے ہیں۔ ان سے شورش و بغاوت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس پر بھی ضروری ہے کہ پایۂ تخت میں بھی اور اطرافِ ملک میں بھی ان پر نگاہ رکھی جائے، کیونکہ ان میں سے اکثر بڑے تنگ دل بڑے بخیل ہوتے ہیں

اجارہ داری سے کام لیتے ہیں اور لین دین میں کھلی ڈال کے لوٹ لینا چاہتے ہیں۔

اجارہ داری کی قطعی ممانعت کر دینا۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ لیکن ہاں خرید و فروخت خوش دلی سے ہو۔ وزن بیٹے ٹھیک رہیں۔ نرخ مقرر ہوں نہ بیچنے والا گھاٹے میں رہے، نہ مول لینے والا مونڈا جائے۔ اور ممانعت پر بھی اگر کوئی اجارہ داری کا مرتکب ہو تو اعتدال کیساتھ اُسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔

پھر اللہ اللہ، ادنیٰ طبقے کے معاملے میں یہ لوگ وہ ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں، فقیر، مسکین، محتاج، قلاش، اپاہج۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو ہاتھ نہیں پھیلاتے، مگر خود صورتِ حال ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں جو فرض خدا نے تمہیں سونپا ہے اس پر نگاہ رکھنا۔ اسے تلف نہ ہونے دینا۔ بیت المال میں ایک حصہ ان کے لیے خاص کر دینا اور اسلام کی جہاں جو صافی جائداد موجود ہے اس کی آمدنی میں اُن کا بھی حصہ رکھنا۔ ان میں سے کون دور ہے، کون نزدیک ہے؟ یہ نہ دیکھنا۔ دور نزدیک سب کا حق برابر ہے اور ہر ایک کے حق کی ذمہ داری تمہارے سر ڈال دی گئی ہے۔

دیکھو دولت کا نشہ تمہیں ان بیچاروں سے غافل نہ کر دے۔ اگر تم نے اس بارے میں اہم و اکثر کو پورا کر دیا تو بھی اس وجہ سے تمہاری معمولی غفلت بھی معاف نہ کی جائے گی! لہٰذا ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا اور اپنی توجہ سے انہیں محروم نہ کرنا۔

ان میں ایسے بھی ہوں گے جو تمہارے پاس پہنچ نہیں سکتے۔ انہیں نگاہیں ٹھکراتی ہیں اور لوگ ان سے گھن کھاتے ہیں۔ ان کی خبر گیری بھی تمہارا کام ہے۔ ان کے لیے بھروسے کے آدمیوں کی خدمات خاص کر دینا مگر یہ آدمی ایسے ہوں جو خوفِ خدا رکھتے ہوں اور دل کے خاکسار ہوں یہ لوگ ان بیکسوں کے معاملات تمہارے سامنے لایا کریں اور تم وہ کرنا کہ قیامت میں خدا کے سامنے تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

یاد رکھو رعایا میں ان غریبوں سے زیادہ انصاف کا کوئی مستحق نہیں ___ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا جو حق ہے پورا پورا ادا کرتے رہنا۔

اور یتیموں کے پالنے والوں کا بھی خیال رکھنا ہوگا اور ان کا بھی جو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں جن کا کوئی سہارا باقی نہیں جو بھیک مانگنے کے بھی لائق نہیں رہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں حاکموں پر بے شک گراں ہوتی ہیں لیکن یہ بھی سوچنا چاہیے کہ پورے کا پورا حق گراں ہی ہے، ہاں خدا کبھی حق کو اُن کے لیے آسان کر دیتا ہے جو عاقبت کی طلب میں رہتے ہیں اور اس لیے مشکلات و مکروہات میں اپنے دل کو مضبوط بنا لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کا یقین اس وعدۂ الٰہی پر پختہ ہے جو وہ پروردگار اپنے نیک بندوں سے کر چکا ہے۔

اور تم اپنے وقت کا ایک حصّہ فریادیوں کے لیے خاص کر دینا سب کام چھوڑ کے اُن سے ملا کرنا۔ ایسے موقعے پر تمہاری مجلس عام رہے، کہ جس کا جی چاہے بے دھڑک چلا آئے، اس مجلس میں تم خدا کے نام پر خاکسار بن جاؤ۔ فوجیوں، افسروں اور پولیس والوں سے مجلس کو بالکل خالی رکھنا، تاکہ آنے والے دل کھول کے اپنی بات کہہ سکیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہؐ کو بار بار فرماتے سُنا ہے: "اُس اُمت کی بھلائی نہیں ہو سکتی جس میں کمزوروں کو طاقت وروں سے پورا حق دلایا نہیں جاتا۔"

یہ بھی یاد رہے کہ اس مجلس میں عوام ہی جمع ہوں گے اب اگر بدتمیزی سے بات کریں یا اپنا مطلب صاف بیان نہ کر سکیں، تو خفا نہ ہونا۔ برداشت کر لینا۔ خبردار! ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا۔ تکبر سے پیش نہ آنا۔ میری وصیت پر عمل کرو گے تو خدا تم پر اپنی رحمت کی چادریں پھیلا دے گا اور اپنی فرماں برداری کا ثواب تمہارے لیے اٹل کر دے گا۔

جس کو کچھ دینا، اس طرح کہ وہ خوش ہو جائے اور نہ دے سکنا تو اپنا عذر صفائی سے پیش کر دینا۔

پھر ایسے معاملات بھی ہیں جنہیں خود اپنے ہی ہاتھ میں تمہیں رکھنا ہوگا۔ ایک معاملہ تو یہی ہے کہ عمالِ حکومت کے ان مراسلوں کا جواب خود لکھا کرنا جو تمہارے منشی نہیں لکھ سکتے۔

اور ایک معاملہ یہ ہے، جس دن روپیہ آئے اُسی دن مستحقوں کو بانٹ دینا۔ اس سے تمہارے درباریوں کو کوفت تو ضرور ہوگی، کیونکہ ان کی مصلحتیں تقسیم میں تاخیر و تعویق چاہیں گی۔

روز کا کام روز ختم کر دینا۔ کیونکہ ہر دن کے لیے اسی دن کا کام بہت ہوتا ہے۔

اپنے وقت کا سب سے افضل حصہ، اپنے پروردگار کے لیے خاص کر دینا اگرچہ سب وقت اللہ ہی کے ہیں۔ بشرطیکہ نیک نیت ہو اور رعایا کو اس نیک نیت سے سلامتی ملتی ہو۔

خدا کے لیے دین کو خالص کرنے میں سب سے زیادہ یہ خیال رہے کہ فرائض بغیر کسی کمی بیشی کے کماحقہٗ بجالائے جائیں۔ یہ فرائض صرف خدا کے لیے خاص ہیں اور ان میں کسی کا ساجھا نہیں۔

اور دیکھو جب امامت کرنا تو ایسی امامت نہیں کہ لوگ نماز ہی سے بیزار ہو جائیں اور ایسی امامت بھی نہیں کہ نماز کا کوئی رکن ضائع ہو جائے۔ یاد رکھو نمازیوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ تندرست بھی اور بیمار بھی اور ضرورت مند بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے یمن بھیجنے لگے تو میں نے عرض کیا تھا: "یا رسول اللہ! امامت کس طرح کروں گا؟" جواب ملا: "تیری نماز ویسی ہو جیسی سب سے کم طاقت کے نمازی کی ہو سکتی ہے اور تو مومنوں کے لیے رحیم ثابت ہوتا۔"

خبردار کسی مصاحب یا رشتہ دار کو جاگیر نہ دینا ایسا کرو گے، تو یہ لوگ رعایا پر ظلم کریں گے، خود فائدہ اٹھائیں گے اور دنیا و آخرت میں مخلوقِ خدا کی بدگوئی تمہارے سر پڑے گی۔

حق کسی کے خلاف پڑے اس پر حق ضرور نافذ کرنا چاہیے، چاہے تمہارا عزیز قریب ہو یا غیر، اس بارے میں تمہیں مضبوط اور ثواب خداوندی کا آرزومند رہنا ہوگا۔ حق کا وار، خود تمہارے رشتہ داروں اور عزیز ترین مصاحبوں ہی پر کیوں نہ پڑے تمہیں خوش دلی سے یہ گوارا کرنا ہوگا بے شک تم بھی آدمی ہو اور تمہیں اس سے کوفت ہو سکتی ہے۔ لیکن تمہاری نگاہ ہمیشہ نتیجے پر رہنا چاہیے یقین کرو نتیجہ تمہارے حق میں اچھا ہی ہوگا۔

اور دیکھو جب دشمن ایسی صلح کی طرف بلائے، جس میں خدا کی رضامندی ہو، تو انکار نہ کرنا۔ کیونکہ صلح میں تمہاری فوج کے لیے آرام ہے اور خود تمہارے لیے بھی فکروں سے چھٹکارا اور امن کا سامان ہے۔

لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوب چوکس، خوب ہوشیار رہنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے، صلح کی راہ سے اس نے تقرب اس لیے حاصل کیا ہو کہ بے خبری میں تم پر ٹوٹ پڑے۔ لہذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ اس معاملے میں حسن ظن سے کام نہیں چل سکتا۔

اور جب دشمن سے معاہدہ کرنا یا اپنی زبان اسے دے دینا تو عہد کی پوری پابندی کرنا، عہد کو بچانے کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دینا۔ کیونکہ سب باتوں میں لوگوں کا اختلاف رہا ہے۔ مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ آدمی کو اپنا عہد پورا کرنا چاہیے۔ مشرکوں تک نے عہد کی پابندی ضروری سمجھی تھی، حالانکہ مسلمانوں سے بہت نیچے تھے۔ یا اس لیے کہ تجربوں نے انہیں بتا دیا تھا کہ عہد شکنی کا

نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے عہد، وعدے، زبان کے خلاف کبھی نہ جانا۔ دشمن سے دغابازی نہ کرنا، کیونکہ یہ خدا سے سرکشی ہے اور خدا سے سرکشی بے وقوف اور نادان ہی کیا کرتے ہیں۔

اور عہد کیا ہے؟ خدا کی طرف سے امن وامان کا اعلان ہے، جو اس نے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے۔ عہد خدا کا حرم ہے جس میں سب کو پناہ ملتی ہے اور جس کی طرف سبھی دوڑتے ہیں۔

خبردار! عہد و پیمان میں کوئی دھوکا، کوئی کھوٹ نہ رکھنا اور معاہدے کی عبارت ایسی نہ ہونے دینا۔ گول مول، مبہم ہو، کئی کئی مطلب اس سے نکلتے ہوں۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو عہد دے چکنے کے بعد ایسی عبارت سے فائدہ نہ اٹھانا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ معاہدہ ہو چکنے کے بعد اگر اس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو، تو ناحق اسے منسوخ نہ کر دینا۔ پریشانی جھیل لینا بدعہدی کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ بدعہدی پر خدا تم سے جواب طلب کرے گا اور دنیا و آخرت میں اس کے مواخذے سے کہیں مفر نہ ہو گا۔

خبردار! ناحق خون نہ بہانا، کیونکہ خونریزی سے بڑھ کر بد انجام، نعمت کا ڈھانے والا، مدت کو ختم کرنے والا کوئی کام نہیں۔ قیامت کے دن جب خدا کا دربارِ عدالت لگے گا تو سب سے پہلے خونِ ناحق ہی کے مقدمے پیش ہوں گے اور خدا فیصلہ کرے گا۔ یاد رکھو خونریزی سے حکومت طاقتور نہیں ہوتی، بلکہ کمزور پڑ کر مٹ جاتی ہے۔

خبردار! رعایا پر کبھی احسان نہ جتانا۔ جو کچھ اس کے لیے کرنا اسے بڑھا چڑھا کر نہ دکھانا۔ احسان جتانے سے احسان مٹ جاتا ہے۔ بھلائی کو بڑھا کر

دکھانے سے حق کی روشنی چلی جاتی ہے اور وعدہ خلافی سے خدا بھی ناخوش ہوتا ہے۔ اور حق کے بندے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔

دیکھو اپنے غصے کو، طیش کو، ہاتھ کو، زبان کو قابو میں رکھنا۔ سزا دینے کو ملتوی کر دینا، یہاں تک کہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اس وقت تمہیں اختیار ہو گا کہ جو مناسب سمجھو کرو۔ مگر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکو گے۔ جب تک پروردگار کی طرف واپسی کا معاملہ تمہارے خیالات پر غالب نہ آ جائے۔

غریبوں اور ناداروں کا حق

غریبوں اور ناداروں کا حق

صحبتِ رسول ﷺ نے امیر المومنینؓ کے قلب و روح میں ایسی جلا پیدا کر دی تھی کہ ان میں ذاتِ رسالت پناہ ﷺ کے صفاتِ گوناگوں کا پرتو نظر آنے لگا تھا وہ غریبوں کے حالِ زار پر کڑھتے تھے، ناداروں کا افلاس انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا، جو لوگ اُمت کا حق دبا لیتے تھے ان کے لیئے وہ شمشیرِ برہنہ بن گئے تھے۔ جو قوم کے مال میں خیانت اور تغلب کرتے تھے اُن کے لیئے امیر المومنینؓ کے ایوانِ عدالت میں عفو و رحم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

مکّے کے گورنر قثم بن عباس کو انہوں نے تحریر فرمایا:۔

"لوگوں کے لیے حج قائم کرو، انہیں ایام اللہ یاد دلاؤ، اور صبح و شام ان کے لیئے تمہارا سفیر، تمہاری زبان کے سوا کوئی نہ ہو اور تمہارا حاجب تمہارے چہرے کے سوا کوئی نہ ہو۔ کسی ضرورت مند کو اپنی ملاقات سے محروم نہ رکھو۔ کیونکہ ہر دفعہ تمہارے در پر آنے سے محرومی ہو گئی تو بعد میں کامیابی پر تعریف نہ ہو گی۔"

آگے چل کر کتنے حکیمانہ نصائح کیئے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"تمہارے پاس اللہ کا جو مال جمع ہو اُسے اپنی طرف کے حاجتمندوں اور غریبوں پر خرچ کرو۔ فقر و فاقے اور ضرورت کے موقعوں کی تلاش کرو۔ اس سے جو کچھ بچ رہے، ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم اپنی طرف والوں پر تقسیم کر دیں!"

اِس مکتوبِ گرامی سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ حاکم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ کسی حاجت مند کو شرفِ باریابی عطا نہ کرے، یہ اُس کی ڈیوٹی ہے، کہ جو ملنا چاہے اُسے ملے، کیونکہ اگر ایک حاجتمند اس کے در سے مایوس جاتا ہے تو پھر امید و آرزو کی تکمیل اَور کہاں کر سکے گا؟

۲۔ صوبے کے گورنروں اور والیوں کو یہ اختیار ہے کہ محاصل اور ٹیکس کی جو رقم ان کے پاس جمع ہوا ہے ان لوگوں پر خرچ کریں جو حاجت مند ہوں، اس کے متمنی نہ رہیں کہ لوگ خود سائل کی حیثیت سے دریوزہ گری کرتے ہوئے آئیں گے، بلکہ ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو "تلاش" کریں۔ اور ایسے مواقع کی "جستجو" میں رہیں کہ فلاکت زدہ لوگ چین اور راحت کی زندگی لبسر کر سکیں۔

۳۔ اس کے بعد جو رقم بچ رہے وہ مرکز کے حوالے کر دی جائے، اور مرکز بھی انہی مصارف میں اسے خرچ کرے گا۔

ابن ابی الحدید نے امیر المومنین کا ایک اَور مکتوب معقل بن قیس کے نام درج کیا ہے۔ یہ شخص خارجیوں سے امیر المومنین کے حسب الحکم برسرِ پیکار رہا، اور انہیں شکست بھی دی، ان کی کمر توڑ دی، وہ رقم جو ان سے چھینی وہ بیت المال میں داخل نہیں کی، یہ خیانت تھی، اور اس کے کارنامے خیانت کے جرم کے بعد اس کے شفیع نہیں بن سکتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین نے معقل کو تحریر فرمایا:۔

"امانت کے ساتھ سب سے بڑی خیانت، اور حکومت کے ساتھ سب سے بڑی غداری، امام کے ساتھ غداری ہے۔ تمہارے ذمے مسلمانوں کے پانچ لاکھ درہم واجب الادا ہیں۔ میرے قاصد کے پہنچتے ہی یہ سب رقم روانہ کر دو۔ میں نے قاصد کو ہدایت کر دی ہے کہ تمہیں چین نہ لینے دے جب تک تم سب مال نہ بھیج دو!"

ابن الحدید ہی نے ایک اَور مکتوب بھی امیر المومنین کا درج کیا ہے، یہ مکتوب اُس وقت تحریر فرمایا گیا تھا جب آپ شام پر چڑھائی کرنے کی

تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ مکتوب منصب دارانِ حکومت کے نام ہے:

"ہم ان لوگوں پر چڑھائی کر رہے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا مال ہتیا لیا ہے حدودِ الٰہی معطل کر ڈالے ہیں، حق کو مار دیا ہے، زمین میں فساد برپا کیا ہے اور مومنوں کو چھوڑ کر فاسقوں کو دوست بنا چکے ہیں۔ اگر خدا کا کوئی دوست ان کی بُرائیوں پر ٹوکتا ہے تو اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اُسے دور ہٹا دیتے ہیں اُسے محروم رکھتے ہیں۔ لیکن جب ظالم، ظلم میں ان کی مدد کرتا ہے تو اُسے پسند کرتے ہیں۔ اُسے قریب کر لیتے ہیں، اس پر مہربانی کرتے ہیں، غرضکہ یہ لوگ ظلم پر کمربستہ ہیں جھوٹ میں متحد ہیں۔ ان کا قدیم سے یہی دستور ہے کہ حق سے روکتے رہے ہیں۔ اور ظلم پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔

لہٰذا جب میرا خط تمہیں ملے، تو کسی معتمد آدمی کو اپنا قائم مقام بنا دو اور خود ہمارے پاس چلے آؤ، تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کر سکو۔ حق والوں کا ساتھ دے سکو اور باطل والوں سے علیحدگی حاصل کر سکو، یہ اس لیئے کہ نہ ہمیں نہ تمہیں نہ کسی کو ثوابِ جہاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی"۔

اس مکتوب سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے، یہ ہیں:-

(۱) شام پر چڑھائی کسی ذاتی مقصد کے لیئے نہ تھی، خوشنودیٔ خدا کے لیئے تھی۔

(۲) اس چڑھائی کا مقصد ان لوگوں سے مقاتلہ تھا، جنہوں نے حدودِ الٰہی معطل کر ڈالے تھے۔

(۳) بیت المال کو ذاتی جاگیر بنا لیا تھا۔

(۴) حق بات سننے کے لیئے تیار نہ تھے۔

(۵) مسلمانوں سے زیادہ فاسقوں اور منافقوں کو اپنا دوست اور ہمدم بناتے تھے۔

(۶) ظلم اور تعدّی کو اُنہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔

(۷) وحدت ملّی میں رخنہ انداز ہو رہے تھے۔

(۸) سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو، اُس کے کارنامے کتنے ہی وقیع ہوں لیکن ثواب جہاد سے بے نیازی اسے زیب نہیں دیتی۔ یہ ثواب زندگی کی آخری سانس تک حاصل کرنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے۔"

عبداللہ بن ربیعہ سے خطاب

عبداللہ بن ربیعہ امیر المؤمنینؑ کا ایک جان نثار تھا، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زرِ نقد کا طالب ہوا۔ خلیفۃ المسلمینؑ نے جواب میں فرمایا:

"یہ مال نہ میرا ہے نہ تیرا ہے، بلکہ مسلمانوں کی غنیمت ہے اور اندوختۂ شمشیر ہے، اگر تو ان کے ساتھ شریکِ کارزار ہوا ہوتا، تو تجھے بھی ان کی طرح تیرا نصیب و بہرہ مل جاتا، اور اگر نہیں ہوا (تو تیرا کوئی حصہ بھی نہیں ہے) کیونکہ مسلمانوں کے ہاتھوں کی کمائی، دوسروں کے مُنہ میں نہیں ڈالی جاسکتی۔!"

اِس زمانے میں کہ پارٹی پراپیگنڈے پر بے دریغ روپیہ صرف کرنا ایک اصول بن چکا ہے، لوگوں کو ہم خیال اور ہم نوا بنانے کے لیئے تھیلیوں کے مُنہ کھول دیئے جاتے ہیں اور جائز و ناجائز تک کی پروا نہیں کی جاتی، امیر المؤمنینؑ اپنے ایک ساتھی جان نثار کو یہ جواب دینا اپنے اندر کردار صالح اور دستورِ اسلام کا بہترین نمونہ پوشیدہ رکھتا ہے۔ اگر اس اسوہ پر عمل شروع کر دیا جائے اور مسلمان اِسے اپنا شعار بنا لیں تو بہت سی غلطیاں اور رنج راتیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

ایک خطبۂ بلیغ

اِسی طرح ایک اور موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ میں سخاوت اور اس کے

پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

"جس کسی کو خدا ثروت و دولت عطا فرمائے، اُسے چاہیئے کہ (غریب) عزیزوں کی مدد کرے، (محتاجوں کی) ضیافت کرے، اسیروں کا فدیہ دے کر رہائی دلائے۔ مصیبت زدوں کی مدد کرے، غریبوں اور مفلسوں کی دستگیری کرے، قرضداروں کا قرض ادا کرے، اور اپنے نفس کو حقوق کے ادا کرنے، مصائب پر صبر کرنے پہ حصولِ ثواب کے مقصد سے آمادہ کرے، کیونکہ اِن خصلتوں کا حاصل کر لینا ہی دنیا میں شرف و عزّت اور خدا چاہے تو آخرت میں حصولِ فضائل کا ذریعہ ہے"

اِن ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ سخاوت اندھا دھند جود و عطا کا مظاہرہ کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ حدود کے اندر رہ کر اور اصولِ اسلامی میں عمل کر کے سخاوت کی جائے، تاکہ وہ رائیگاں نہ جائے۔ دین و دنیا میں اس کا اجر ملے۔

بیت المال اور اُس کا مصرف

عطایا کے سلسلہ میں آپ کے رویۂ مساوات پر بہت لوگوں نے اعتراض کیا اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر یہ مال میرا (ذاتی) مال ہوتا تب بھی میں اسے (لوگوں میں) برابر تقسیم کرتا۔ (پھر تقسیم میں امتیاز کیونکر رکھ سکتا ہوں) جب کہ یہ مال میرا (ذاتی) نہیں۔ بلکہ مالِ خدا ہے"۔

آگاہ ہو جاؤ کہ کسی غیر مستحق کو (بیت المال سے) روپیہ دینا، ناروا، اور اسراف ہے۔ اور یہ (اسراف) وہ چیز ہے کہ مُسرِف کو دنیا میں بلند اور آخرت میں پست کر دیتا ہے۔ درمیان مردم اسے گرامی قدر بنا دیتا ہے، اور خدا کی نظر میں اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے، اور جو شخص اپنا مال، بے جا صرف کرتا ہے اور

غیر مستحق کو دیتا ہے، اسے خدائے تعالیٰ اس کی سپاس گزاری سے محروم کر دیتا ہے۔"

امر واقعہ یہ ہے کہ بیت المال کے سلسلہ میں اسلام کا اصول بے حد سخت ہے اس میں کسی طرح کی لچک نہیں ہے۔ خلیفہ یا امیر اس کا امین ہے، نائب اور مختار نہیں، اسے وہ صرف ان امور میں خرچ کر سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان حدود کو نظر انداز کر دینا احکام خدا و رسولؐ سے رو گردانی کرنا ہے، اور یہ چیز ملوک و سلاطین کے لیئے تو زیب دیتی ہے، لیکن ایک مرد مومن، ایک عبد صالح اور ایک خلیفۃ الرسولؐ کے لیئے زیب نہیں دے سکتی۔

ایک اور موقع پر ان جاگیروں کے بارے میں جو غیر مستحقوں کے قبضہ میں تھیں فرمایا:۔

"خدا کی قسم اگر میں دیکھتا کہ (ان زمینوں کی آمدنی سے) عورتوں کی شادیاں کی گئی ہیں، لونڈیوں کو خریدا گیا ہے، تو بھی بلا شبہ، میں انہیں واپس لے لیتا۔
کیونکہ عدل اور انصاف کے معاملہ میں بڑی وسعت ہے۔
اور جو شخص عدل و انصاف کے معاملہ میں دل تنگ ہوتا ہے۔
تو پھر ظلم و جور کا معاملہ تو اسے تنگ دل تر بنا دے گا۔

رواداری اور وسعتِ قلب

ابن عباس کے نام عتاب نامہ

قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں میں جب جنگ جمل برپا ہوئی تو حضرت علیؓ کے بجائے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا ساتھ دیا، پھر جب حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہو گئی، اور بصرے کی گورنری پر آپ کے ابن عم حضرت ابن عباسؓ فائز ہوئے تو انہوں نے جوش غضب میں بنو تمیم کو معتوب قرار دیا اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔

یہ خبر جب امیر المومنینؓ کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ بنو تمیم نے کس کا ساتھ دیا تھا، یہ دیکھا کہ یہ اپنے خدمات اور کارناموں کے اعتبار سے کس سلوک کے مستحق ہیں۔ چنانچہ ابن عباس کو لکھا:۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ اے عبداللہ تو بنی تمیم کے مقابلے میں شیر بن گیا ہے اور ان پر تیری سختیاں جاری ہیں۔ حالانکہ بنی تمیم وہ ہیں کہ ان کا ایک ستارہ ڈوبتا ہے تو دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے، جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ان سے کوئی پیش نہ پا سکا۔ پھر ہم سے ان کا رشتہ قریبی ہے، تعلق نزدیک کا ہے۔ ہم اس رشتے کو جوڑیں گے تو ثواب پائیں گے، کاٹیں گے تو گناہگار ہوں گے۔ لہٰذا ابن عباسؓ خدا کی رحمت ہو تم پر! اپنی زبان سے اور ہاتھ سے خیر و شر میں ہوشیار رہ کیونکہ تو میری طرف سے حاکم ہے اور تیرے کاموں کی ذمہ داری مجھ پر بھی ہے میرے حسن ظن کے مطابق ثابت ہو۔ تجھ سے میرا حسن ظن کمزور نہ پڑنے پائے۔

خوارج کے ساتھ حسن سلوک

خوارج آپ کے بدترین دشمن تھے، لیکن ان کے ساتھ بھی آپ نے زیادہ سے زیادہ

نرمی کا رویہ اختیار کیا۔ اور جب تک بار بار اتمام حجت نہ کر لیا، ان کے خلاف صف آرا نہ ہوئے، چنانچہ آپ نے معقل کو ایک تحریر بھیجی کہ یہ باغیوں کو سنا دی جائے۔

"اللہ کے بندے علی امیر المؤمنین کی طرف سے اُن سب مسلمان، مومنوں، خارجیوں عیسائیوں، مرتدوں کے نام، جن کے سامنے یہ تحریر پڑھی جائے۔ سلامتی ہو اُن پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ، رسولؐ، کتاب اور آخرت کی زندگی پر ایمان لائے۔ جنہوں نے اللہ سے اپنا عہد پورا کیا اور خیانتوں سے دور رہے۔

"اما بعد میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف بلاتا اور اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے بارے میں حق پر چلوں گا اور خدا نے جو حکم اپنی کتاب محکم میں دیا ہے اس پر عمل کروں گا پس تم میں سے جو کوئی اپنے پڑاؤ پر لوٹ جائے گا اپنا ہاتھ روک لے گا اور اس خارجی سے الگ ہو جائے گا جس نے اللہ سے رسولؐ سے مومنوں سے لڑائی مول لے رکھی ہے اور زمین میں فساد پھیلا دیا ہے اس کے لیئے امان ہے لیکن جو کوئی اس خارجی کا ساتھ دے گا۔ اس کے مقابلے میں ہم اللہ سے مدد کے طالب ہوں گے اور اللہ مدد کے لیئے بہت کافی ہے"۔

"تلوار کا زخم اور بات کا گھاؤ"

غیبت، بدگوئی، سازش، چغل خوری، یہ عادتیں لوگوں میں کچھ اس طرح استوار ہو گئی ہیں کہ فطرت ثانیہ بن گئی ہیں۔ لیکن اسلام ان سے روکتا ہے، ایک خطبہ میں اسی طرف متوجہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"اے لوگو!

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں جانتا ہے کہ دین کے بارے میں (اس کے اعتقادات) محکم اور استوار ہیں اور گفتار و کردار میں راہ راست پر گامزن ہے اس کے بارے میں گفتار مردم (بدگوئی، اور غیبت) پر کان نہ دھرے"۔

تیرانداز جب تیر چلاتا ہے تو اُس کا تیر کبھی خطا بھی ہو جاتا ہے لیکن کلام کا تیر بے تحاشا ہوتا ہے کلام باطل مہلک ہوتا ہے اور بیشک خدا ہر چیز کا دیکھنے والا، اور ہر بات کا سننے والا ہے!

یاد رکھو حق و باطل کے درمیان صرف چار انگلیوں کا فاصلہ ہے۔

امیرالمومنین سے اس بات کا مطلب دریافت کیا گیا، آپ نے اپنی انگلیاں ملا کر آنکھ اور کان کے درمیان رکھیں اور فرمایا باطل و نادرست یہ ہے کہ تم کہو:۔ "یہ بات میں نے (کسی سے) سُنی ہے!" اور حق و درست یہ ہے کہ تم کہو "یہ بات میں نے (خود اپنی آنکھوں سے) دیکھی ہے"۔

ارشاد حکیمانہ

اسی طرح ایک اور موقع پر انہی امور کو زیر بحث و گفتگو لاتے ہوئے فرمایا:۔

"جو لوگ معاصی سے دور ہیں (گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے) اور خداوند نعمت نے جنہیں گناہوں سے پرہیز کی نعمت بخشی ہے، اُن کے لیے سزاوار یہ ہے کہ ان لوگوں پر، جو گناہ گار ہیں اور جن کا شمار اہل ذنوب و معصیت میں ہے، ان پر رحم کریں (ان کی غیبت نہ کریں، اُن پر بہتان نہ باندھیں، بلکہ اسلوب مناسب، انہیں راہِ ہدایت کی طرف مائل کریں) اور سزاوار ہے کہ شکر و سپاس گزاری ان پر غالب رہے۔ (یعنی اس امر کا شکر کہ وہ خود گناہ نہیں کرتے، اور اس امر کی سپاس گزاری کہ دوسرے گناہگاروں کی غیبت نہیں کرتے) وہ عیب چین جو اپنے بھائی کی مذمت کرتا ہے، کیا یہ ان گناہ گاروں کی غیبت کرنا ہے جن سے بڑھ کر اس نے خود گناہ کیے اور خدا نے اُن کی پردہ پوشی فرمائی؟

اے خدا کے بندو!

کسی کے گناہ کے باعث اس کی عیب چینی نہ کرنا، شاید (توبہ و استغفار اس نے کرلیا ہو، اور خدا نے) اس کے گناہ کو بخش دیا ہو، تو اپنے نفس سے گناہ صغیرہ پر بھی آسودہ اور ایمن نہ رہ (چھوٹے گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھ) ممکن ہے اس کے باعث

تو گرفتارِ عذاب ہو جائے، اور تم میں سے جو شخص کسی کے عیب سے واقف ہے
اُسے چاہیئے کہ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے، اس کی غیبت سے باز رہے، اور خدا
کا شکر کرے کہ اس گناہ سے مجتنب ہے، جس میں دوسرا مبتلا ہے۔

جو کہو وہ کرو بھی!

ایک اور خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا :۔

فساد و تباہ کاری نمایاں ہو چکی ہے، (معروف منکر بن گیا ہے، اور منکر معروف)
پس کوئی نہیں جو اسے ناپسند کرے، اسے بدل ڈالے نہ کوئی منع کرنے والا ہے کہ
اس سے منع کرے اور روکے، اور اس رویہ پر تمنا یہ ہے کہ جنت ملے، جوارِ رحمت
خدا حاصل ہو، اور خدا کے ارجمند ترین دوستوں میں شمار ہو؟

تمہارا اندیشہ و فکر کس قدر بعید اور نادرست ہے! (ہیہات)!
خدا کی بہشت میں جانے کے لیئے (کردار زشت کے ساتھ اور اسے رحیم
کریم) کہہ کر تم اسے دھوکہ نہیں دے سکتے، اس کی رضا اور خوشنودی صرف طاعت
اور بندگی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، خدا اس شخص پر لعنت کرے جو معروف کا
حکم دیتا ہے، اور خود اس پر عمل نہیں کرتا۔ جو منکر سے منع کرتا ہے، اور خود
کا ارتکاب کرتا ہے،

جنگ و پیکار

آدابِ حرب ۔ اصولِ رزم ۔ اِتمامِ حجّت

دعوتِ جنگ کا جواب

امیر معاویہؓ نے جب حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کے لیئے آمادہ ہو گئے، بلکہ اعلانِ جنگ کر دیا، اس وقت، امیر المومنینؑ نے۔ جن کی مہارتِ جنگ ایک مسلم حقیقت ہے۔ جن کے جہاد وقتال کی معرکہ آرائیوں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں، جن کی داستانِ فتحِ خیبر روایات واحادیث کی کتب میں موجود ہے، جنہوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو جن سے عرب خائف اور ترساں تھے آن کی آن میں دو نیم کر دیا، امیر معاویہ کی اس دعوتِ جنگ کو فوراً قبول نہیں کر لیا۔ بلکہ تحمل سے کام لیا، اور اتمامِ حجت کے بعد اس چیلنج کو منظور کرتے ہوئے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا، تحریر فرمایا۔

"اے معاویہ! یہ تو بتاؤ تم رعیت کے رہبر اور امت کی حکومت کے والی کب تھے؟ نہ اسلام میں تمہیں پیش قدمی حاصل ہوئی نہ جاہلیت میں کسی بڑے شرف کے تم مالک بنے۔ اور دیکھو میں تمہیں جتائے دیتا ہوں ایسا نہ ہو کہ تم آرزو کے دھوکے میں بڑھتے چلے جا رہے ہو اور تمہارا ظاہر و باطن ایک ہو۔

اور تم نے مجھے جنگ کی دعوت دی ہے۔ بہت اچھا۔ سب لوگوں کو ایک طرف کر دو اور میرے مقابلے پر نکل آؤ ہماری فوجوں کو لڑائی سے معاف کر دیا جائے ہم تم اکیلے ہی نپٹ لیں تاکہ ظاہر ہو جائے گمراہی کس کے دل پر چھا چکی ہے اور کون نابینا ہو چکا ہے۔

کیا تم بھول گئے کہ میں وہی ابوالحسن ہوں جس نے بدر کی لڑائی میں تمہارے

نانا۔ ماموں اور بھائی کے سر اڑا دیئے تھے۔ وہی تلوار آج بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ اُسی دل کے ساتھ آج بھی دشمن کا سامنا کرتا ہوں۔ میں نے نہ اپنا دین بدلا ہے نہ نبی کو کھڑا کیا ہے۔ میں اُسی صراطِ مستقیم پر استوار ہوں، جسے تم اپنی مرضی سے چھوڑ چکے ہو اور جس پر اپنے دل کی ناراضی سے قائم ہوئے تھے۔

اور تم نے دعوٰی کیا ہے کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے اُٹھے ہو۔ مگر تمہیں خوب معلوم ہے کہ عثمانؓ کا خون کس جگہ ہے۔ اگر واقعی اسی خون کے طالب ہو، تو وہاں طلب کرو۔ جہاں وہ ہے لیکن میں کچھ اور ہی دیکھ رہا ہوں کہ جب جنگ تمہیں اپنے دانتوں سے کاٹنے لگے گی تو تم بوجھل کے اونٹ کی طرح چیخ اُٹھو گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے آدمی تلواروں کی تابڑ توڑ مار سے جنمی موت سے اور کشتوں پر کشتوں کے نظارے سے کانپ کر مجھے کتاب اللہ کی طرف پکارنے لگیں گے۔ حالانکہ وہ کتاب اللہ کے منکر ہو چکے ہیں۔ اپنی بیعت توڑ چکے ہیں۔

آداب و اصول جنگ

امیر المومنین نے شام پر حملہ کے لیئے معقل بن قیس کو ایک دستہ سپاہ کا سردار بنایا اور انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :۔

خدا سے ڈرتے رہنا، اس سے ملنا لازمی ہے اور اس کے سوا کہیں تمہارا سفر ختم ہونے کا نہیں۔ اسی سے لڑنا جو تم سے لڑے۔ دونوں ٹھنڈے وقت کوچ کرنا، دوپہر کو پڑاؤ کرنا، اور شروع رات میں نہ چلنا۔ کیونکہ خدا نے رات سکون و قیام کے لیئے بنائی ہے۔ سفر کے لیئے نہیں۔ تمہیں اپنے جسم کو بھی آرام دینا چاہیئے اور اپنی سواری کو بھی۔ پھر جب پَو پھٹے اور صبح ہو تو برکت الٰہی کے ساتھ کوچ کرنا اور جب دشمن کا سامنا ہو تو اپنے ساتھیوں کے بیچ میں ٹھہرنا دشمن کے نزدیک نہ ہو جانا کہ معلوم ہو کہ لڑائی شروع ہی کر دو گے اور نہ اتنے دور رہنا کہ شک

گذرے جنگ سے جی چرا رہے ہو۔ میرے حکم کا انتظار کرنا۔ عداوت تمہیں لڑائی پر شروع کرنے پر آمادہ نہ کر دے مگر ہاں یہ کہ دعوت دے کر عذر کا دروازہ ان پر پہلے بند کر چکے ہو۔"

اِس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ :۔

(۱) خوفِ خدا کو اپنا رہنما بنانا چاہیئے۔

(۲) جنگ اس سے کرنی چاہیئے جو آمادہ جنگ ہو،

(۳) جنگ کی بنیاد ذاتی دشمنی نہ ہونی چاہیئے،

(۴) جنگ سے پہلے اتمامِ حجت لازمی ہے،

اپنی سپاہ کو نصیحت

اِسی طرح جنگ صفّین کے موقع پر بھی آپ نے نصیحت کرتے ہوئے اپنی سپاہ سے فرمایا :۔

"لڑائی میں پہل نہ کرو۔ دشمن کو آغاز کرنے دو۔ اِس لئے کہ تم بحمداللہ حق و حمایت پر استوار ہو، اُن کے حملے سے پہلے تمہارا حملہ نہ کرنا ان پر تمہاری طرف سے ایک اور حجت ہو جائے گا۔ اگر بحکمِ خدا دشمن کو شکست ہو تو نہ بھاگنے والے کو قتل کرنا۔ نہ ہتھیار ڈال دینے والے کو۔ نہ کسی زخمی کو مارنا۔ نہ کسی عورت کو ستانا۔ اگرچہ وہ تمہیں گالیاں دیں اور تمہارے افسروں کو کوسیں۔ عورتیں کمزور ہوتی ہیں اپنے جسم میں بھی نفس میں بھی، ہمیں عورتوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا، حالانکہ وہ مشرک تھیں۔ جاہلیت میں بھی۔ اگر کوئی آدمی عورت کو پتھر یا لاٹھی سے مار دیتا تھا تو خود بھی رسوا ہو جاتا تھا اور اُس کی نسلوں کو بھی نام دھرا جاتا تھا۔

امیر معاویہ کے نام ایک اور مکتوب

جنگ صفّین ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے اتمامِ حجت کے لیئے امیر

معاویہ کو ایک اور مکتوب لکھا، اور فرمایا :-

"خدا کے ایسے بندے بھی موجود ہیں جو تنزیل پر ایمان لائے، تاویل کی معرفت سے شاد کام ہوئے۔ تفقہ فی الدین کی نعمت سے سرفراز کیئے گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے۔

اس زمانے میں تم رسولؐ کے دشمن تھے، کتاب اللہ کی تکذیب کرتے تھے مسلمانوں سے جنگ پر تلے ہوئے تھے۔ جس مسلمان کو پاجاتے تھے قید کرتے تھے، عذاب میں مبتلا کرتے تھے یا قتل کر ڈالتے تھے۔ پھر مشیت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ دین حق غالب ہو جائے اور وہ غالب ہو گیا۔ عرب جوق جوق اس میں داخل ہو گئے۔ تم ان لوگوں میں سے تھے جو طمع یا خوف سے اسلام لائے۔ اور یہ بھی اس وقت جب سبقت لے جانے والے سبقت لے جا چکے تھے، اور مہاجرین اولین اپنے فضل سے شاد کام ہو چکے تھے۔

پس مناسب نہیں کہ جسے دین میں ان کی جیسی سبقت اور اسلام میں ان کی سی فضیلت حاصل نہیں وہ حکومت و خلافت کے معاملے میں ان کا حریف بنے، اس کہ یہ چیز انہی کے لیے خاص ہے، انہی کا حق ہے اور جو کوئی حریف بنتا ہے ظالم و جفا کار ہے۔ عقلمند کو چاہیئے کہ جس منصب کا اہل نہیں ہے، اُسے طلب کر کے اپنے آپ کو بدبختی میں نہ ڈالے۔ اس اُمت میں خلافت کا سب سے زیادہ حق دار پہلے بھی اور اب بھی وہ ہے جو رسولؐ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ کتاب اللہ کا سب سے زیادہ عالم ہے۔ دین کا سب سے زیادہ فقیہہ ہے۔ اسلام میں سب پر اولیت رکھتا ہے۔ جہاد میں سب سے پیش پیش رہا ہے اور حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا سب سے زیادہ اہل ہے۔

لہٰذا خدا سے ڈرو جس کی طرف لوٹ جانا ہے، حق کو باطل سے نہ ملاؤ۔ جان لو

کر حق کو نہ چھپاؤ۔ اور جان لو کہ خدا کے بہترین بندے وہ ہیں جو جہل کی راہ سے اہلِ علم کے ساتھ جھگڑتے ہیں۔ عالم کے لیئے اس کا علم فضیلت ہے اور جاہل عالم سے جھگڑا کر کے اپنے جہل میں اور بھی اضافہ کر لیتا ہے۔

اور دیکھو میں تمہیں اللہ کی کتاب، اس کے نبی کی سنت کی بنار پر خونریزی موقوف کرنے کی دعوت دیتا ہوں، قبول کرو گے تو رشد و ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ گے لیکن اگر جھوٹ اور اس امت کی پراگندگی ہی کا فیصلہ کر چکے ہو تو خدا سے اور بھی دور ہو جاؤ گے اور تم پر خدا کا غصہ اور زیادہ سخت ہو جائے گا۔

امیر معاویہؓ نے اس خط کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا ؎

لیس بینی وبین قیس بن عتاب　　　غیر طعن الکلام و ضرب الرقاب

(مجھ میں اور قیس میں شکوہ شکایت نہیں رہی۔ اب ہمارا فیصلہ تلوار کرے گی۔)

امیر المومنینؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔

(یعنی تم اسے راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے جسے پسند کرتے ہو، اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔)

رسوم جنگ

یہ امیر المومنینؑ کا وہ خطبہ ہے جس سے رسومِ جنگ پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی پڑتی ہے اس لیئے اس کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"(میدانِ جنگ میں) جو زرہ پوش ہیں، انہیں آگے بڑھاؤ اور جو بے زرہ ہیں انہیں عقب میں رکھو، اور دانتوں کو مضبوطی سے جما لو۔ کیونکہ میدانِ کارزار میں استقامت و ثابت قدمی کے طفیل تلواریں سر سے دور چلی جاتی ہیں، نیزوں کے

اطراف میں پیچ و خم کے ساتھ لپیٹے رہو، کیونکہ اس طرح سے نیزہ بازی کرنا موثر تر ہے نگاہیں نیچی رکھو (ہر طرف پھیلا کر نہ دیکھو) کیونکہ آنکھوں کا نیچا رکھنا قوت قلب کی بسیاری اور دل کی آرامی کا باعث ہے، آوازوں کو خاموش کر دو (غوغا آرائی نہ کرو) کیونکہ متانت و آرامی (ہر چیز کے) خوف ترس کو دور کر دیتی ہے۔ اپنے پرچم کو اس کی جگہ سے حرکت نہ دو، اس کے دور کو خالی نہ ہونے دو، نہ اسے ہر شخص کے ہاتھ میں تھما دو، (سوا ان ولاوروں کے) جو ہر حادثہ کو روکنے کے لیئے (جان کی بازی لگا کر) کمربستہ رہتا ہو۔ جو اس کے حفاظ و نگہداری کو لازم سمجھ کر مصروف دفاع رہتا ہو۔ کیونکہ جو لوگ سختی اور بلا پر (میدان جنگ میں) شکیبا رہتے ہوں، وہی ہیں کہ اطراف پرچم کے دور سے ہٹتے نہیں، راست و چپ، اور عقب سے فریضہ نگہداری انجام دیتے ہیں، نہ یہ پیچھے ہٹتے ہیں کہ (گویا) انہیں دشمن کے حوالہ کر دیں، نہ یوں آگے بڑھتے ہیں کہ انہیں تنہا چھوڑ دیں۔

مرد کے لیئے لازم ہے کہ (کارزار میں) اس دشمن کا دفاع کرے جو اس کے روبرو ہو، (پھر اسے مغلوب کرنے یا ہلاک کرنے کے بعد (اپنے برادر ہم کار کی مدد کرے اور اپنے مدمقابل کو اپنے بھائی کے لیئے نہ چھوڑے۔ کیونکہ اس طرح اس کا حریف اور بھائی (ہم کار) کا حریف دونوں مل کر ٹوٹ پڑیں گے اور خدا کی قسم اگر تم شمشیر دنیا سے بچ گئے، تو شمشیر آخرت سے سلامت نہ رہو گے تم اشراف عرب اور کوہان بزرگ (بلند قدر) ہو بلا شبہ (جنگ سے) بھاگنا خشم خداوندی (و دوری از رحمت حق تعالیٰ) کا سبب ہے، اور ذلت و بیچارگی عار و ننگ کی ہمیشگی کا موجب ہوتا ہے اور عمر و زندگانی کی طرف فرار کرنے والا اس میں اضافہ نہیں کر سکتا، نہ فرار مانع مرگ بن سکتا ہے، خدا کی طرف جانے والا (جہاد کرتا ہوا اس تشنہ لب کے مانند ہے جو پانی پہنچ جائے جو اس نیزے کی انی کے نیچے ہے۔ آج اخیار کی آزمائش کا دن ہے۔

کی قسم میں ان سے (دشمنوں سے میدانِ جنگ میں) ملنے کا زیادہ مشتاق ہوں جتنا اشتیاق انہیں اپنے شہروں میں جانے کا ہے۔

محمد بن حنیفہ سے خطاب

جنگ جمل کے موقع پر اپنے صاحب زادے محمد بن حنیفہ کو لشکر کا پرچم دیتے ہوئے آپ نے نصیحت کی۔

"اے بیٹے پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائیں مگر تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا اپنے دانتوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے میں پیوست رکھنا۔ اپنا کاسۂ سر خدا کو عاریت دینے میں تامل نہ کرنا، زمین میں اپنے پاؤں میخ کی طرح گاڑ دینا، تمہاری نگاہوں کی زد، دشمن کے لشکر کی آخری صف پر رہے۔ اپنی نظر جھکائے رکھنا۔

اور اے بیٹے!

اس بات پر ایمان محکم رکھو کہ فتح و فیروزی صرف خدا کی طرف سے ہے۔!

ہدایاتِ نافعہ امرائے افواج کے نام

امرائے افواج کے نام حضرت علیؑ کی یہ ہدایات عہد جدید میں بھی اتنی ہی اہمیت اور نافعیت کے حامل ہیں جتنے آج سے چودہ سو برس پہلے تھیں۔ آپ نے مقدمۃ الجیش کے سرداروں کو تحریر فرمایا:

"تم پر سلامتی ہو۔ حمد الٰہی کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار زیاد بن النضر کو بنایا ہے اور شریح بن ہانی اس کے ایک حصے کا افسر ہے۔ جب تم دونوں کسی جگہ اکٹھے ہو جاؤ تو پوری فوج کی کمان زیاد بن النضر کے ہاتھ میں رہے گی اور جب الگ الگ کوچ کر رہے ہو تو شریح اپنے حصہ فوج کا امیر ہوگا۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ مقدمۃ الجیش ابر کی آنکھ ہوتا ہے اور ہراول دستے مقدمۃ الجیش کے آنکھوں کا کام کرتے ہیں۔ جب تم اپنا علاقہ پار کر کے آگے بڑھنا، تو ہراول

دستے پھیلانے، ٹیلے، درخت اور چھپنے کی جگہیں ہموار کرنے سے نہ اُکتانا تاکہ دشمن تم پر اچانک ٹوٹ نہ پڑے، یا کسی کمین گاہ سے چھاپہ نہ مار دے۔

اور دیکھو صبح سے شام تک پوری فوج کو لگاتار چلاتے رہنا، بلکہ اس طرح کوچ کرنا، کچھ فوج پیچھے رہے اور کچھ آگے بڑھتی جائے یہ اس لیئے کہ اگر دشمن اچانک آ پڑے تو تم آسانی سے صف بند ہو کر مقابلہ کر سکو۔

جب تم دشمن کے سامنے اترو یا دشمن تمہارے سامنے اُترے تو اپنا پڑاؤ ہمیشہ بلندیوں کی طرف پہاڑ دامنوں میں اور ندی نالوں کے درمیان رکھنا تاکہ یہ موقعہ تمہارے بچاؤ کا کام دے اور تمہاری لڑائی ایک یا دو طرف سے ہو، تمہارے پاسبان دستے پہاڑی چوٹیوں، نشیبوں، ندی نالوں کے اطراف میں ضرور پھیلے رہیں تاکہ دشمن پر نگاہ رہے اور وہ کسی طرف سے تم پر ناگہانی حملہ نہ کر سکے۔

خبردار بعیٹ کر پڑاؤ نہ ڈالنا۔ جب اُترو اور جب کوچ کرو، اور دیکھو جب رات ہو جائے پڑاؤ کو چاروں طرف سے تیروں اور ڈھالوں سے گھیر دینا۔ تمہارے تیرانداز برابر اپنی سپروں کے پیچھے موجود رہیں اور نیزے اُن سے ملے رہیں جب تک ٹھہرو اسی طرح ٹھہرو تاکہ غفلت سے نقصان نہ اُٹھاؤ اور شب خون کا شکار نہ بن جاؤ۔ یاد رکھو جس کا پڑاؤ نیزوں اور ڈھالوں سے گھرا ہوتا ہے فوج قلعے میں محفوظ ہوتی ہے اور دیکھو تم دونوں بذات خود پڑاؤ کا پہرہ دیا کرنا خبردار صبح تک سو نا نہیں اِلّا یہ کہ یونہی جھپکیاں لے لو۔ تمہارا وطیرہ یہی رہے۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے سامنے پہنچ جاؤ۔

اور دیکھو تمہاری خبریں اور قاصد روز میرے پاس پہنچیں۔ میں ان شاءاللہ تیزی سے تمہارے پیچھے دھاوا کرتا رہوں گا ہمیشہ سوچ سمجھ سے کام لینا جلد بازی کا شکار نہ بن جانا۔ دشمن پر اپنی حجت قائم کر چکنے کے بعد کسی موقع سے فائدہ اُٹھا لینے کی تمہیں اجازت ہے، خبردار جب تک میں آ جاؤں لڑائی شروع نہ کرنا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم پر حملہ ہو جائے یا لڑائی شروع کرنے کا میں خود حکم بھیج دوں۔

وحدتِ ملّی

ابوسفیان کی پیش کش کا جواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے کنارہ فرمایا۔!

مسلمانوں پر یہ بڑی کٹھن اور آزمائش کی گھڑی تھی، اگر وہ ذراسی غلطی بھی کر بیٹھتے تو قیامت تک کے لیئے خدانخواستہ اسلام ختم ہو جاتا۔!

اس موقع پر سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر انصار اور مہاجرین نے بیعت کرلی، اس مشورے میں حضرت علیؑ اور خاندانِ رسولؐ کے دوسرے افراد شریک نہیں تھے کیونکہ وہ تجہیز وتکفین رسولؐ میں مصروف تھے۔!

ابوسفیان زندگی بھر اسلام کی بیخ کنی میں سب سے نمایاں حصّہ لیتا رہا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حالات سے مجبور ہوکر اُس نے اسلام قبول کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت عمرؓ اس کے قتل پر مصر اور بضد تھے۔ لیکن حضرت علیؑ کے باعث اس کی جان بچ گئی۔ اب وفاتِ رسولؐ کا سانحہ سامنے آیا، اور اس نے عباس بن عبدالمطلب کو ابھارا کہ خلافت بنو ہاشم سے نکلی جارہی ہے، چلیئے علیؑ کے پاس چلیں اور اُن کی بیعت کرلیں، آپ عمِ رسولؐ ہیں اور قریش میری سنتے ہیں، علیؑ کی خلافت کے بعد جو ہمارے راستے میں آیا اُسے کچل دیں گے۔

حضرت عباس نیم رضامند ہو گئے۔ مگر حضرت علیؑ نے ان مضمرات کو سمجھ لیا جو اس پیش کش میں کام کر رہے تھے۔ آپ نے نہایت سختی کے ساتھ یہ پیش کش مسترد کردی اور اس موقع پر ایک معرکہ آرا خطبہ ارشاد فرمایا جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ وحدتِ ملی آپ کو کس درجہ عزیز تھی۔ آپ نے فرمایا:

اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو، نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ، منافرت کی راہ چھوڑ دو اور تفاخرت اور بزرگی کے تاج سر سے اُتار کر زمین پر پھینک دو۔ جو پر و بال (یار و یاور) کے ساتھ اُٹھا، وہ کامیاب ہوا، جس نے حالات کو ان کے حال پر چھوڑا، اس نے راحت پائی، یہ (ذمہ داری) تو وہ لقمہ ہے کہ جس کے کھانے سے اچھّو ہو جاتا ہے، جو خلافت کی میوہ چینی کرتا ہے، وہ غیر کی زمین پر زراعت کرتا ہے۔ میں اگر اب خلافت کے بارے میں کچھ کہوں تو لوگوں کو کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ امارت کی حرص ہے۔ اور اگر خاموش رہتا ہوں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہیں گے کو مرنے سے اور جان دینے سے ڈرتا ہوں، ہیہات، — میں چھوٹے بڑے ہر طرح کے مصائب جھیل چکا ہوں — خدا کی قسم ابو طالب کا بیٹا موت سے اتنا ہی مانوس ہے جتنا ایک طفل شیر خوار پستانِ مادر سے اُنس رکھتا ہے — نہیں یہ بات نہیں میرے سکوت اور خاموشی کا راز) وہ اسرار ہیں کہ جو کچھ جانتا ہوں، اگر اُسے افشا کر دوں، تو، تم یوں لرزنے اور کانپنے لگو گے، جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور کانپتی ہیں!

استدراک!

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، جب سقیفہ بنی ساعدہ میں، انصار و مہاجرین کے مابین امامت اور خلافت کے سلسلہ میں کشمکش شروع ہوئی، یہ وہ وقت تھا کہ، آں حضرتؐ کی تدفین و تکفین ابھی عمل میں نہیں آئی تھی، نعش مبارک حجرۂ نبوی میں تھی، اور حضرت علیؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار وہیں موجود تھے، اور اس ساری کارروائی سے قطعاً ناواقف اور بے خبر، یہ صحیح ہے کہ حالات نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی تھی، انصار کا اصرار تھا کہ امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور مہاجرین کی طرف سے انکار تھا، اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ تدفین رسولؐ سے پہلے

مسلمانوں میں تلوار نہ چل جائے، ایسے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بیان کیئے اور فوراً دستِ بیعت اُن کی طرف بڑھا دیا، یہ ایسا نفسیاتی اقدام تھا کہ حاضرین میں سے پھر کوئی بھی الگ نہ رہ سکا، سب نے بیعت کر لی، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واقعہ تھا کہ اس موقعہ پر کئی جلیل القدر صحابہؓ، متعدد اصحاب حل و عقد اور تھا نہ بنوت کے افراد موجود نہیں تھے۔

قدرۃً یہ بات بنو ہاشم کو ناگوار گزری، ابوسفیان نے عم رسول حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو راضی کیا کہ وہ حضرت علیؓ کو آمادہ کریں کہ وہ امارت قبول کر لیں یہ اطمینان دلایا کہ میں قریش پر اثر رکھتا ہوں، اس اثر سے کام لوں گا، جو سر اٹھائے گا کچل دیا جائے گا، حضرت علیؓ کو اگر امامت کی طمع ہوتی تو بیشک وہ تیار ہو جاتے اور بڑی آسانی سے خلافت کا مطالبہ کر کے، ایک جنگ مسلمانوں میں چھیڑ دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوتِ ایمانی اور بصیرت سے اندازہ کر لیا کہ اگر یہ بات مان لی گئی تو اس کے اثرات و نتائج کیا ہوں گے؟ چنانچہ ہر قسم کی پشت پناہی کے باوجود، آپ نے یہ استدعا قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور کسی قیمت پر بھی تفریق بین المسلمین پر راضی نہ ہوئے۔ یہ حضرت علیؓ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔!

چنانچہ اس موضوع پر، وقت کے محتاط مؤرخین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی، مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق

کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے، باہم دست و گریباں ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے آسمان اسلام پر ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے جنھوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفۂ بنی ساعدہ پہنچے انصار نے دعوےٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان وقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے۔ اس پر حضرت خباب بن المنذر انصاری بول اٹھے نہیں خدا کی قسم نہیں! ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا:

"صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی تعلقات کے باعث ان آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، یہ دیکھو ابو عبیدہ ابن الجراح اور عمر بن خطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔"

لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لیئے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رک گیا اور لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہوئے گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گئے، تاہم حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب وغریب مباحث پیدا کر دیئے ہیں جن کی تفصیل کے لیئے اس اجمال میں گنجائش نہیں ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے مخصوص تعلقات کی بناء پر خلافت کے آرزومند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں تاہم ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا اس لیئے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو، اس بنا پر دیکھنا چاہیئے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی وجہ کیا بیان کی ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے:۔

عن محمد بن سیرین قال	محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابو بکرؓ کی
لما بویع ابوبکر ابطأ علی فی بیعته	بیعت کی گئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے
وجلس فی بیته قال فبعث الیه	ابو بکر نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا
ابوبکر ما ابطأ بك عنی اکرهت	سبب ہے کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟
امارتی قال علی ما کرهت امارتك	علیؓ نے کہا میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن
ولکن آلیت ان لا ارتدی ردائی	میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں نماز کے

الا الی صلوٰۃ حتی اجمع القرآن ۔۔۔ سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں (جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا) خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا، اس لیئے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے محض اُن کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو چنانچہ جب اُن کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر کو تنہا بلا کر اُن کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جواب دیا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے طرز عمل سے سر مو انحراف نہیں کیا، غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابو بکر نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔"

(خلفائے راشدین مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

جب وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہونے لگی

لیکن وحدت ملی پارہ پارہ ہونے لگے تو اُس وقت میدان میں اُتر آنا ہی و...

ملی کا سب سے کامیاب نسخہ ہے، آپ نے فرمایا:۔

"میں دین (اسلام) کی یاری کے لیئے کھڑا ہوا، جب مسلمان ضعیف و ناتواں نظر آئے، میں نے خود کو آشکار کیا۔"

جب وہ درماندہ نظر آئے میری گویائی ابھر آئی ـــ جب وہ حیران و سرگرداں کھڑے تھے میں نورِ حق کی روشنی میں (علم کے راستوں سے) گزر گیا۔

میں ان میں سب سے زیادہ نرم آواز، اور بلند تر تھا بس میں نے زمام فضائل ہاتھ میں لی اور میں پرواز کناں کامیاب و کامران رہا۔ میں اس پہاڑ کے مانند ثابت قدم رہا، جسے بادِ تند جنبش نہ دے سکی، نہ آندھیاں اسے اپنی جگہ سے ہٹا سکیں۔

نہ میرے عیب و نقص پر کسی کے لیئے مذمت کی گنجائش تھی، نہ کسی کہنے والے کے لیے عیب جوئی کا موقع۔

ذلیل و ستم کشیدہ، میرے نزدیک عزیز وار جمند ہے، تا آنکہ اس کا حق (ظالم سے) واپس لے لوں۔

اور قوی و ستمگر میرے نزدیک ناتواں ہے تاوقتیکہ حقِ (مظلوم) اس سے چھین لوں!

میں قضاء و قدرِ الٰہی سے خوشنود ہوں اور اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ پر جھوٹ بولوں گا؟ حالانکہ خدا کی قسم میں ہی وہ ہوں جس نے سب سے پہلے ان کی تصدیق کی تھی۔

پس (وفاتِ نبوی کے بعد) جو ان کی تکذیب کرے، میں وہ پہلا شخص نہیں ہو سکتا۔

میں نے اپنے معاملہ کو دیکھا (تو محسوس کیا) مجھ پر حکمِ رسولؐ کی اطاعت، اپنی

بیعت سے پہلے واجب ہو چکی ہے۔!

اور میری گردن میں دوسروں سے بر سرِ امن رہنے کا میثاق پڑا ہوا ہے۔

خود رائی اور خود سری

خود رائی اور خود سری بھی وحدتِ ملی کے لئے زہر ہلاہل ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا :۔

(جان لو کہ رسم دنیا یہ ہے کہ) خداوند سبحانہ نے گردن کشانِ روزگار کو کبھی نابود نہیں کیا، لیکن انہیں اچھی طرح ڈھیل، اور سہولت دینے کے بعد، اور اُمم (ماضیہ) میں سے کسی کی اصلاح نہیں کی مگر تنگی و رنج اور سختی کے بعد۔

جن سختیوں کو تم نے سہا ہے اور جن حوادث کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو، وہ سر موجبِ عبرت ہیں لیکن نہ ہر دل دار خردمند ہوتا ہے (کہ حقائق کو سمجھے) نہ ہر گوش شنوا ہوتا ہے کہ (کلامِ حق سُنے) اور نہ ہر چشم دار بینا ہوتا ہے (کہ حالات و حوادث روزگار سے عبرت حاصل کرے)۔

کتنی عجیب بات ہے، اور میں کیونکر ان فرقہ ہائے گوناگوں کی اشتباہ کاری اور دلائل (کی نا استواری) دور کروں، جو یہ اپنے دین کے معاملات میں رکھتے ہیں نہ یہ نبی کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، نہ وصی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں، نہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں نہ عیب سے دامن کش ہوتے ہیں مشتبہات پر عمل کرتے ہیں خواہشات کے راستے پر چلتے ہیں۔ ان کے نزدیک معروف (بہتر) وہ ہے جسے یہ سمجھیں، اور منکر (بُرا) وہ ہے جسے یہ ناپسندیدہ قرار دیں۔

مشکلات میں ان کی پناہ گاہ خود ان کی ہستی ہے، امورِ پنہاں میں انہیں اپنی رائے (نادرست) پر اعتماد ہے (گو وہ خلافِ عقل و دین ہی کیوں نہ ہو۔) گویا ان میں کا ایک فرد امر دین میں) جو کچھ دیکھتا اور سمجھتا ہے خود اپنا پیشوا ہے، کہ محکم

دلیلیں، اور اُستوار پھندے اُس کے قبضہ میں ہیں، (اس غلط روی کے ساتھ جو اجتہاد کرتا ہے، جو فتویٰ دیتا ہے، اس کے بارے میں گمان کر لیتا ہے کہ اس کا یہ اجتہاد حکمِ الٰہی کے مانند ہے۔ !

اسلام میں عوامی حکومت کے حدود

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام میں جمہوریت اور شورائیت کا گزر نہیں، آمریت، قیصریت اور بادشاہت کی کارفرمائی ہے۔ ان کے لیئے حضرت علی کا یہ مکتوب گرامی جو اُنہوں نے امرائے فوج کو لکھا تھا شمع راہ کا کام دے گا۔

"امابعد، والی کا فرض ہے کہ اگر اُسے کوئی بڑائی ملی ہے اور کوئی درجہ حاصل ہوا ہے تو اس وجہ سے رعایا کے ساتھ اپنا برتاؤ نہ بدلے، بلکہ خدا کی نعمتیں جتنی زیادہ ہوتی ہوتی جائیں اسی قدر خدا کے بندوں سے اس کی نزدیکی اور اپنے بھائیوں سے اس کی محبت و ہمدردی بڑھتی چلی جائے۔

مجھ پر تمہارا حق یہ ہے کہ جنگ کے سوا کوئی راز تم سے مخفی نہ رکھوں، حکم شرعی کے سوا سب باتوں میں تم سے مشورہ لیتا رہوں اور تمہارے کسی حق سے تمہیں محروم نہ ہونے دوں۔ اگر میں یہ سب کروں تو تم پر واجب ہے کہ احسانِ الٰہی کا شکر بجالاؤ میری فرماں برداری کرو۔ میری کسی پکار پر پیچھے نہ رہو۔ کسی بھلائی میں کوتاہی نہ کرو۔ اور حق کے نام پر مشکلات میں پھاند پڑا کرو۔ اگر تم اس مسلک پر استوار نہ ہوئے تو میری نگاہ میں تمہاری برگشتہ راہوں سے زیادہ کوئی ہلکا نہ ہوگا۔ اس کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی اور میرے پاس ہرگز کوئی رعایت نہ ہوگی۔ یہی عہد تم اپنے ماتحت سرداروں سے لو اور یہی عہد انہیں اپنی طرف سے دو۔ اس طرح تمہارے معاملات درست رہیں گے۔

حق کے معاملہ میں سب برابر ہیں

اسی طرح ایک اور موقع پر حاکم حلوان اسود بن حزیمہ کو تحریر فرمایا :-

اگر حاکم اپنی خواہشوں پر چلنے لگے تو بہت سا انصاف اس سے رہ جائے گا۔

تمہیں ایسا ہونا چاہیئے کہ حق میں سب لوگ تمہارے سامنے برابر رہیں۔ ناانصافی میں انصاف کا کوئی عوض نہیں ہو سکتا، تم ان سب باتوں سے پرہیز کرو جو تمہیں دوسروں میں بری معلوم ہوں اور خدا نے جو کچھ تم پر فرض کر دیا ہے، حتی المقدور اسے انجام دیتے رہو۔ ثواب کی امید رکھو۔ عذاب سے ڈرتے رہو۔

یاد رکھو، دنیا آزمائش کی جگہ ہے، ایک گھڑی کے لیئے بھی دنیا کے نہ ہو جانا قیامت کے دن اس گھڑی کو اپنے لیئے حسرت کی نہ بنا لینا۔ کوئی چیز بھی حق سے بے نیاز نہیں کر سکتی اور یہ حق تم پر واجب ہے کہ اپنی حفاظت کرو۔ حتی الوسع رعایا پر احتساب رکھو۔ یقین کرو اس سے رعایا کو جتنا نفع پہنچے گا۔ اس سے کہیں زیادہ تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ والسلام!

اختلافِ باہمی

اعمالِ صالحہ ثمرۂ ایمان ہیں

ایک خطبہ میں امیر المومنینؑ نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ اعمالِ صالحہ ثمرۂ ایمان ہیں، اور بندے سے اعمالِ صالحہ کا صدور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی روشنی موجود ہے۔

اور جو عمل صالح کرتا ہے، اور جس کے دل میں نورِ ایمان موجود ہے، وہ اختلافِ باہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا، ارشاد فرمایا:۔

"راہِ ایمان روشن ترین راہ ہے، چراغ سے تاباں تر، ایمان ہی کے ذریعہ کردارِ شائستہ اور عملِ صالح حاصل ہوتا ہے، اور عملِ صالح ایمانِ کامل کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ایمان سے علم و دانائی کا گھر آباد ہوتا ہے، اور علم ہی کے باعث موت کا خوف پیدا ہوتا ہے، موت کے اثر سے دنیا ختم ہو جاتی ہے، دنیا سے آخرت کی حفاظت کی جاتی ہے، بلاشبہ قیامت سے بچنے کے لیئے مخلوق کے پاس کوئی جائے رہائی نہیں (کہ سب ہی کو وہاں جمع ہونا پڑے گا) درآں حالیکہ لوگ اس میدان (قیامت) کی طرف آخری منزل تک پہنچنے کے لیئے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

(قیامت کے دن) لوگ قبروں سے باہر نکل کر، آخری منزل (بہشت یا دوزخ) کی طرف روانہ ہوں گے۔ اور ہر گھر (بہشت یا دوزخ) کے لیے اس کے اہل (مستحق) ہیں جو اسے دوسرے گھر سے بدل نہیں سکتے، (جنتی دوزخ میں، اور دوزخی جنت میں نہیں جا سکتے) اور نہ اس گھر سے باہر نکل سکتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مخلوق کے وہ دو صفات ہیں کہ خدا کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں، یہ دونوں باتیں موت سے قریب نہیں کرتیں، اور روزی کو کم نہیں کرتیں، تمہیں چاہیئے کہ کتاب خدا (قرآن) کی طرف مراجعت کرو، اس لیے کہ کتاب خدا رسن استوار ہے۔ (جو ٹوٹ نہیں سکتی) اور نور آشکار ہے، (کہ جس پر تاریکی غالب نہیں آسکتی) اور شفاء سودمند ہے، اور تشنہ علوم و معارف کے لیے) پیاس کو سیرابی ہے، جو اس سے تمسک کرے اس کے لیے حفاظت۔ جو اس سے متعلق ہو جائے اس کے لیے نجات ہے اس میں کجی نہیں کہ اسے سیدھا کیا جائے، اس میں گمراہی نہیں کہ اسے راہِ راست پر لایا جائے اور (زبانوں پر) اس کی تکرار بسیار، اور (کانوں سے) اسے زیادہ سے زیادہ سننا کہنہ نہیں کرتا، جو اس کے ذریعہ بات کرے وہ راست گو ہے، جو اس کی پیروی کرے (بہشت جاوید حاصل کرنے میں آگے نکل جائے، (یعنی نجات حاصل کرے)

فتوے دینے والے

ایک اور اہم مسئلے پر امیر المومنینؑ کے ارشادات :-

(فتوے دینے والوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ) جب ان میں کسی کے پاس کوئی مسئلہ شرعی حکم کے بارے میں آتا ہے، (تو ایک) اپنی رائے سے اس کے بارے میں فیصلہ کر دیتا ہے، بالکل یہی مسئلہ جب (کسی دوسرے کے) پاس آتا ہے، تو وہ برعکس فیصلہ صادر کر دیتا ہے، پھر یہ جملہ قاضی (فتوے دینے والے) اپنے اس امام کے پاس مجتمع ہوتے ہیں جس نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی تھی، تو وہ ان سب کی رائے کی توثیق و تائید کر دیتا ہے۔

ان کا خدا ایک ہے۔ ان کا رسول ایک ہے۔ ان کی کتاب ایک ہے۔

کیا خدا نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا جس کی یہ پیروی کر رہے ہیں؟ یا اس نے نہی کی تھی، اور اب یہ اُس کی نافرمانی پر تل گئے ہیں، یا پھر یہ بات تھی کہ (خدانخواستہ) اللہ نے اپنا دین نامکمل اُتارا تھا۔ اور اب وہ ان سے اس کی تکمیل کا طلب گار ہے؟۔ یا یہ (مفتی) خدا کے (اس کی خدائی میں) شریک ہیں، کہ جو چاہیں یہ کہیں اور اس کا (خدا کا) فرض ہے کہ وہ (ان کے کہے پر) راضی ہو جائے؟ یا پھر (ایسا تو نہیں کہ) خدا نے دین نا تمام نازل کیا! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) اس کی تبلیغ و تشریح میں کوتاہی کی، لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنی کتاب (قرآن حکیم میں) فرماتا ہے: ــــ "ہم نے قرآن میں کوئی فروگذاشت نہیں کی" ــــ یا پھر قرآن ہی میں وہ فرماتا ہے ــــ "قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔"؟ پھر قرآن ہی میں ذکر کیا ہے کہ ــــ "قرآن کے بعض حصے بعض حصّوں کی تصدیق کرتے ہیں ــــ" اور یہ کہ اس میں کسی طرح کا اختلاف (اور تضاد) نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن ہی میں فرماتا ہے ــــ کہ "اگر یہ قرآن خدا کے سوا غیر اللہ کی طرف سے آیا ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات یہ لوگ پاتے۔"

قرآن کا ظاہر دل فریب ہے، اور شگفت آور ہے اور اس کا باطن عمیق ہے، نہ اس کے عجائبات انتہا پذیر ہوں گے، اور نہ اس کے غرائب کبھی ختم ہوں گے، اور تاریکیاں اگر دور ہو سکتی ہیں تو صرف اِسی سے۔!

استدراک!

امیر المومنینؑ کا یہ خطبہ، افادی اور معنوی حیثیت سے بہت اہم ہے، یہ جتنا

اہم اُس وقت تھا، جب امیر المومنینؓ نے اسے ارشاد فرمایا تھا، اس سے زیادہ اہم اب ہے کہ جب علماء سوء نے دین اور شریعت کو، ایک مذاق بنا رکھا ہے، فتاوی کی حیثیت یہ رہ گئی ہے کہ ذاتی افکار و آراء کے تابع ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک مسئلہ کے اوپر ہر گروہ علماء مختلف الآراء ہے، کسی کی رائے کچھ ہے، کسی کی کچھ، کوئی کفر کا فتوے دینے پر تیار ہے، کوئی الحاد کا طعنہ دینے کو موجود، ہر گروہ کو اصرار ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے حق ہے، سچ ہے، اور دوسرا جو کچھ کہتا ہے غلط ہے، دروغ ہے۔ اور اس رائے پر اس شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ تفریق بین المسلمین کی مساعی کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا ہے اور پھر کفر سازی کی مشین سے دھڑا دھڑ لوگوں کے عقائد پر گولہ باری شروع کر دی جاتی ہے حالانکہ بقول امیر المومنین ہمارا قرآن ایک ہے رسول ایک ہے، شریعت ایک ہے، پھر ایک مسئلہ میں افکار و خیالات کا یہ تنوع کیا معنی رکھتا ہے؟ کھلی ہوئی بات ہے۔ یہ اختلاف شرع کی اساس پر تو نہیں ہو سکتا۔ لا محالہ اس کی بنیاد و اساس ذاتی افکار و آراء ہی پر ہو گی، اور دین کے معاملہ میں ذاتی افکار و آراء کی دخل اندازی کسی طرح بھی نہ جائز قرار دی جا سکتی ہے نہ مستحسن خیال کی جا سکتی ہے۔

اس خطبہ میں جس مسئلہ کو چھیڑا گیا ہے، وہ بہت اہم ہے۔ اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، آج مسلمانوں میں جن کا دعوی ہے کہ وہ اہل السنت والجماعت ہیں کتنے فرقے بن چکے ہیں کتنی جماعتیں عالم وجود میں آ چکی ہیں، دیوبندی کا مسلک بالکل الگ اور مستقل ہے، بریلی کا رضا خانی گروہ ایک جداگانہ حلقہ قائم کیے ہوئے ہے حضرات اہل حدیث کی جمعیۃ بھی الگ، جماعت بھی الگ، رائے ہمسئلہ، اور

فتوے بھی الگ، ندویوں کا مسلک، فرنگی محل کے اصحاب ہم کا مسلک مظاہر علوم کے ارباب کار کا مسلک، جماعتِ اسلامی کا موقف، جمعیۃ علماء کا مشرب یہ سب الگ، اور مستقل۔ اور جداگانہ حیثیات کے مالک ہیں، یہ سب دوسرے کی رائے سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ یہ اختلاف اتنا بڑھ چکا ہے کہ کفر کے فتوے پر ختم ہوتا ہے۔

اگر خدانخواستہ قرآن کی حیثیت وہ ہوتی جو انجیل کی ہے کہ
نہ ابتدار کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

یا دینی مسائل کا فتویٰ اُن برہمنوں سے لیا جاتا، جو کچھ نہیں جانتے، اور سب کچھ جانتے ہیں، جن کے پاس کوئی نص نہیں، کوئی اُسوہ نہیں، کوئی شہادت نہیں، اور پھر یہ اختلاف رونما ہوتا تو ایک بات بھی تھی، لیکن حیرت، ندامت، اور شرم کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن ہے، جس کے ایک ایک حرف پر ہم ایمان رکھتے ہیں، ہمارے پاس احادیث رسول کا ذخیرہ ہے، جس کی دینی عظمت کے ہم قائل ہیں۔ اور قرآن کے بعد اسی کو درجہ دیتے ہیں، اور یہ احادیث، ہر اعتبار سے قابلِ اطمینان ہیں، پھر بھی — ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن، ایک اسوۂ نبیؐ رکھنے کے باوجود —— ہم ایک مسئلہ کو ایسے مختلف زاویوں سے دیکھتے، اور پرکھتے ہیں کہ اختلاف رونما ہو جاتا ہے، اور وہ اختلاف بڑھتے بڑھتے اتنی نازک صورت اختیار کر لیتا ہے کہ سر پھٹول ہی شروع ہو جاتی ہے، بے اعتمادی، اور بدگمانی بھی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کے کفر و الحاد پر اصرار بھی، ایک شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے، قرآن کو خدا کی آخری کتاب مانتا ہے، محمدؐ (بآبائنا و اُمہاتنا) کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہے، شرع محمدی پر عمل کرتا ہے، پھر بھی ہم اس سے کہتے ہیں، اور دست و پا کی پوری قوت

کے ساتھ کہتے ہیں کہ نہیں تو مسلمان نہیں، کافر ہے، کشتنی اور گردن زدنی ہے، اور موقعہ ملتا ہے تو اپنے اس قول پر عمل بھی شروع کر دیتے ہیں! ——— ہم عمل کرتے ہیں اور ہمارے علماء اپنی شعلہ مقالیوں، شیوا بیانیوں، اور زورِ خطابت سے ہمیں ایسا کرنے پر اکساتے ہیں، حالانکہ اگر ہم نہیں، تو کم از کم وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر ہوں اور صرف ایک سبب اسلام کا ہو، تو ہمیں کافر قرار دینے کی ہمت نہ کرنی چاہیئے، ہماری فقہ، اور ہماری شریعت صاف بتاتی ہے. کہ اَبعد ترین تاویل سے بھی اگر کوئی فتوٰے کفر سے محفوظ رہ سکتا ہے، تو اُسے محفوظ رکھا جائے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ اَبعد ترین تاویل سے اگر کسی کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے تو بے تامل کفر کا فتوے صادر کر دیا جاتا ہے!

بالکل یہی کیفیت دوسرے فرق اسلامی کی ہے۔

کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

حدودِ اختلاف

امیر معاویہ کو جواب

امیر معاویہ نے ایک گستاخانہ خط حضرت علیؓ کو لکھا، اس میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کا بار بار ذکر کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی اشتعال قبول فرمالیں اور کوئی ایسی بات اس سلسلہ میں لکھ دیں جو ان کے خلاف استعمال کی جا سکے۔

اس خط کے جواب میں حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو لکھا:۔

"تمہارا خط پہنچا۔ تم نے لکھا ہے کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دین کے لیے منتخب فرمایا اور صحابہ نے رسولؐ کی تائید کی، واقعی زمانہ تمہاری جھولی میں ہے، ہمارے لیے عجائبات پر عجائبات نکالتا چلا جاتا ہے، یہ تم ہم کو جتا رہے ہو کہ خدا نے کس طرح ہماری آزمائش کی اور ہمارے نبی کی بدولت ہم پر کتنا بڑا احسان کیا، تم ویسے ہو گئے جیسے کوئی اپنے استاد کو تیر اندازی کے مقابلہ کی دعوت دینے لگے!

تم نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں فلاں لوگ ہیں، یہ دعویٰ ایسا ہے کہ پورا اترے تو تم سے بالکل دور رہے گا اور پورا نہ اترے اس سے تمہیں نقصان نہ پہنچے گا۔ تمہیں اس سے کیا مطلب کہ افضل کون ہے اور غیر افضل کون؟ رہبر کون ہے اور پیرو کون؟ طلقاء اور اولاد طلقاء کو مہاجرین اولین میں تمیز کرنے اُن میں درجے مقرر کرنے ان کے طبقے ٹھہرانے سے کیا سروکار؟ ہیہات! ایسا تیر بنایا ہے جو سب تیروں سے الگ ہے، اور فیصلہ کرنے وہ بیٹھا ہے جو خود ہی مجرم ہے۔

اے انسان! کیا تو اپنی حد پر نہیں رکے گا۔ اپنی کوتاہ دستی کو نہیں جانے گا

اور اس پیچھے کی جگہ پر ہٹ نہیں جائے گا۔ جہاں مقدر تجھے ہٹا چکا ہے؟ تجھے اس سے کیا کہ مغلوب کیسے مغلوب ہوا اور فاتح کی فتح کیسی رہی؟

معاویہ! تم گمراہی میں دوڑے چلے جا رہے ہو اور راہِ اعتدال سے بدک کر دور نکل گئے ہو۔ تم دیکھتے نہیں ـــــ تمہیں سُنا نہیں رہا ہوں بلکہ اللہ کی نعمت کا چرچا کر رہا ہوں۔ کہ بہت سے مہاجر اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے فضیلت ہے، لیکن جب ہمارا آدمی (حضرت حمزہ) مارا گیا تو فرمایا گیا "سید الشہداء" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ خصوصیت بخشی کہ اس کی نماز جنازہ ستر تکبیروں کے ساتھ پڑھی!

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ لوگوں کے ہاتھ خدا کی راہ میں کاٹے گئے ان میں سے ہر ایک کے لئے فضیلت ہے۔ لیکن جب یہ معاملہ ہمارے آدمی کے ساتھ پیش آیا تو ارشاد ہوا "طیار جنّت" اور "ذوالجناحین"! (حضرت جعفر طیار)

اور اگر خدا نے منع نہ کر دیا ہوتا کہ آدمی خود اپنی بڑائی کرے تو بیان کرنے والا بہت سے فضائل بیان کرتا۔ یہ فضائل وہ ہیں، جن سے مومنوں کے دل مانوس ہیں اور جن کے سننے سے کسی کے کان بیزار نہیں ہوتے۔

لہٰذا تم اپنی اس گمراہی سے باز آجاؤ۔ ہم تو وہ ہیں جنہیں ہمارا پروردگار اپنا چکا ہے اور باقی سب ہم ہی سے ہیں۔

تم نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ہماری عزت کتنی پرانی ہے اور تمہارے خاندان پر ہماری برتری کتنی مشہور ہے۔ اس پر بھی ہم نے تمہیں موقع دیا کہ ہم سے گھل مل جاؤ تم سے بیاہ شادی کا رشتہ بھی جوڑ لیا[1]۔ بالکل برابر والوں کا برتاؤ۔ حالانکہ تم برابر

---

[1] خاندان بنی امیہ سے جن رشتہ داریوں کی طرف امیر المؤمنین نے اشارہ کیا ہے یہ ہیں:۔ رسول اپنی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم، عثمان بن عفان بن ابی العاص سے بیاہیں اور تیسری (باقی بر صفحہ

نہ تھے، ہوتے بھی کیسے ؛ جب کہ ہم میں اللہ کا نبی ہے اور تم میں مکذب[۱]۔ ہم اسد اللہ اور تم میں اسد الاحلاف[۲]۔ ہم میں سید اشباب اہل الجنۃ[۳] اور تم میں صبیۃ النار[۴]۔ ہم میں افضل ترین خاتون[۵] ہے اور تم میں حمالۃ الحطب[۶]۔ کہاں تک بتایا جائے ! ہر بات ہمارے حق میں اور ہر بات تمہارے خلاف۔

پس واقعہ یہ ہے کہ ہمارا اسلام بھی شاندار ہے اور ہماری جاہلیت بھی کم شاندار نہ تھی۔ اگر کچھ کسر تھی تو اُسے کتاب اللہ نے پورا کر دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ[۷] ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا واللہ ولی المومنین[۸]۔

تو ہم کبھی اس لیئے سب سے مقدم ہیں کہ رسولؐ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں اور کبھی اس لیئے سب سے بڑھ کر ہیں کہ رسول کے سب سے بڑھ کر فرمانبردار ہیں اور مہاجرین نے یوم سقیفہ[۹] کے موقعہ پر جب انصار کے سامنے اپنی حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیش کی تھی تو انصار نے سر جھکا لیا تھا۔ اب اگر سقیفے

(بقیہ) کی شادی ابو العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ بن الشمس سے کی۔ رسول کے چچا ابو لہب بن عبد المطلب نے ام جمیل بنت حرب بن امیہ سے کی اور خود رسول نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ [۱] ابو جہل۔ [۲] حضرت حمزہ [۳] ابو سفیان [۴] حضرت حسن حسین [۵] حضرت فاطمۃ الزہرا۔ [۶] ام جمیل۔ ابو لہب کی بیوی معاویہ کی پھوپھی [۷] ابراہیم سے سب سے قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی اور یہ پیغمبر ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ بے شک خدا مومنوں کا دوست اور مددگار ہے۔ [۸] یہ مدینہ میں انصار کی چوپال تھی جس میں وہ بیٹھا کرتے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر انصار یہیں جمع ہوئے تھے اور ابو بکرؓ، عمرؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے جا کر ان سے بحث کی اور قریش کی خلافت ان سے منوالی تھی۔

میں مہاجرین کی یہ حجت صحیح تھی تو حکومت کا حق ہمیں ہے نہ کہ تمہیں۔ اور اگر مہاجرین کی حجت غلط تھی تو انصار کا دعویٰ اپنی جگہ قائم ہے۔

اور تم نے دعوےٰ کیا ہے کہ میں سب خلفاء پر حسد کیا کرتا تھا، اور سب سے سرکشی کرنا میرا وطیرہ تھا، اگر واقعہ یہی ہے تو میں نے تمہارا تو کوئی قصور نہیں کیا۔ کہ تمہارے سامنے اپنا عذر پیش کروں۔

اور تم نے لکھا ہے کہ خلفاء کی بیعت کے لیئے مجھے اسی طرح گھسیٹا جاتا تھا، جس طرح نکیل پڑے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ تو بخدا تم نے چاہا تھا رسوا کرنا اور ہو گئے تم خود رسوا۔

بھلا سوچو تو مسلمان کے لیئے اس میں بھی کوئی عیب ہے کہ وہ مظلوم ہو، بشرطیکہ نہ اپنے دین میں شک رکھتا ہو، نہ اپنے یقین میں تزلزل۔ تم اس سچائی کے مخاطب نہیں تھے، مگر میں نے تمہارے لیے اسے چھوڑ دیا ہے۔

اور تم نے خط میں میرے اور عثمانؓ کے معاملے کا تذکرہ بھی کیا ہے، ہاں اس بارے میں مجھے جواب دینا چاہیئے۔ کیونکہ تم عثمان رضؓ کے رشتہ دار ہو، اچھا، خود ہی بتاؤ، ہم دونوں میں مجھ میں اور تم میں عثمان کا زیادہ دشمن اور ان کے لیئے موت کا زیادہ جال بچھانے والا کون تھا؟ وہ تھا جس نے اپنی مدد اُن کے لیئے وقف کر رکھی تھی، انہوں نے اسے ہٹا دیا اور اس کی مدد سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یا وہ تھا جس سے انہوں نے مدد طلب کی تھی، مگر وہ پیچھے ہٹ گیا اور اُن کی موت کے لیے اس نے زمین ہموار کر دی، آخر عثمانؓ کا وقت آگیا اور جو ہوتا تھا ہو گیا۔ ہرگز نہیں، بخدا اللہ جان چکا ہے تم میں سے انہیں جو لوگوں کو روکتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس

آجاؤ۔ مگر خود جنگ سے بدکتے ہی رہتے ہیں۔

ہاں اس واقعے پر میں تم سے معذرت کرنے والا نہیں کہ عثمان رض کی بعض کارروائیوں پر مجھے اعتراض ضرور ہوتا تھا۔ اب اگر میرا قصور یہی ہے کہ میں انہیں نیک صلاح دیتا اور سیدھی راہ دکھایا کرتا تھا تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے قصور کے سر الزام تھپ جاتا ہے اور بڑے خیر خواہ کو بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے میری نیت اصلاح کی تھی اور میری توفیق بس اللہ ہی سے ہے اور اسی پر میرا تکیہ ہے۔

اور تم نے لکھا ہے کہ تمہارے پاس میرے لیئے اور میرے ساتھ والوں کے لیے تلوار ہے! تو رُلانے کے بعد تم نے مجھے ہنسا دیا! خاندان عبد المطلب کو تم نے دشمن کے سامنے سے ہٹتے اور تلواروں سے ڈرتے کب پایا؟

جلد ہی تمہیں وہ طلب کرے گا، جسے تم طلب کر رہے ہو اور وہ تم سے قریب ہو جائے گا۔ جسے دور سمجھ رہے ہو، میں تمہاری طرف تیزی سے آ رہا ہوں۔ مہاجرین و انصار اور "تابعین لہم باحسان" کی جرار فوج لیئے ہوئے بڑی کثرت ہے اُن کی! بڑا پھیلاؤ ہے اُن کے غبار کا! موت کا لباس پہنتے ہیں وہ! جو چیز سب سے زیادہ انہیں پسند ہے وہ اپنے پروردگار کی ملاقات ہے۔ ان کے ساتھ ذریۂ بدریہ بھی ہے اور سیوف ہاشمیہ بھی جن کی باڑھ سے تم بے خبر نہیں ہو۔ اپنے بھائی ماموں، نانا اور خاندان میں ان کی کاٹ دیکھ چکے ہو اور وہ ظالموں سے دور نہیں۔

دشنام اہل شام کی ممانعت

جنگ صفین کے زمانہ میں امیر المومنینؑ نے سنا کہ آپ کی جماعت کے

بعض لوگ اہل شام پر سب وشتم کرتے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا ،

"میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم (مردم شام) کو دشنام دو ، لیکن اگر تم اُن کے کردار (بد) کو بیان کرو ، اُس کے حالات (ظلم وستم ، پیروی ہوا و خواہش نفس ، راہِ حق سے انحراف ، ازیں گونہ سخناں) کا تذکرہ کرو ، تو بے شک یہ گفتار مناسب ہے ، اور مقامِ عذر میں بلیغ تر ، اور رسا تر ہے اور بہتر یہ ہے کہ انہیں سب وشتم کرنے کے بجائے یہ کہو:-

بار خدایا ————!

ہمارے اور اس کے خون کو بہنے سے بچا ، ہمارے اور اُن کے مابین صلح کر دے ، انہیں ان کی گمراہی سے امر حق کی طرف رہنمائی فرما تاکہ جو حق کو نہیں پہچانتے اسے پہچان لے ، اور جو حریص و شیفتہ گمراہی ، اور دشمنی ہو اُسے اس (غلط اور ناروا) کام سے باز رکھ !

تلقین

ذیل میں امیر المومنین کے حسین خطبہ کا ایک حصہ درج کیا جارہا ہے ، اپنی معنویت اور اہمیت کے لحاظ سے وہ غیر معمولی طور پر توجہ طلب ہے ۔

آپ نے فرمایا ہے :

تمہارے چھوٹوں کو اپنے بزرگوں کی پیروی کرنی چاہیئے ، اور تمہارے بزرگوں پر لازم ہے کہ اپنے چھوٹوں پر مہربان رہیں ، زمانہ جاہلیت کے غلط کاروں (بد دینوں) کی طرح نہ بن جانا کہ (وہ لوگ) نہ دین وشریعت میں (کسی طرح کی) کنجکاوی کرتے تھے ، نہ خدا کی شناخت کے لیئے عقل کی رہبری قبول کرتے تھے (یعنی جاہل تھے اور احکام خداوند سبحان سے یکسر غافل تھے) ان کی مثال اُس حیوان موذی کے بیضہ کی سی ہے جو آشیانہ ہی میں توڑ دیا گیا ہو ، بظاہر اس کا توڑنا گناہ ہے

(کیونکہ اس فعل سے حیوان کو تکلیف ہوتی ہے) اور (اگر اسے سالم چھوڑ دیا جائے تو)
بچہ زیاں رساں برآمد ہوتا ہے (جیسے بچہ مار وافعی)۔

یہ (میرے ساتھی) مجتمع ہونے کے بعد پراگندہ ہو گئے، اپنی اصل سے ہٹ کر
بکھر گئے، ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ شارخ امامت کو پکڑے ہوئے ہیں، جدھر
وہ جھکتی ہے اُسی طرف یہ بھی جھک جاتے ہیں، وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے
جب خدا انہیں بنوامیہ کے بدترین دن (انقراض دولتِ بنوامیہ) کے لیئے یوں
جمع کرے گا جس طرح خریف کے موسم میں ابر کے ٹکڑے جمع ہو جاتے ہیں۔ خداوند
سبحان اُن کے مابین ربط و اُلفت کے رشتے قائم کر دے گا، پھر انہیں پارہ ہائے
ابر کی طرح اکٹھا کرے گا۔ اور پھر اُن کے لیئے اپنی رحمتِ بے کراں کے دروازے
کھول دے گا، یہ لوگ اپنے مقام سے سیل وار روانہ ہوں گے۔

جس سے نہ زمین کا پشتہ سلامت رہے گا، نہ کوئی بلند ٹیلہ، اس کے بہاؤ کا مقابلہ
کر سکے گا، نہ کوئی کوہ محکم اسے روک سکے گا، نہ بلند ٹیلے اس کے رُخ میں تبدیلی کر سکیں گے
خداوند عالم اسے صحراؤں میں پھیلا دے گا اور پھر زمین پر چشمہ رواں کی طرح انہیں
متحرک کر دے گا، ان کے ذریعہ وہ ایک قوم کے (غصب شدہ) حقوق دوسری قوم
سے واپس لے گا اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے شہر و دیار پر قابض کر
دے گا۔ اور خدا کی جو کچھ ان کے (یعنی بنوامیہ کے) تصرف میں ہو گا وہ دوسرے
(یعنی بنو عباس) کی بادشاہی اور تسلط کے بعد، اس طرح پگھل جائے گا جس طرح آگ
پر چربی پگھل جایا کرتی ہے۔

اے لوگو!

اگر تم ایک دوسرے کے حق کے بارے میں مدد کرتے رُک نہ جاتے، اور باطل
(امیر معاویہ) کو پست کرنے میں سستی نہ دکھاتے تو ہرگز تم پر حملہ آور ہونے کی وہ

شخص جرات نہ کر سکتا، جو کسی طرح تمہارا ہم سر نہیں ہے۔ لیکن جس طرح بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر کے چالیس سال تک صحرا میں) سرگردان رہے تھے، اسی طرح سرگردان رہیں گے۔

قسم بجان خود کہ میرے بعد تمہاری یہ سرگردانی اور سرگشتگی کہیں زیادہ بڑھ جائے گی کیونکہ تم نے حق کو پشت پر ڈال دیا، اور جو (رسول اکرمؐ سے) قریب تھا اس سے ترک تعلق کر لیا، اور جو (رسالت مآب سے) بعید تر تھا اس سے رشتہ جوڑ لیا، یقین کرو، اگر تم نے داعی کی پکار سنی ہوتی، جو حق کی طرف تمہیں بلا رہا تھا، تو بلاشبہ وہ تمہیں اس راہ پر لے چلتا، جو پیغمبر اکرمؐ کی راہ تھی، تم گمراہی کی مصیبت سے بچ جاتے اور اپنی گردن سے بار گراں (معصیت) کو اتار پھینکتے!

اصولی اختلاف پر مفاہمت ناممکن

جنگ کب جائز ہے؟

جنگ کوئی اچھی چیز نہیں، اسلام نے تو اسے حد درجہ ناپسندیدہ اور نا مرغوب قرار دیا ہے، لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ ناگزیر ہو جاتی ہے اور یہ ناگزیر وقت نہیں ٹالا جا سکتا، بشرطیکہ اختلاف کسی اصولی معاملے میں ہو، اس لئے کہ ہر معاملے اور مسئلے میں مفاہمت ممکن ہے، لیکن اصولی معاملات میں کسی قیمت پر بھی مفاہمت نہیں کی جا سکتی، اگر اصولی معاملات پر بھی سمجھوتہ ممکن ہو تو پھر حق و ناحق کا امتیاز مٹ جائے گا، حق کمزور اور ضعیف ہو جائے گا، باطل قوت حاصل کرے گا، اور اہل حق کو کچل دے گا، یہی وجہ ہے کہ ارباب حق و صداقت انتہائی عجز و تواضع اور فروتنی کے باوجود، اصولی معاملات پر کبھی کسی سے سمجھوتے پر تیار نہیں ہوئے، بلکہ تلوار سونت لی اور لڑنے پر تیار ہو گئے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو تلوار ہے مومن!

ایسے ہی ایک موقع پر عقیل بن ابی طالب کے نام آپ نے تحریر فرمایا:

تم نے جنگ کے بارے میں میری رائے دریافت کی تو میری رائے یہ ہے کہ گمراہوں سے برابر جنگ کرتے رہنا چاہئے، یہاں تک کہ خدا کے حضور پہنچ جاؤں۔ اپنے گرد لوگوں کی کثرت دیکھ کر نہ میرا حوصلہ بڑھتا ہے نہ ان کے چھوڑ کر بکھر جانے سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ تجرہ ارا اپنے باپ کے بیٹے کو اگرچہ سب لوگ چھوڑ دیں، کبھی لرزاں و ترساں خیال نہ کرنا، کسی حال میں بھی اسے خوف سے کانپنے والا، ذلت

کی طرف جھکنے والا، ہمت ہار کے بیٹھ جانے والا نہ پاؤ گے، وہ اپنی لگام کسی کے ہاتھ میں دینے والا نہیں، بلکہ وہ ویسا ہے جیسا بنی سلیم کے شاعر نے کہا ہے ؎

فان تسألینی کیف انت فاننی ۔۔۔ صبور علی ریب الزمان صلیب

(محبوبہ اگر تو میرا حال پوچھتی ہے، تو سن میں زمانے کے صدموں کا مقابلہ مضبوطی سے کر رہا ہوں)

یعز علی ان تریٰ بی کآبۃ ۔۔۔ فیشمت عاد او یساء حبیب

(مجھے گوارا نہیں کہ اداس ظاہر ہوں، جس پر دشمن خوش ہوں اور دوست کڑھیں)

اسی طرح جب مصر کی گورنری پر آپ نے مالک بن اشتر کو مقرر کیا تو اہل مصر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اما بعد میں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ تمہاری طرف بھیجا ہے جو اندیشے کے دنوں میں سوتا نہیں، خوف کی گھڑی میں دشمن سے ڈرتا نہیں۔ فاجروں پر بلائے بے درماں ہے، وہ مالک بن الحارث مذحجی ہے، تم اس کی سنو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو، اگر حق کے مطابق ہو، یہ شخص اللہ کی تلوار ہے جس کی باڑھ نہ کند ہوتی ہے، نہ کاٹ میں کمی کرتی ہے۔ اگر وہ تمہیں حکم دے کہ چلو تو چل پڑو، حکم دے کہ بیٹھے رہو تو بیٹھے رہو، کیونکہ وہ میرے حکم کے بغیر نہ آگے بڑھے گا نہ پیچھے ہٹے گا، نہ کوئی پس و پیش کرے گا۔ مجھے خود اس شخص کی ضرورت تھی، مگر میں نے اپنے مقابلے میں ترجیح دی وہ تمہاری خیر خواہی کرے گا۔ اور تمہارے دشمن پر بہت سخت ثابت ہوگا۔

ایک گورنر سے تخاطب۔

اپنے ایک گورنر سہل بن حنیف کو آپ نے لکھا:۔

معلوم ہوا ہے کہ تمہارے یہاں کے کچھ لوگ چپکے چپکے معاویہ کے پاس چلے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے اپنی تعداد میں کمی اور ان کی مدد سے محرومی پر افسوس نہ کرو۔ ان کے

لئے یہ گمراہی کافی ہے، اور تمہارے لئے یہ اطمینان بہت ہے کہ وہ حق و ہدایت سے بھاگ رہے ہیں، کور نگاہی اور جہل کی طرف دوڑ رہے ہیں، یہ لوگ دنیادار ہیں، دنیا پر ریجھتے اور اسی کی طرف لپکتے ہیں، یہ لوگ عدل و انصاف کو جان چکے ہیں، دیکھ چکے ہیں، سن چکے ہیں، سمجھ چکے ہیں، ان پر یہ بھی روشن ہو چکا ہے کہ حق کے بارے میں سب لوگ ہمارے یہاں برابر ہیں، اس پر بھی بھاگ رہے ہیں، اور وہاں جا رہے ہیں جہاں خود غرضیاں چلتی ہیں، تو دور ہوں یہ لوگ! دفان ہوں یہ لوگ!

بخدا یہ لوگ نہ ظلم کی وجہ سے بھاگے ہیں نہ انصاف کے دامن میں پناہ لینے گئے ہیں، اور ہم! تو ہمیں امید ہے کہ خدا اس معاملے کی مشکلیں ہمارے لئے آسان اور سختیاں نرم کر دے گا۔ انشاء اللہ۔

ایک خط کا جواب۔

جب مصر میں امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص نے چڑھائی کی تو وہاں کے گورنر محمد بن ابی بکر نے آپ سے کمک طلب کی، جس کے جواب میں آپ نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

تمہارا قاصد خط کے ساتھ پہنچا، تم نے لکھا ہے کہ عاص کا بیٹا جرار فوج کے ساتھ مصر کی سرحد پر اتر چکا ہے، اور اس کے ہم خیال لوگ اس کی طرف نکل گئے ہیں، اس کے ہم خیالوں کا چلا جانا تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا۔

اور تم نے لکھا ہے کہ تمہارے ساتھی کم ہمتی کا شکار ہو رہے ہیں، اگر تم ہمت نہ ہارو، چاہے وہ ہمت ہار جائیں، اپنے شہر کی قلعہ بندی مضبوط کر لو، اپنے طرف داروں کو جمع کر لو، اپنے نگہبانوں کو فوج میں پھیلا دو، کنانہ بن بشر کو دشمن کے مقابلہ پر بھیجو، کنانہ کی خیر خواہی، تجربہ کاری، بہادری جانی بوجھی ہے میں تیزی سے کمک بھیج رہا ہوں۔ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو، اپنی بصیرت پر چلو، اپنی نیت پر لڑو، اللہ کے نام پر

جہاد کرو۔ تمہاری فوج کم ہے تو پرواہ نہیں، کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا کم تعداد والوں کی مدد کرتا ہے، اور زیادہ تعداد والوں سے اپنی نصرت روک لیتا ہے، تمہارے نام دو تو فاجروں کے خط بھی میں نے پڑھ لیئے، انھوں نے گناہ پر آپس میں محبت کی ہے، ضلالت میں ایک دوسرے کے مددگار بن گئے، حکومت پر رشوت لے رہے ہیں، دینداروں پر متکبر ہیں، اگلے گنہگاروں کی راہ پر چل رہے ہیں، لہذا ان کی گرج کڑک سے متاثر نہ ہو، انہیں جواب نہ دے چکے ہو تو وہ جواب دو جس کے یہ مستحق ہیں، جواب دینے کی تمہیں بڑی گنجائش ہے۔ والسلام۔

خدا کا شیوہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں۔

یمن کے باغیوں کو آپ نے جو پیغام بھیجا، وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

ارشاد فرمایا:

اللہ کے بندے علیؑ امیرالمومنین کی طرف سے ان فوجیوں اور صنعاء (یمن) کے باشندوں کے نام جنہوں نے پھوٹ ڈالی، اور غدر کیا ہے۔

امّا بعد: میں تمہارے سامنے اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی حمد کرتا ہوں جس کا نہ حکم ٹالا جا سکتا ہے، نہ فیصلہ رد ہو سکتا ہے۔ عقوبت مجرموں سے روکی جا سکتی ہے۔

مجھے خبر ملی ہے کہ اقرار و اطاعت اور انعقادِ بیعت کے بعد بھی تم نے بے جا جرأت کی ہے، پھوٹ کی طرف دوڑ پڑے ہو، اور دین سے منہ پھیر چکے ہو۔ تمہاری اس حرکت اور اس کے اسباب پر میں نے سچے دینداروں، پرہیزگاروں اور دانش مندوں سے مشورہ کیا۔ مگر تمہاری طرف داری میں کوئی ایک بات بھی میرے سامنے نہ آئی۔ لہذا میرے قاصد کے پہنچتے ہی تم منتشر ہو جاؤ۔ اپنے اپنے پڑاؤ کو چلے جاؤ، یہ کرو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ تمہارے نادانوں سے چشم پوشی کر لوں گا۔ تمہارے سُوجھ والوں کا بھی لحاظ رکھوں گا، اور تمہارے بارے میں احکام الہی کی تعمیل کروں گا۔ لیکن اگر تم نے یہ نہ کیا تو

ایسی فوج کے استقبال کے لئے تیار ہو جاؤ جس میں سواروں کی بڑی کثرت ہے، بہت بڑی فوج ہے، یہ فوج باغیوں، طاغیوں ہی کی سرکوبی کے لئے چلا کرتی ہے، اور انہیں اس طرح پیس کے رکھ دیتی ہے، جس طرح چکی اناج کو پیس ڈالتی ہے۔

اب جو کوئی ٹھیک راہ چلے گا اپنے ہی بھلے کے لئے چلے اور جو کوئی بد راہ رہے گا۔ تو خود اسی پر وبال پڑے گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ! خدا کا شیوہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں ہے۔

عثمانؓ کا قاتل کون تھا ؟

امیر معاویہ خون عثمانؓ کا مطالبہ لے کر اٹھے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت علیؑ کو ایک خط لکھا، جس کا جواب آپ نے یہ دیا :

تم نے عثمانؓ کے معاملہ کو اپنے خط میں بہت طول دیا ہے، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ عثمانؓ کو تمہارے سوا کسی اور نے قتل نہیں کیا۔ تم ہی نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ تم ہی نے ان کی بربادی چاہی اور ان کی ہلاکت میں اپنی کامیابی کی آرزوئیں پرورش کیں۔ جو کچھ اب تم سے ظاہر ہوا ہے اور جو کچھ تمہارا عمل تیار رہا ہے، اسی کی طلب میں تم نے عثمانؓ سے گھاٹ کی اور انہیں ختم ہو جانے دیا۔

مجھے امید ہے عثمانؓ کے ساتھ تمہیں جلد ملا دوں گا اور ایسی حالت میں ملا دونگا کہ تمہارا گناہ ان کے گناہ سے بھی بڑا ہے، اور تمہارا قصور ان کے قصور سے کہیں بدتر ہوگا۔

بھولو نہیں کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، تلوار کا دھنی ہوں۔ اس کا قبضہ آج بھی میری مٹھی میں ہے، اور تم جانتے ہو کہ عبدشمس کے کون کون صنادید، بنی سہم، جمح اور بنی مخزوم کے کیسے کیسے فرعون، میری اسی تلوار سے موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ میں نے ہی ان کے بچوں کو یتیم کیا۔ اور میری ہی تلوار نے ان کی عورتوں کو رنڈاپا دکھا دیا۔

اور تمہیں یہ بھی یاد دلاتا ہوں ـــــ حالانکہ تم بھولے نہیں ہو۔ کہ میں نے ہی

بھائی حنظلہ کو موت کا جام پلایا تھا۔ اور ٹانگ سے گھسیٹ کر اس کی لاش اندھے کوئیں میں پھینک دی تھی، پھر تمہارے دوسرے بھائی عمرو کو قید کیا تھا، اور اس کی گردن دونوں ٹانگوں کے بیچ میں باندھ دی تھی، خود تمہاری طرف بھی لپکا تھا۔ مگر تم کان کھڑے کر کے اور دُم دبا کے بھاگ نکلے تھے، اگر میرا یہ دستور نہ ہوتا کہ بھگوڑوں کا پیچھا نہیں کرتا تو تمہارا حشر بھی تمہارے دونوں بھائیوں جیسا کر دیتا۔

خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں —— ایسی قسم جس میں ذرا جھوٹ نہیں کہ قسمت نے اگر مجھے تمہیں کبھی یک جا کر دیا۔ تو تمہارا وہ حال کروں گا کہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں ضرب المثل بن جاؤ گے، خود تمہارے گھر میں گھس کے تمہیں جھنجھوڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا ہم دونوں میں فیصلہ کر دے۔

اور اگر خدا نے میری عمر میں کچھ اور ڈھیل دی تو مسلمانوں کی بھاری فوج کے ساتھ تم پر چڑھائی کروں گا، اور مہاجرین و انصار کے لشکر جرار کے ساتھ تم پر ٹوٹ پڑوں گا، اس وقت نہ تمہارا کوئی عذر سنوں گا نہ تمہارے حق میں کوئی سفارش ہی قبول کروں گا۔ نہ ہی تمہاری کوئی درخواست ہی قبول کروں گا نہ کسی التجا ہی پر کان دھروں گا، اس وقت تم اپنے تحیر، تردد، پس و پیش، حیص بیص کی طرف لوٹ جاؤ گے اور تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ موت کے بادل کس طرح تم پر برسے تھے، اور تم کس طرح مجبور ہوئے تھے کہ کتاب اللہ کے دامن میں پناہ لو، حالانکہ تم اور تمہارا باپ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے کتاب اللہ سے انکار کیا تھا، اس کے نزول کی تکذیب کی تھی، اور میں تو فراست سے پہلے ہی جان چکا تھا کہ تم کون ہو اور تمہارے ارادے کیا ہیں، میں اس کی خبر بھی تمہیں دے چکا تھا، تم اپنے بہت سے کرتوت پورے کر چکے ہو، بہت سی شرارتیں چلا چکے ہو، لیکن سن لو اپنے اس خط کے پیچھے میں خود تمہاری طرف چلا آرہا ہوں۔ اب بھی وقت ہے کہ سمجھ سے کام لو، اپنے نتیجے پر غور

و۔ اپنے آپ کو ہلاکت سے بچالو۔

ابوسفیانؓ اور علیؓ

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا ذکر خیر۔

امیر معاویہ کے کئی خط حضرت علی کے پاس آئے، اور آپ نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا، اور جو سوالات ان مکاتیب میں اٹھائے گئے تھے، ان کا شافی اور کافی جواب مرحمت فرمایا، اسی طرح کے ایک خط کے جواب میں حضرت علیؓ نے جو جواب لکھا، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"اللہ کے بندے علیؑ امیر المومنین کا خط، معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام۔

امابعد! ابو مسلم خولانی تمہارا خط لئے میرے پاس پہنچا۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدایت و وحی کی صورت میں رحمت خداوندی کا تذکرہ کیا ہے، بے شک سب تعریف اسی کے لئے ہے، جس نے اپنا رسول سے وعدہ پورا کیا۔ اپنی نصرت سے ان کی تائید فرمائی۔ انہیں اقتدار و تمکن بخشا، اور ہم قوم دشمنوں اور بیریوں پر انہیں فتح مبین عطا کی۔

یہ دشمن رسول کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، بغض سے دیوانے ہو گئے تھے، آپ پر تلے ہوئے تھے، رسول اللہ کی عداوت میں پیش پیش تھے، رسولؐ کے اصحاب اور اہل بیت کے خارج البلد کرنے میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ رسولؐ کے خلاف دوسروں کو ابھارتے تھے، آپ کی بیخ کنی میں پوری کوشش صرف کر رہے تھے، آپ کی تخریب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ حق آ گیا، اور امر الٰہی غالب ہو گیا۔ اگرچہ دشمن ناپسند ہی کرتے رہے،

رسول اللہ کے خلاف عداوت و تخریب میں سب سے زیادہ سخت خود رسول اللہ کا

اپنا خاندان تھا، یہ لوگ آپ کی قوم میں سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے، بجز ان کے جنہیں خدا نے اس بدبختی سے محفوظ رکھا۔

تم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے لئے مسلمانوں میں سے اعوان وانصار منتخب کئے اور ان اعوان وانصار کے ذریعے اپنے رسول کی تائید فرمائی۔ اور یہ کہ رسولؐ اللہ کی نظر میں ان کے درجے، ان کے اسلامی فضائل کے مطابق تھے، لہٰذا تم نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل اور اللہ و رسولؐ کے ساتھ خیر خواہی میں سب سے آگے خلیفہ اول تھے، اور خلیفۂ دوئم۔ بے شک اسلام میں ان دونوں خلفاء کا خاص مقام ہے۔ اور ان کی وفات اسلام میں گہرا زخم ہے، خدا ان پر رحم فرمائے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کا اجر بخشے۔

اور بخدا مجھے امید ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام میں لوگوں کے فضائل اور خدا و رسول سے ان کی خیر خواہی کا اجر بخشے گا۔ تو اس اجر میں ہمارا حصہ سب سے وافر ہوگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ کے ایمان و توحید کی دعوت اٹھائی، تو ہم اہل بیت ہی سب سے پہلے ایمان لائے، اور رسول کی تصدیق کی، سالہا سال ایسے گزر گئے کہ عرب میں ہمارے سوا کوئی بھی اللہ کی عبادت نہ کرتا تھا، مگر خود ہماری قوم نے ہمیں مٹا ڈالنے کی ٹھان لی، اور کوئی برائی نہیں جس سے وہ ہمارے حق میں باز رہی ہو، ہماری قوم نے ہمارا چلنا پھرنا بھی روکا، پینے کا پانی تک ہم پر بند کر دیا۔ ہمیں خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔ ہم پر جاسوس و مخبر بھی مقرر کئے، اور ہمیں بے آب و گیاہ پہاڑ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ہمارے لئے جنگ کی آگ بھڑکا دی، اور آپس میں ایک معاہدہ بھی لکھا کہ ہمارے ساتھ کھانا پینا نہیں رکھیں گے، شادی بیاہ کا رشتہ نہیں جوڑیں گے، خرید و فروخت نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم اپنی جان اسی طرح بچا سکتے ہیں کہ محمدؐ کو ان کے حوالے کر دیں۔ اور وہ محمدؐ کو قتل کر ڈالیں، محمدؐ کی شکل بگاڑ ڈالیں۔ ان دشمنوں سے ہمیں پتہ

ملتی تھی تو صرف حج کے دنوں میں ملتی تھی، اس کے علاوہ کبھی ہمارے لئے امن نہ تھا۔ ان ہولناکیوں میں ہم گھرے ہوتے تھے، مگر ہمیں خدا کا یہی حکم تھا، کہ اس کے دین کی مدافعت کرتے رہیں۔ اس کے دین کی حرمت پر آنچ نہ آنے دیں۔ اور دن ہو یا رات خوف کے موقعوں پر اپنی تلواروں سے اس کے نبی کی حفاظت کرتے رہیں۔ اس مصیبت میں ہمارے مومن، ثواب کی امید میں کڑیاں جھیلتے تھے، اور ہمارے کافر اپنے رشتے کی حمایت میں تکلیف اٹھاتے تھے، قریش میں جو لوگ ایمان لا چکے تھے ہماری مصیبتوں سے دور تھے، کچھ لوگوں کے حلیف موجود تھے، جو ان کی حفاظت کرتے تھے۔ اور کچھ لوگوں کی پشت پناہی پر ان کے قبیلے کھڑے تھے۔ اسی لئے وہ ان آفتوں سے بچے رہے جو ہماری قوم ہم پر ڈھا رہی تھی، ایسے سب لوگ قتل سے بالکل محفوظ تھے۔

یہ حالت جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ہجرت کا حکم دیا، اس کے بعد مشرکوں سے جنگ کرنے کی اجازت ہوئی، اب ہوتا یہ تھا کہ جنگ کا تنور دھک جاتا تھا۔ اور مبارزت طلبی کا شور مچتا تھا تو رسول اللہؐ اپنے صحابہؓ کو اپنے اہل بیت کے ذریعے تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کی انی سے بچا لیتے تھے۔ چنانچہ عبیدہؓ[1] ابن الحارث، بدر کی لڑائی میں کام آئے، حمزہؓ[2] بن عبدالمطلب احد کی جنگ میں گرے۔

جعفرؓ[3] اور زیدؓ[4] موتہ کی لڑائی میں مارے گئے اور ایک ایسا آدمی بھی ہے کہ چاہوں تو اس کا نام لے لوں۔ اس نے بھی شہیدوں کی طرح رسول اللہ کے ساتھ بار بار شہید ہو جانا

[1] عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب امیرالمومنینؑ کے چچیرے بھائی۔

[2] حمزہ بن عبدالمطلب امیرالمومنینؑ کے چچا۔

[3] جعفر بن ابی طالب امیرالمومنینؑ کے بھائی۔

[4] زید بن حارث غلام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس لئے گویا یہ بھی اہل بیت میں سے تھے۔

چاہا، مگر ہوا یہ کہ ان کی عمریں جلد پوری ہوگئیں۔ اور اس شخص کی موت پیچھے ہٹا دی گئی[1]۔ اللہ ان کے صالح پر ان پر احسان کرنے کا ولی ہے۔

اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں خلفاء پر حسد کرتا تھا، ان کی بیعت سے پہلو تہی کرتا تھا ان سے سرکشی کرتا تھا۔ تو سرکشی وہ چیز ہے۔ جس سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ رہ گیا ان کی بیعت میں دیر کرنا اور ان کی حکومت کو ناپسند کرنا تو اس کے بارے میں مجھے کسی کے سامنے کوئی عذر پیش کرنا نہیں۔

خدا نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف اٹھا لیا تو قریش نے کہا، امیر ہم میں سے ہوگا۔ اور انصار نے کہا امیر ہم میں سے ہوگا۔ اس پر قریش نے کہا کہ محمدؐ تو ہم میں سے ہیں۔ اس لئے حکومت کے زیادہ حق دار ہم ہیں۔ انصار نے یہ حجت مان لی اور مہاجرین کی حکومت تسلیم کر لی۔

دیکھو انصار کے مقابلے میں قریش نے محمدؐ کے نام پر حکومت کو اپنا حق قرار دیا تھا۔ اور ان سے منوا بھی لیا تھا۔ اب سوچو تو، اگر واقعی محمدؐ ہی کی وجہ سے قریش کو حکومت کا حق تھا تو جو لوگ محمدؐ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں، وہ ضرور حکومت کے سب سے زیادہ حقدار ہوں گے، اگر یہ حجت صحیح نہیں تو انصار کا جو عرب کی سب سے بڑی قوت ہیں دعویٰ حکومت بدستور قائم ہے۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرے دوستوں نے میرا حق چھین لیا تھا یا انصار پر ظلم کیا تھا؟

(کیسا عجیب زمانہ ہے) اب میرے ساتھ اسے بھی نتھی کیا جا رہا ہے۔ جو نہ میرے پاؤں سے چلا، نہ جسے میری جیسی سبقت نصیب ہوئی،

اور تم نے عثمانؓ کے معاملہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ میں نے ان کا رشتہ کاٹا اور ان کے معاملے میں شورش برپا کی۔ تم یقیناً جانتے ہو کہ میں عثمانؓ کے معاملے سے بالکل

[1] امیر المومنینؓ کا خود اپنی طرف اشارہ ہے۔

الگ تھا، یہ بات دوسری ہے کہ تہمتیں تراشنے لگو، اور تہمتیں تراشنے ہی پر اتر آئے ہو تو جی بھر کے تراشتے رہو۔

اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تھا تو تمہارا باپ میرے پاس آیا۔ کہنے لگا "خلافت محمدؐ کے سب سے زیادہ حقدار اور حکومت کے سب سے بڑھ کر اہل تم ہو۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ جو تمہاری مخالفت کرے گا اس سے نپٹ لوں گا۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں"۔ لیکن میں نے تمہارے باپ کی یہ تجویز منظور نہیں کی، حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارے باپ نے جو کچھ کہا تھا دل سے کہا تھا، اور اس کی پوری ذمہ داری محسوس کرتا تھا۔ لیکن خود میں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ کفر کا زمانہ ابھی قریب تھا اور اہل اسلام میں بھی پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمہارا باپ میرے حق کو تم سے زیادہ جانتا تھا۔ اب اگر تم بھی اپنے باپ کی طرح میرے حق کو جانو اور مانو تو ہدایت سے قریب تر ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا مجھے تم سے مستغنی کر دیگا۔

(والسلام)

جہاد بابِ جنت ہے۔

ایک خطبہ میں آپ نے ان امور پر روشنی ڈالی ہے، جو آپ کو میدان جنگ میں لانے کا سبب بنے، اس خطبہ سے آپ کے عہد کے ان حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے جن سے مسلمان دوچار تھے۔ آپ نے فرمایا۔

" جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے خدا نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھول دیا ہے۔ یہ (جہاد) لباس تقویٰ ہے، حق کی زرہ محکم اور سپر قوی ہے، پس جو کوئی از روئے میل و رغبت اسے ترک کر دیتا ہے، خدائے بزرگ و برتر اسے جامہ ذلت و خواری اور ردائے بلا و گرفتاری پہناتا ہے اور اسی پستی و حقارت کے باعث زبون بن کر رہ جائے گا، اس کے دل پر بے عقلی کے پردے ڈال دئے جائیں گے اور جہاد نہ کرنے اور اس امر مہم کی اہمیت نہ سمجھنے کے باعث راہِ حق سے دُور ہو جائے گا، اور راہِ باطل پر چلنے لگے گا، اور نکبت و بے چارگی میں مبتلا ہو جائے گا، عدل و انصاف سے محروم ہو جائے گا۔

آگاہ ہو جاؤ!

میں نے تم کو شب و روز نہاں را آشکار، ان لوگوں سے جنگ اور قتال کی دعوت دی، اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہ تم سے برسر پیکار ہوں، تم ان سے جنگ آزما ہو جاؤ بخدا وہ لوگ جن سے ان کے گھروں کے اندر جنگ کی گئی وہ ذلیل و مغلوب ہوئے مگر تم ایک دوسرے پر ٹالتے رہے، اور ایک دوسرے کی نصرت سے کتراتے رہے یہاں تک کہ تم پر چھاپے مارے گئے، اور تمہارے دیار پر دوسروں نے قبضہ کر لیا، یہ برادر غامد امیر معاویہ اور ان کے ہم عنان¹ در لشکر کے سوار انبار کے شہر میں داخل ہوئے اس نے (وہاں کے حاکم) حسان ابن عفان بکری کو قتل کر دیا۔ اور تمہارے سوار و لشکر کو ان کی چھاؤنیوں سے نکال دیا۔ (بلکہ) مجھے تو یہاں تک خبر ملی ہے کہ اس کے لشکر

ایک آدمی مسلمان عورت کے گھر میں اور دوسرا ذمی عورت کے یہاں گھس جاتا تھا، اور اس کے خلخال، دست بند، گلو بند، بندے، گوشوارے چھین لیتا تھا، اور وہ غریب سوا گریہ و زاری کرنے اور لوگوں سے مدد طلب کرنے کے کچھ نہ کر سکتی تھی، یہ لوگ (اس کارزار سے فارغ ہوکر) با غنیمت وافر واپس ہوئے، اس حالت میں کہ کسی نفر کو زخم تک نہیں آیا۔ اور نہ کسی کا خون بہا۔

یہ واقعہ سنکر اگر کوئی مرد مسلمان، اس غم سے ہلاک ہو جائے تو اس پر تعجب نہیں کیا جا سکتا، بلکہ میرے نزدیک یہی اس کے لئے سزاوار ہے۔

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے! یہ بخدا دل قریب بہ گریہ ہو جاتا ہے، اور سینہ غم سے لبریز ہو جاتا ہے۔ (جب یہ دیکھتا ہوں کہ) یہ لوگ اپنے باطل پر مجتمع ہیں، اور تم اپنے حق سے متفرق ہو تو تمہارا بُرا ہو، تم ہمیشہ ملول و اندوہ گین رہو، جب کہ تم ایسا ہدف بن چکے ہو جس پر تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ تم پر چھاپے مارے جا رہے ہیں، اور تم جواب نہیں دیتے، تم سے جنگ کی جا رہی ہے اور تم اس پر راضی ہو، جب میں تم سے گرمی کے موسم میں ان پر جا پڑنے کے لئے کہتا ہوں تو تم گرمی کا عذر کرتے ہو، اور مہلت طلب کرتے ہو، جب موسم سرما میں تم سے جہاد کا تقاضا کرتا ہوں، تو تم سردی کی شکایت کرتے ہو، اور مہلت طلب کر لیتے ہو یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم سردی اور گرمی سے ترساں ہو۔ اور جب تمہارا یہ حال ہے کہ تم سردی اور گرمی سے دو یہ فرار لاتے ہو، تو تلوار کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکو گے، ضرور بھاگ کھڑے ہو گے!

اے اشباہ رجال!

بچوں کی سمجھ اور عورتوں کی عقل رکھنے والے لوگو! کاش میں نے تمہیں نہ دیکھا ہوتا، کیونکہ بخدا یہی وہ شناخت ہے جس نے مجھے شرمندہ کیا، اور ندامت کے

انجام کو میرے پیچھے لگا دیا۔

خدا تم سے سمجھے! —— تم نے میرے دل کو ناسور بنا دیا ہے، اور سینہ کو غم و غصّہ سے بھر دیا ہے، تم نے ہر ہر سانس پر مجھے اندوہ و الم کے گھونٹ پلائے ہیں، میری رائے نہ مان کر اور میری نافرمانی کر کے تم نے میری تدبیروں کو ناکام بنا دیا ہے، (نوبت تمہاری ان حرکتوں کے سبب یہاں تک پہنچی کہ اب) قریش کہنے لگے ہیں کہ ابن ابی طالب خود تو دلیر و شجاع ہے، لیکن فن جنگ و پیکار سے ناواقف ہے:

خدا ان کے آبا کا بھلا کرے کیا ان میں کوئی بھی ایسا ہے، جو جنگ و پیکار کا مجھ سے زیادہ تجربہ رکھتا ہو؟ اور اس راہ میں مجھ سے سبقت رکھتا ہو؟ میں تو میدان جنگ میں اس وقت آ موجود ہوا تھا۔ جب میری عمر بیس سال کی بھی نہ تھی، اور اب تو میری عمر کا قافلہ ساٹھ کی منزل سے آگے نکل چکا ہے!

لیکن جس کی پیروی نہ کی جائے اس کی کوئی رائے ہی نہیں —— !

استدراک۔

یہ خطبہ جہاں، الفاظ و عبارت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے، وہاں اسرار و حِکم کے اعتبار سے بھی اپنا کوئی جواب نہیں رکھتا۔

عمر بھر جو ہستی کفار سے جنگ کرتی رہی، جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا جس نے بڑے بڑے لشکروں کو، بڑی بڑی فوجوں کو، بڑے بڑے سورماؤں کو، آن کی آن میں شکست دی، جو اپنی نوعمری کے زمانہ سے کفن سر سے باندھ کر اور سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں اترا، اسے اگر شکست دی تو انہوں نے —— ان لوگوں نے جنہیں جاں نثاری کا دعویٰ تھا، جنہیں فدا کاری پر ناز تھا!

یہ وہ لوگ تھے، جو آخر وقت تک ساتھ دینے کی بیعت کر چکے تھے، جنہوں نے

نے پیمان باندھا تھا کہ امیر کی اطاعت کریں گے، اور راہ خدا میں اپنا سر کٹا دیں گے، لیکن جب وقت آیا کہ یہ میدان جنگ میں کودیں تو موت کا ہراس ان پر غالب آگیا، یہ موسم کی نامساعدت کی شکایت کرنے لگے، یہ لڑنے سے بھی جی چرانے لگے۔ یہ جان کی بازی کے نام سے لرزنے اور کانپنے لگے: —— ان کی ہمت نے جواب دیا، حوصلہ ٹوٹ لیا۔ اور راہ خدا میں جاں نثاری کا ولولہ سرد پڑ گیا!

پھر انہوں نے یہ نہیں کیا کہ اپنی کمزوری کے باعث بیعت فسخ کر کے گھر میں بیٹھ جاتے، جنگ نہ کرنے کا اعلان کر دیتے، ہمیشہ کے لئے ہتھیار اتارتے اور رکھ دیتے، انہوں نے یہ بھی کیا کہ میدان جنگ میں پہنچے مگر لڑنے نہیں ہتھیار اٹھائے، مگر استعمال کی جرأت نہ کر سکے!

یہ بیعت کر چکے تھے، بیعت کرنے سے پہلے انسان کو حق ہے کہ کسی کو امام مانے یا نہ مانے کسی کے آگے دست بیعت دراز کرے یا نہ کرے، کسی کی امارت تسلیم کرے یا نہ کرے، لیکن انہوں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر غور کر کے بیعت کا فیصلہ کیا، بیعت کر لی، مگر امیر اور امام کی رائے سے اختلاف کرتے رہے، اس کی تدبیروں کو ناکام بناتے رہے، اس کے فیصلوں کو ماننے سے انکار کرتے رہے!

بخدا، یہ حضرت علی ابن ابی طالب ہی کا دل تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں اور رفیقوں کے یہ ستم سہے اور اف نہ کی، انھیں برداشت کرتے رہے، انہیں ڈھیل دیتے رہے، انہیں گوارا کرتے رہے!

یہ خطبہ آخر عمر کا ہے، جب جوانی رخت سفر باندھ چکی تھی، اور بڑھاپا ڈیرے ڈال چکا تھا، لیکن دیکھو تو شیر خدا کے تیوروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب بھی کہ قویٰ جواب دے رہے ہیں۔ اور رفقا کم ہمتی کے مظاہرے کر رہے ہیں، وہی دم خم ہے، وہی عزم و ہمت ہے وہی دبدبہ ہے وہی جوش و خروش ہے، وہی آن ہے وہی شان ہے!

یہ خطبہ نہیں دکھی دل کی پکار ہے —!

غیروں اور دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھائی جا سکتی ہے، اور تلوار کو حکم بنا کر معاملات و اختلافات کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لیکن خدارا بتاؤ جب اپنے دست و بازو دھوکہ دینے لگیں، جب اپنے اعضاء و جوارح ساتھ دینے سے انکار کر دیں، جب اپنی آنکھ نہ دیکھنے کا عہد کرے، اپنے کان نہ سننے کا پیمان باندھ لیں، اپنا دماغ نہ سوچنے کا فیصلہ کر لے، تب کیا کیا جا سکتا ہے؟ —— کوئی اس کی بھی تدبیر ہے؟ —

اس خطبہ کا ایک ایک لفظ پیکر درد و سوز ہے! — اس کا ایک ایک حرف فریاد ہے، لیکن غیروں سے نہیں، اپنوں سے، دوستوں سے، ساتھیوں سے، رفیقوں سے —— حیف کہ یہ فریاد رائیگاں گئی، درد و سوز میں ڈوبی ہوئی یہ باتیں نہ سنی گئیں، جو لوگ غمگسار اور جاں نثار تھے، انہوں نے منہ پھیر لیا، انہوں نے دھوکا دیا، انہوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا —— لیکن علی مرتضیٰؓ نے جہاں اور بہت سے ستم سہے تھے، یہ وار بھی سہہ لیا۔ اور جب تک اس دنیا سے رخصت نہ ہو گئے۔ انہی ہمراہان سست گام سے عہد وفا نباہتے رہے، اور اپنی طرف سے کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ —

یا علی مدد

یا اللہ مدد

ہم عصروں اور ہم چشموں کا ذکر

تقدیم

اُن لوگوں نے جنہیں حضرت علیؓ کی ذات گرامی سے معلوم اور نامعلوم وجوہ کی بنا پر کد ہے، ان پر ایک تہمت یہ بھی لگائی ہے، کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مخالف تھے، ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، نہ ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

لیکن نگاہ غور سے اگر دیکھا جائے تو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ کہ انہوں نے بعض اصولی معاملات میں اختلاف اور سنگین اختلاف کے باوجود حضرات شیخین اور دوسرے ہم عصروں اور ہم چشموں کا جب کبھی بھی ذکر کیا ہے، تو ان کے صفات و حسنات کے اعتراف میں نہ صرف بخل نہیں فرمایا۔ بلکہ نہایت وسعت قلب کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ اور ان کے کمالات و فضائل کو تسلیم کیا ہے۔

ظاہر ہے نبیؐ کے سوا کسی شخص کو بھی معصوم نہیں قرار دیا جا سکتا، جب معصوم نہیں قرار دیا جا سکتا تو بر بنائے بشریت اس سے لغزش کا صدور بھی ممکن ہے، حضرات شیخین جلالتِ شان اور علوئے مرتبت کے باوجود بہرحال انسان تھے، ان سے فکر و نظر کا اختلاف ممکن تھا۔ اور اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ذاتیات پر مبنی تھا۔ حق اور صداقت کے ساتھ دشمنی ہے۔ بہت بڑی تہمت ہے۔ اتنی بڑی تہمت جسے نہ خدا معاف کر سکتا ہے نہ تاریخ۔

اس بات کے ماتحت ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے ہم عصروں اور ہم

چشموں کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، اور اس کا اظہار کس انداز میں کرتے تھے؟

عمرؓ کا سوال علیؓ کا جواب۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جنگ روم میں جب بہ نفس نفیس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کیا، اس موقع پر آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:۔

خدائے تعالیٰ اہل اسلام کا ضامن اور ان کے حدود و نواحی کا نگہبان ہے اور ان کے رازوں کا (جن سے دشمن کو آگاہ نہ ہونا چاہئے) پوشیدہ رکھنے والا ہے اور اس خدائے بزرگ و برتر نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی یاری و یاوری کی جب کہ وہ تعداد میں کم تھے اور (دشمن سے) انتقام نہیں لے سکتے تھے، اور انہیں مغلوب ہونے سے بچائے رکھا، حالانکہ وہ قلیل تھے اور توانائی و دفاع سے محروم تھے، (جب خدا نے اس وقت مدد فرمائی، تو اب کیوں نہ فرمائے گا، کیونکہ وہ خدائے متعال) زندہ ہے اس پر موت کبھی طاری نہیں ہوتی۔

اگر تم خود دشمن (قیصر روم) سے لڑنے کے لئے گئے، اور اس سے بھڑ گئے اور شکست کھا گئے، تو دور دست شہروں اور سرحدوں کے مسلمانوں کو (کہیں) پناہ نہ مل سکے گی، تمہارے (کشتہ ہونے یا شکست یاب ہونے کے بعد) کوئی مرجع نہیں ہوگا کہ مسلمان (فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے اس کی طرف) مراجعت کر سکیں، پس مصلحت یہ ہے کہ تم خود تو نہ جاؤ، ہاں اپنے بجائے) مرد جنگ دیدہ و دلیر کو، ان کی طرف بھیج دو۔ اور اس کے ساتھ ایسے لوگوں کو روانہ کرو، جو جنگ کے شدائد اور سختیوں کو جھیل سکیں، اور (اپنے سردار کی) نصیحتوں اور ہدایتوں کو قبول کر سکیں، پس اگر یہ لوگ غالب آگئے تو فہو المراد اور کیا چاہئے

اور اگر واقعہ دیگر (شکست) پیش آیا، تو تمہاری ذات مسلمانوں کی (بدستور) پناہ اور مددگار رہے گی، (دوسرا لشکر) فراہم کرکے دوبارہ جنگ چھیڑ سکو گے'!

حضرت علیؑ

عمرؓ کا ایک اور سوال اور علی کرم اللہ وجہہ کا جواب

اس طرح کا ایک اور واقعہ :-

حضرت عمرؓ نے جنگ فارس (ایران) میں جب خود شریک ہونا چاہا اور اس باب میں آپ سے مشورہ کیا، تو آپ نے فرمایا:

اسلام کی نصرت اور خذلان کا انحصار (سپاہ کی قلت و کثرت پر نہیں ہے، یہ خدا کا وہ دین ہے جسے تمام ادیان پر) اس نے غلبہ عطا فرمایا ہے، اور یہ اس کا وہ لشکر ہے، جسے اس نے مہیا کیا ہے، اور اس کی اعانت کی ہے یہاں تک کہ یہ کہاں تک پہنچا۔ اور اس نے کہاں تک ترقی کرلی؟ ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ ہے اور بلاشبہ خدا اپنا وعدہ (ضرور) پورا کرے گا، وہ اپنے لشکر کا معین و ناصر ہے۔

قیّم بالامر (حاکم و امیر) کی حیثیت رشتۂ مہرہ کے مانند ہوتی ہے (جو موتیوں یا جواہرات کو) مجتمع رکھتا ہے، پس اگر رشتہ ٹوٹ گیا، مہرہ بھی جدا ہو جائے گا۔ اور ہار کے دانے پراگندہ ہو جائیں گے، اور وہ پھر کسی طرح مجتمع نہیں ہو سکیں گے، آج اگرچہ عرب کم ہیں۔ لیکن دین اسلام کے سبب وہ سب پر بھاری ہیں۔ اور اپنے اجتماع و یگانگی کے باعث سب پر غلبہ رکھتے ہیں، آپ وہ میخ بن جائیے جو چکّی کے وسط میں ہوتی ہے اور پھر اسے عربوں کے ذریعے گردش دیجیے۔ جنگ میں انہی کو روانہ کیجئے خود نہ جائیے اور اگر آپ نے اس سرزمین (مدینہ طیبہ) سے قدم باہر نکالا۔ تو عرب اطراف و جوانب سے ٹوٹ پڑیں گے

عہد توڑ دیں گے، اور فساد و تباہ کاری پر مائل ہو جائیں گے (رشتۂ نظم مملکت کمزور پڑ جائے گا) اور یہ ان رخنوں سے زیادہ اہم ہو جائیں گے، جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔

ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے) یہی پیشوائے عرب ہے، اسے اگر کسی طرح ہلاک کر دیا جائے تو آسائش حاصل ہو جائے، پس یہ بات انہیں جنگ پر اور زیادہ حریص کر دے گی۔ اور وہ آپ کی طمع میں (ایڑی چوٹی) کا زور لگا دیں گے،

اور آپ کا یہ قول کہ ایرانی مسلمانوں پر چڑھائی کر رہے ہیں، تو خدائے کارساز ان کے اس فعل کو آپ سے کہیں زیادہ ناگوار سمجھتا ہے۔ اور وہ اپنے ناپسند امر کے تغیر پر آپ سے زیادہ قادر ہے۔

اور آپ نے ان کی (کثرت) تعداد کا جو ذکر کیا، تو (یاد رکھئے) ہم نے عہد ماضی (عہد رسالتؐ) میں بھی کبھی کثرت تعداد کے بل پر لڑائی نہیں لڑی، ہمارا جہاد ہمیشہ نصرت و معونت الٰہی کی بنیاد ہی پر رہا ——!

وفاتِ عمرؓ اور تاثراتِ علیؓ

خدا عمرؓ کے شہروں کو برکت دے، اور ان کی محافظت فرمائے، کہ اس نے
کجی کو راست کیا، بیماری کا معالجہ کیا، اور سنّت کو قائم کیا۔ فتنہ کو ختم کر دیا
پاک جامہ وکم عیب اس دنیا سے رخصت ہوا، خلافت کی نیکی تک پہنچا، اور اس
کے شر سے گزر گیا، خدا کی طاعت بجا لایا۔ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا، اس کی
طاعت کا حق (اچھی طرح سے) ادا کیا (لیکن وہ) اس دنیا سے اس حال میں رخصت
ہوا کہ لوگوں کو گوناگوں، راستوں پر ڈال دیا۔ جن میں گمراہ راہ یاب نہیں ہو سکتے
اور راہ یافتہ یقین دیاور پر قائم نہیں رہ سکتے۔!

کرم اللہ وجہہ

ابوذر غفاریؓ اور علی مرتضیٰؑ

حضرت ابوذر غفاری کو جب خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے ربذہ (ایک مقام) کی طرف جلا وطن کیا۔ تو علیؑ بن ابی طالب نے ان سے بوقت رخصت (بطور دلداری فرمایا)

اے ابوذر ——— !

خدا (کی رضا و خوشنودی کے حصول) کے لئے تم نے عتاب کیا پس اس سے امید دار کرم بھی رہو، جس کے لئے تم نے ختم کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی دنیا پر تم سے خائف ہیں، اور تم ان لوگوں سے اپنے دین کے لئے خائف ہو، پس یہ لوگ اپنی جس چیز کے لئے تم سے ڈرتے ہیں، اسے (دنیا کو) ان کے حوالے کر دو، جس چیز (دین) کی خاطر تم ان سے خائف ہو، اسے لے کر بھاگ جاؤ۔ وہ چیز (دین ایمان) جس کے یہ بہت زیادہ حاجت مند ہیں تم نے انہیں نہیں دی) اور جو کچھ (مال دنیا) انہوں نے تمہیں نہیں دیا، تم اس سے بالکل بے نیاز ہو) اور بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کل (قیامت میں) نفع میں کون رہا؟ اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں، اور اگر آسمان و زمین کے دروازے کسی کے لئے بند ہو جائیں اور وہ شخص متقی اور پرہیزگار ہو، تو خدا ضرور اس کے لئے راہ خلاصی پیدا کرے گا۔[1]

اے ابوذر !

[1] جیسا قرآن میں وارد ہوا ہے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔ نیز ارشاد ہوا۔ ویرزقہ من حیث لا یحتسب!

(اس بات کا خیال رکھو کہ تم سے (خواہ) کوئی انس نہ رکھے مگر حق، اور کوئی نہ بھاگے مگر باطل!

پس اگر تم نے ان لوگوں کی دنیا قبول کر لی تو یہ تمہیں دوست رکھیں گے اور اگر اس دنیا کی کوئی چیز تم نے لے لی، تو یہ تمہیں امن دیدیں گے!

استدراک۔

حضرت عثمان غنی رضی، اور حضرت ابوذر غفاری رض جیسے اجل صحابہ کا بنیادی اور اساسی امور میں اختلاف، تاریخ اسلام کا نہایت ہی اہم اور قابل غور و تامل واقعہ ہے۔ اس اختلاف نے اتنی نازک صورت اختیار کر لی کہ حضرت عثمان رض نے حضرت ابوذر کو جلا وطن کر دیا۔ اور اسی عالم جلا وطنی میں اس عظیم و جلیل صحابی رسول ص نے وفات پائی، امیر المومنین حضرت علی ع کا رجحان و میلان ذہنی اعتبار سے حضرت ابوذر ہی کی طرف تھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ممانعت کے باوجود حضرات حسنین ع کے ساتھ آپ ان کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، اور وقت رخصت جو کلمات ارشاد فرمائے وہ اوپر درج ہو چکے ہیں.....!

حضرت ابوذر کے کردار اور شخصیت کو سمجھنے کے لئے میں نے مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "ابوذر غفاری" سے ذیل کا مواد مرتب کیا ہے، مولانا کا شمار بھارت اور پاکستان کے سرآمد روزگار علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے، مولانا نے اس کتاب میں جو واقعات و سوانح درج کئے ہیں وہ اصابہ اسد الغابہ، استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ ہیں، نیز صحاح (بخاری و مسلم وغیرہ) اور دوسری کتب حدیث کو بھی استنباط نتائج میں انہوں نے پیش نظر رکھا ہے، لہذا کتاب کی اسنادیت اور استناد ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔

اس کتاب کے واقعات و سوانح، و استنباط نتائج کو شاندار الفاظ میں ملت

کے جن بزرگوں نے خراج تحسین پیش کیا ان میں مولانا اشرف علی تھانوی مغفور، نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی مرحوم، اور علامہ اقبال خاص طور پر قابل ذکر ہیں، علامہ اقبال تو ایک "ابوذر سوسائٹی" کی اسکیم پر غور فرمانے لگے تھے۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب رکھا، اسی کو حضور سرورکائنات صلعم نے "یا جندب" کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا، ابوذر آپ کی کنیت ہے۔

آپ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے، جو لوٹ مار میں مشہور تھا، خود آپ کا عنفوان شباب بھی قتل و غارت اور لوٹ مار میں گزرا، کچھ عرصہ بعد ضمیر کے ٹھوکوں نے سلامت روی پیدا کردی، اور اس کام سے باز آگئے، بت پرستی سے بھی طبیعت نفور ہو گئی۔

اسی اثنا میں رسول اللہ کا چرچا سنا۔ اشتیاق کے ساتھ دکھ جھیلتے، اور مصیبتیں سہتے مکہ پہنچے، یہ بات دل کو گراں گزری کہ منکرین رسول سے رسول کا پتہ پوچھیں، طے کر لیا، کسی سے دریافت نہیں کریں گے، خود ہی پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی، کئی دن ان کے مہمان رہے لیکن دونوں میں سے کسی نے کسی سے کچھ پوچھ گچھ نہیں کی، ایک روز اتفاقاً رسول اللہ کا دیدار ہوا۔ لیکن دیدار کے باوجود پہچان نہ سکے، کچھ باتیں ضرور ہوئیں، مکہ میں کافی عرصہ گذر چکا تھا۔ اور یہ ساری مدت تقریباً فاقہ سے گزری تھی حضرت ابوبکرؓ اپنا مہمان بنا کر لے گئے، دوسرے دن پھر حضرت علیؓ اپنے ہاں لے آئے، اب ابوذرؓ ضبط نہ کر سکے، دل کی حالت بیان کر دی۔ اور کہا جس رسول کا چرچا سنا ہے اس کے دیدار کے لئے آیا ہوں، امیر المومنینؓ نے فرمایا۔

فانہ حق، وھو رسول (بخاری) — یہ بالکل سچ ہے، واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں،

پھر حضرت علیؓ ابوذر کو اپنے ساتھ لے کر دربار رسولؐ میں پہنچے، اور کہا کچھ سنایئے، آپ نے چند آیتیں تلاوت فرمائیں، ادھر سورت ختم ہوئی ادھر حضرت ابو ذرؓ نے کلمہ پڑھ لیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرہ زمین پر کل چار تھی ایک کا اور اضافہ ہو گیا[1]۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے، انہوں نے اپنے مہمان کو پہچان لیا، اور پھر اپنے ہاں لے گئے، پھر آپ وہیں رہنے لگے!

کچھ عرصہ تک وہاں قیام رہا، اس مدت میں قریش نے کئی مرتبہ آپ پر حملے کئے اور ایذائیں پہنچائیں، کیونکہ وہ اسلام سے اور مسلمانوں سے چڑتے تھے، اور آپ کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ حرم کعبہ میں پہنچکر خدا کی وحدانیت، اور محمدؐ کی رسالت کا اعلان کرتے تھے، اتنا پٹتے تھے کہ خون جاری ہو جاتا تھا۔ مگر کلمۂ حق زبان پر جاری رہتا تھا،

پھر رسولؐ اللہ نے آپ کو اس کام پر مامور فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں، سب سے پہلے آپ نے بھائی اور ماں کو دعوت اسلام دی، جو بے تامل قبول کر لی گئی، تبلیغ کی آپ کو لگن لگی تھی، اس لگن نے کچھ ایسا سوز اور تاثیر پیدا کر دیا تھا کہ جو سنتا تھا دم بھرنے لگتا تھا۔ آپ نے نہ صرف اپنے قبیلہ غفار کو مسلمان کیا، بلکہ اپنے حلیف قبیلہ اسلم کو بھی مسلمان کر لیا، اور ان دونوں قبیلوں کو لے کر حضور اکرمؐ کے حضور میں مدینہ حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ ابو ذرؓ کے اس کارنامہ سے بہت مسرور ہوئے، فرمایا،

غفار، غفر اللہ لھا، اسلم، سالمھا اللہ۔ (صحاح ستہ)

غفار: خدا ان کی مغفرت فرمائے، اسلم خدا انہیں سلامت رکھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔

آں حضرتؐ نے ابو ذرؓ کے قبیلہ (اور انہی کی وجہ سے اسلم) کے لئے جو الفاظ خیر و برکت استعمال فرمائے وہ کبھی کسی دوسرے قبیلے کے لئے لسانِ رسالتؐ سے ادا نہیں ہوئے، اسلم اور غفار قبیلے واپس چلے گئے، ابو ذرؓ دامنِ رسالتؐ سے پھر الگ نہیں ہوئے

حضرت ابو ذر غفاریؓ :-

آنحضرتؐ جب غزوۂ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے، تو آپ نے مدینہ کا امام اور امیر ابو ذرؓ ہی کو بنایا[1]، اکثر ایسا ہوتا، آنحضرتؐ جب کسی سواری پر بیٹھتے تو پیچھے ابو ذرؓ کو بٹھا لیتے، اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے[2] یہ اتنا بڑا اعزاز تھا جو بہت کم لوگوں کو حاصل تھا۔

آپ آنحضرتؐ کے راز دار بھی تھے۔ آنحضرتؐ کا ذکر ابو ذرؓ بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے، مسند احمد میں ان سے ایک حدیث مروی ہے، اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اوصانی حبی بخمس ارحم المساکین واجالسھم وانظر الی ما ھو تحتی و لا انظر الی ما ھو فوقی، وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مرا و ان اقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔	میرے محبوبؐ نے مجھے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں۔ اور انہی کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں، ہمیشہ اپنے سے ابتر حال والوں پر نظر رکھوں، اور اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں، اور رشتہ داروں کے ساتھ

(حسن) سلوک کروں۔ اور سچ بولوں۔ اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو، اور کہتا رہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا، اور نہ فرمانبرداری پر قادر ہو سکتا ہوں۔ مگر صرف خدا کی مدد سے۔

اور زندگی بھر ان ہدایاتِ پنجگانہ پر ابو ذرؓ صداقت اور استقامت کے ساتھ

---

[1] زاد المعاد ۔ [2] طبقات ابن سعد ص۱۲ و مسند احمد وغیرہ۔

عمل پیرا ہے۔

رسول اکرمؐ سے عشق و محبت کا یہ حال تھا کہ ابوذرؓ جب کوئی حدیث روایت کرتے، تو آنحضرتؐ کا نام زبان پر آتے ہی گریہ طاری ہو جاتا، ایک دفعہ اس خلجان میں مبتلا ہوتے، اگر کہیں عالم آخرت میں جنت نہ ملی تو دیدار رسولؐ کیونکر ہوگا بے قرار ہو گئے، آنحضرتؐ نے ان کی کیفیت دیکھ کر تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

انت مع من احببت۔ تو اس کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے،

خود آنحضرتؐ کی یہ کیفیت تھی، کہ ایک مرتبہ حالت علالت میں آپؐ نے ابوذرؓ کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے، تو شدت ضعف کے باعث آپؐ اٹھ نہ سکے، ابوذرؓ جھکے، آنحضرتؐ کے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھے، اور انہیں سینہ سے چمٹا لیا[۱]۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ابوذرؓ کے بارے میں فرمایا:

من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذرؓ۔ جو حضرت عیسیٰ کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے، پس وہ ابوذر کو دیکھے۔

جنگ تبوک کے موقع پر ابوذرؓ بھی ساتھ تھے، لیکن عالم جذب میں پیچھے رہ گئے ہوش آیا تو قافلہ نبوی سے اوجھل ہو چکے تھے، اونٹ کو دوڑانے کی کوشش کی لیکن وہ مریل تھا، دوڑ نہ سکا، اونٹ سے اترے، اور پا پیادہ قافلہ نبوی کے تعاقب میں دوڑ پڑے، لوگوں نے ابوذرؓ کے پیچھے رہ جانے پر چہ میگوئیاں شروع کر دی تھیں آنحضرتؐ نے ابوذرؓ کو یوں آتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے فرمایا،

رحمہ اللہ ابا ذر، یمشی وحدہ و یموت وحدہ و یبعث وحدہ[۲] خدا ابوذر پر رحم فرمائے، بیچارا اکیلا چلا آتا ہے، اکیلا ہی مرے گا، اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔

---

[۱] مسند امام بن حنبل الامام - [۲] صحابت -

اور آنحضرتؐ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ابوذرؓ لوگوں کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، جس حالت میں وہ رسول اللہؐ کے زمانے میں تھے، لیکن اب زمانہ بدل رہا تھا، حالات بدل رہے تھے، لہذا لوگ بھی کسی نہ کسی حد تک بدل رہے تھے، لیکن ابوذرؓ کو اس پر فخر تھا کہ وہ ذرا بھی نہیں بدلے،

لوگو!

"میں قیامت کے دن آنحضرتؐ کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب رہوں گا، کیونکہ میں نے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے تم میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب قیامت کے دن وہ شخص ہوگا، جو دنیا میں اسی حال سے رخصت ہو، جس حال میں اسے چھوڑ کر جاؤں۔ اور خدا کی قسم تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو، اور اس کے ساتھ کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، سوا میرے۔"[۱]

امیرالمومنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

"اب دنیا میں کوئی نہیں رہا، جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کے لعن و شناعت سے نہ ڈرتا ہو، سوا ابوذرؓ کے۔"[۲]

ان لوگوں سے خاص طور پہ اجتناب کرتے تھے، جو مناصب اور عہدوں پر فائز تھے، ایک مرتبہ یمن کے صوبہ دار، حضرت ابوموسیٰ اشعری ملنے آئے، اور وفور شوق سے کرسے لپٹ گئے، مگر ابوذرؓ نے سیدھے منہ بات نہ کی، کہنے لگے،

---

۱ طبقات ابن سعد و مسند احمد ۲ طبقات

الیک عنی ، الیک عنی   مجھ سے دُور رہو، مجھ سے دُور رہو۔

وہ کہتے رہے میں تو تمہارا بھائی ہوں، فرمایا:

"تم سے برادری اس وقت تک تھی جب تک کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقر

نہیں ہوئے تھے"۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ بھی (جو بحرین کے صوبہ دار تھے

پیش آیا۔ جس سے معلوم ہوگا۔ اجتناب کا راز کیا تھا۔ آپ نے پوچھا،

"صوبہ داری کے زمانہ میں تم نے کوئی اونچی کوٹھی بنوائی؟ کوئی بڑی زمینداری

حاصل کی؟ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے مالک بنے؟"

ابوہریرہؓ نے کہا نہیں، یہ سنکر خوش ہوگئے، گلے لگالیا: اور کہا،

"تم میرے بھائی ہو!"[1]

عہد خلافت عثمانیؓ میں ابوذرؓ دمشق میں تھے، کمبلوں کا ایک چھونپڑا ڈال ی

تھا، وہیں اہل وعیال سمیت رہتے تھے[2]،

دمشق کی زندگی ابوذرؓ کو مکہ اور مدینہ کی زندگی سے بہت مختلف نظر آئی، کہ

وہ تقدس اور انفاق فی سبیل اللہ کی زندگی، کہاں یہ اتقا سے غیر متعلق اور سرام

طلبی کے لئے زندہ رہنے کا مقصد، ابوذرؓ یہ صورت حال برداشت نہ کرسکے، ا

بغیر خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے لگے،

فرمایا کرتے:

خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جا

رہا ہے، سچے جھٹلائے جارہے ہیں، بغیر تقوی کے لوگ خود غرضیاں

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] طبقات ابن سعد جزء رابع۔

اختیار کر رہے ہیں۔"

پھر یہی نہیں، ابو ذر نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ مال و دولت جمع کرنے کو لگے ہوئے ہیں۔ اور صرف اسی چیز کو مقصد حیات قرار دے چکے ہیں، ابو ذر صحابی رسول تھے، عاشق رسول تھے، انہیں معلوم تھا، رسول اکرم مال و زر، اور سونے چاندی کے اکتناز کو کس درجہ ناپسند فرماتے تھے، یہ منظر اتنا دل خراش تھا کہ وہ چپ نہ رہ سکے، انہوں نے فاش و برملا قول رسول کی تبلیغ شروع کر دی، بغیر کسی اندیشہ اور باک کے وہ لوگوں تک اپنے رسول امی کا پیام پہنچانے لگے:۔

"کانزین (یعنی سونا چاندی جمع کرنے والوں) کو مژدہ سنا دو کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک چھاتی پر رکھی جائیں گی۔ حتی کہ وہ سینہ کو توڑ کر مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی، اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائیں گی۔ حتی کہ وہ دوسری چھاتی کو توڑ کر باہر نکل جائیں گی[1] ___!

کبھی وہ قول نبی سنا چکتے تو ارشاد الٰہی کی تبلیغ و تلقین میں مصروف ہو جاتے فرماتے:۔

الذین یکنزون الذھب و
فضة ولا ینفقونھا فی سبیل
اللہ فبشرھم بعذاب الیم
یوم یحمی علیھا فی نار جھنم
فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم
وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم

جو لوگ سونے چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو، اس دن وہی چاندی سونا آگ میں گرم کیے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو، اور پیٹھ داغی جائیں گی، اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدہ کے لئے تم نے اکٹھا کر رکھا تھا، پس چکھو اس چیز کو جسے تم لوگ جمع کرتے

[1] البلاذری جلد ۵ ص۵۳ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

فذوقوا ما کنتم تکنزون   تھے ۔ !

مسجدوں اور بازاروں میں ابو ذرؓ کا یہی کام تھا کہ کلام حق سنائیں ۔
ابو ذرؓ کے ان ارشادات نے دمشق میں ایک ہلچل پیدا کر دی ۔

حتی ولع الفقراء بمثل ذالک   یہاں تک کہ غرباء اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور

واوجبوہ علی الاغنیاء[2] ۔   امیروں پر (انفاق) واجب کر دیا[2]

"قاضی عیاض نے اس نظریہ کنز پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا ہے" کہ حضرت ابو ذرؓ کی دھمکیاں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپے وصول کر کے محض اپنے عیش و آرام، اور جاہ و جلال میں صرف کرتے ہیں، اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں انہیں محروم رکھتے ہیں[2]

ابو ذرؓ آخر ابوذر تھے، وہ کسی سے دبنے والے کب تھے؟ امیر معاویہ تک کو جو شام کے امیر تھے، بے جھجک ٹوک دیتے، اور امیر معاویہ کو خاموش ہی رہتے بنتی "جب دمشق میں امیر معاویہ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی "الخضراء" کی تعمیر شروع کی تو حضرت ابو ذرؓ حاضر ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے، تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو یہ خیانت ہے، اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو تو اسراف اور فضول خرچی ہے — امیر معاویہ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا[3]

امیر معاویہؓ خاموش تو ہو گئے لیکن ان کے لئے ابو ذر کی یہ تبلیغ ناقابل برداشت تھی، ایک مرتبہ وہ بحث پر اتر آئے، انہوں نے کہا،
"آپ نے غلط مطلب سمجھا ہے، یہ آیت یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان کو

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۰۲ جلد ۵ [2] فتح الباری شرح البخاری [3] انساب الاشراف بلاذری، ج ۵ صفحہ ۲۵

شان میں نازل ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟
ابوذرؓ نے جواب دیا،
ہرگز نہیں، یہ آیت مسلمانوں کی شان میں ہے[1]!
لطیفہ :۔
"جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذرؓ کے پاس بھیجا، اشرفیوں کو لے کر حضرت ابو ذر نے صبح ہونے سے پہلے ارباب استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا، امیر معاویہ نے صبح کی نماز کے بعد اس شخص کو بلایا، اور کہا تم ابوذر کے پاس جاؤ کہنا، امیر معاویہ نے دوسرے آدمی کے پاس بھیجی تھیں، غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں، آدمی نے یہی کیا، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا،
"معاویہ سے کہنا، تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے ہی خرچ ہو گئیں"!
آدمی نے یہی جاکر سنا دیا، امیر معاویہ نے فرمایا۔
بے شک! ابوذرؓ جو کچھ کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں[2]"!
گویا اس طرح امیر معاویہ نے امتحان لینا چاہا تھا، کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں[3]؟

جب امیر معاویہ نے دیکھا، کسی طرح ابوذر اپنی تبلیغ سے باز نہیں آتے تو انہوں نے افہام و تفہیم کے لئے ایک وفد بھیجا، جو حضرت ابو دردا، حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد
[2] کامل ابن اثیر، ج ۳ صـ۱۱۲
[3] ابوذر غفاری صـ۳۱

عمرو بن العاص، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا، حضرت ابوذر نے جب سب کی گفتگو سن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا :-

"مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت (اس لئے) ہوتی ہے کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے !"

پھر علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے،

"رہے تم ابودردا تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہؐ کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کا موقع بنتا، مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد سچے اور صلحائے مسلمین سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے) منشائے رسولؐ کو جتنا ہم سمجھتے ہیں وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔

اور عمرو بن العاصؓ رہے تم، تو تم خود بتاؤ، جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہؐ کے ساتھ اور کیا کیا ہے؟ (میں سالہا سال حضور کی خدمت میں رہا ہوں۔ اور تم صرف جہاد میں) پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کرنے کا حق نہیں، اور ان بیچاری ام حرام کو کیا کہوں، ایک عورت ہیں، پھر ان کی عقل بھی عورت ہی کی عقل ہوگی[۲]۔ پس جو تم لوگوں کا حال ہے ان کا (حضرت معاویہ کا) بھی اسی کے قریب ہے !"

یہ سنکر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے، اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

لاجرم ما جلست مثل ھذا المجلس ابدًا — میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا جہاں ایسی کھری کھری سنائی جائے[۳]

---

[۱] شہ میں اسلام قبول کیا۔ [۲] یہ حضرت انس کی خالہ تھیں [۳] ابوذر غفاری ص۲۲۱

اور یہ بات ابوذرؓ ہی کہہ سکتے تھے، صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی الھجۃ اصدق من ابی ذرؓ۔	کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں ڈالا، اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا۔ جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔

کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذرؓ کے دعوے کو "نبوی دعوی، یعنی مرفوع حدیث کا حکم دے دیا جائے، تو اصولاً کوئی مانع ہو سکتا ہے[۱]؟

انجام کار حضرت معاویہؓ نے منادی کرادی کہ
"ابوذر کی مجلس میں کوئی نہ بیٹھے"
پھر بھی لوگ آتے تو آپ کہتے،
"معاویہ کا حکم ہے ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے، تم اٹھ جاؤ، میں تمہارے لئے کوئی مصیبت کھڑی کرنا نہیں چاہتا[۲]"

آخر امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا،
ابوذرؓ کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہے، آپ انہیں مدینہ منورہ میں بلوا لیں[۳]"
حضرت عثمانؓ نے فرمان بھیجدیا، کہ مدینہ چلے آئیں، آپ فوراً روانہ ہوگئے

---

۱ ابوذر غفاری ص۲۲۴

۲ طبقات ابن سعد، ص۱۶۶

۳ طبقات، ج ۴ ص۱۶۶

یہاں بھی خلقت نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور آپ بدستور اپنی تبلیغ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ تک شکایتیں پہنچیں، کہ جس کے لئے یہ شام سے بلائے گئے ہیں وہی کام یہاں بھی شروع کر دیا ہے، حضرت عثمانؓ نے آپ کو بلوایا۔ دربار میں کعب احبارؓ موجود تھے، حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو، اور سمجھاؤ، کعب احبار آگے بڑھے اور کہا:

"آپ جانتے ہیں دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت اسلام کی ہے، اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور انسانی فطرتوں کے مطابق ہے، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے، پھر جب اس میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟"

ابو ذرؓ کے سامنے قرآن تھا، حدیث تھی، کعب دلیل اور منطق سے گفتگو کر رہے تھے، ابو ذرؓ اپنا غصہ نہ ضبط کر سکے، سونٹا اٹھا کر کہا:

او یہودیہ کے بچے یہ کیا باتیں بناتا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے کہا۔

" او یہودی، کیا ہم لوگوں کو ہمارا دین سکھاتا ہے۔"

۱؎ پہلے یہودی تھے، پھر اسلام لے آئے۔

۲؎ ابن خلدون۔

۳؎ انساب الاشراف بلاذری۔

اسی فقرہ میں کعب احبار کے تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا۔ دیکھو بلاذری، مطبوعہ یہودی یونیورسٹی فلسطین[۱]۔

کعب احبار بھاگے، لیکن ابوذرؓ کا سونٹا چل گیا۔ اور کعب کا سر کھل گیا۔

اب ابوذرؓ مدینہ کی اقامت ترک کرتے ہیں، دیار رسولؐ سے رخصت ہوکر دوسری جگہ جانے کے لئے کوچ کی تیاری کرتے ہیں۔

تاریخ کے صفحات میں متعدد وجوہ ملتے ہیں، حضرت عثمانؓ سے سخت کلامی حضرت عثمانؓ کی برہمی، اور سخت و ناملائم الفاظ کا استعمال، یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمانؓ نے آپ کو جلا وطن کر دیا۔ اور یہ بھی کہ آپ نے خود ہی مدینہ کی اقامت ترک کرنا مناسب سمجھا، بہرحال آپ نے فیصلہ کر لیا کہ ربذہ چلے جائیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

آپ وہاں جا سکتے ہیں، میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا[۲]۔ لیکن حضرت ابوذر کی غنی طبیعت نے اسے قبول نہ کیا[۳]۔ بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوتے تھے ان کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

دونکم معاشر قریش دنیا کم   گروہ قریش، اپنی دنیا کو تم لو، اور اسے خوب زور سے تھامو
فاعتنموھا لاحاجۃ لنا فیھا   ہمیں اسکی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں!

خود ابوذرؓ کی جو روایت ہے، اس میں یہ ہے کہ

---

[۱] ابوذر غفاری (مولانا گیلانی) ص۲۳۶
[۲] طبقات ابن سعد۔
[۳] ابوذر غفاری ص۲۴۰

"مدینہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا۔ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ عثمانؓ سے اسباب کا تذکرہ کیا گیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا، اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں[1]۔

ربذہ مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک گاؤں سا تھا۔ یہاں آپ نے کمبلوں کا ایک جھونپڑا ڈال لیا، اور رہنے لگے۔ ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ نے تین سو اشرفیاں بھیجیں۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا[2]۔

ایک مرتبہ فرمایا:

بنو امیہ کے امرا، مجھے فقر اور افلاس سے ڈراتے ہیں، حالانکہ مجھے فقر تونگری سے زیادہ محبوب ہے[3]"،

ایک مرتبہ فرمایا:

امرا بنو امیہ مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے زیادہ مجھے محبوب ہے[4] ــــــ!

حضرت ابوذر کو، کئی مرتبہ بغاوت پر اکسایا گیا، لیکن انہوں نے اطاعت کو بغاوت پر ترجیح دی، وہ مسلمانوں میں فتنہ وفساد کے قائل نہیں تھے۔

ذی الحجہ ۳۲ھ میں ابوذر سخت بیمار پڑے، حج کا ارادہ تھا پورا نہ ہو سکا،

---

[1] طبقات ابن سعد،
[2] حلیۃ اولیاء ابی نعیم،
[3] حلیۃ اولیاء، [4] البلاذری ج ۵ ص ۵۴

میں صرف چند نفوس تھے، اور یہ بھی سرکاری ملازم، کچھ حج کی وجہ سے کچھ حضرت عثمانؓ کی خبر آمد سنکر چلے گئے۔ ربذہ بالکل خالی ہو گیا، حالت لمحہ بلحہ نازک ہو رہی تھی، کہ موت کے آثار دیکھ کر بیوی رونے لگیں، ابو ذرؓ نے نحیف آواز میں پوچھا،

"کیوں رو رہی ہو؟"

جواب دیا۔

تمہارا وقت قریب آگیا ہے، اور یہاں کوئی نہیں، میں ٹھیری عورت، اس پتھریلی زمین پر قبر کیسے کھود سکوں گی، اور گھر میں ایک کوڑی بھر نہیں کفن کا کیا ہو گا؟"

ابو ذرؓ نے آہستہ آہستہ کہا:

"صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں رسول اللہ کے ساتھ تھا، آپ نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا، جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہو گا، (ان میں سے) اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں، جاؤ راستہ پر جاکر بیٹھ جاؤ، کیونکہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔"

بیوی بےچاری جاکر راستہ تکنے لگیں، کہ یکایک گرد سی اڑتی دکھائی دیتی ہے۔ گرد چاک ہوتا ہے، اندر سے گردنیں اٹھائے ہوئے اونٹوں کی ایک قطار نہایت تیزی کے ساتھ نمودار ہوتی۔ وہ اس طرح اڑے چلے آرہے تھے، گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی آرہی ہیں۔ جب وہ قریب آئے تو ایک خاتون کو کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئے، دریافت حال کیا۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ ابوذر کی بیوی ہیں۔ اور وہ مرض الموت میں مبتلا ہیں،

۱؎ استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صفحہ ۔ ۲؎ طبقات ابن سعد۔

ایک کہرام مچ گیا، غل تھا

"وہ ——— ہمارے ماں باپ اُن پر قربان ہوں!"

"وہ ——— اُن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں!"

یہ کہتے ہوئے سب مریض کے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے!

ادھر حضرت ابوذر جب بیوی کو باہر بھیج چکے، تو اپنی صاحبزادی سے فرمایا
"بیٹی ایک بکری ذبح کر لو، اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو، گھر
میں مہمان آ رہے ہیں، جب وہ مجھے دفن کر لیں تو تم ان سے کہنا کہ ابوذر نے آپ
لوگوں کو خدا کی قسم دی کہ جب تک کھانا نہ کھالیں، اپنی سواریوں پر نہ سوار ہوں"
اسی اثنا میں وہ سوار آگئے، سکرات کا عالم طاری ہو چکا تھا، لیکن زبان
ابھی قابو میں تھی، ان مہمانوں سے کہا۔

"اے کاش میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں ان میں سما کر کفن بنا لیتا
پھر میں کسی کفن کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ مگر ——— اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں
خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی (اپنے پاس سے) کفن دے وہ نہ تو کسی
کا والی ہو، نہ عریف[۲] ہو، نہ ڈاکیہ ہو[۳]۔

اتفاق دیکھو اس جماعت میں جتنے آدمی تھے، قریب قریب ہر ایک ا
عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا
میں یہ باتیں نہیں تھیں، وہ بول اٹھا مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی
ابوذر نے کہا:

"ہاں تم میرے حسب منشا ہو ———!"

---

۱ تاریخ طبری، ج ۵ مطبوعہ مصر۔ ۲ عریف اس نمائندے کو کہتے ہیں جو حکومت
کے سامنے اپنی جماعت کا ذمہ دار ہو۔ ۳ طبقات ابن سعد۔

ابوذر نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"قبلہ کی طرف میرا رخ کرو ———؟"

پھر فرمایا:

بسم اللہ و باللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

یہ واقعہ ۸ ذی الحجہ ۳۲ھ کو پیش آیا،

حضرت عثمانؓ تعزیت کے لئے خود ربذہ آئے، اور ان کی بیوی اور لڑکی کو اپنے ساتھ لیتے گئے ———!

یہ تھے وہ ابوذرؓ جن کی شباہت حیدر کرار نے کی تھی!

عثمانؓ اور علیؓ

یہ تاریخ کا بہت نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ بہتر ہے اس کا جائزہ حضرت علیؓ ہی کی زبان میں لیا جائے، آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا۔

خبردار! شیطان نے اپنے گروہ کو برانگیختہ کر دیا ہے، اور اپنی سپاہ کو جمع کر لیا ہے، تاکہ چور کو اس کے وطن میں واپس لے آئیں اور باطل کو اس کی اصل پر پہنچا دیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے کوئی (منکر (بری بات) ایسا نہیں تھا، جسے مجھ پر نہ ڈالا ہو۔ اور میرے اور اپنے درمیان، انصاف کو نہ آنے دیا۔

جس حق کو یہ خود ترک کر چکے ہیں، اس کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں، جس خون کو انہوں نے خود بہایا ہے، اس کا خون بہا طلب کر رہے ہیں۔ اگر اس خون میں ان لوگوں کا میں شریک تھا، تو اس میں ان کا بھی حصہ ہے اور اگر انہوں نے (قتل عثمانؓ) بغیر میرے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے تو پھر اس کی ذمہ داری اور مواخذہ بھی ان ہی پر ہے، ان کی سب سے بڑی دلیل خود ان ہی پر عائد ہو رہی ہے یہ اس ماں کا معدہ پی رہے ہیں جس کا دودھ ختم ہو چکا ہے، یہ اس بدعت کو زندہ کر رہے ہیں، جو مر چکی ہے، وائے نومیدی کہ مجھے وہ داعی دعوت دے رہا ہے۔ لیکن یہ داعی کون ہے؟ اور کس چیز کا جواب چاہا جا رہا ہے؟ خدا نے ان پر جو حجت تمام کر دی ہے میں اس پر راضی ہوں، خدا کو ان کی جن باتوں کا علم ہے اس پر بھی راضی ہوں، اگر یہ سرکشی کریں گے تو میں انہیں تلوار کی باڑھ پر رکھ لوں گا۔ کہ (آخری چارہ کار کے طور پر) وہی ایک چیز ہے جو حق کی مددگار ہے۔ اور باطل کی سرکوبی کا باعث ہوتی ہے۔

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ مجھے پیام دیتے ہیں کہ نیزہ زنی کے لئے باہر نکل آؤں، اور ستی ہوئی تلوار کے مقابلہ میں آنکھیں رو برو ثابت ہوں۔

ان کی مائیں ان پر ماتم کریں، میں تو وہ شخص ہوں کہ مجھے کبھی جنگ و پیکار سے دہشت زدہ نہیں کیا گیا، نہ ضرب شمشیر سے مرعوب کیا گیا، خدا نے مجھے یقین (ایمان) کی جو دولت دی ہے میں اس پر بھروسا رکھتا ہوں۔ اور اپنے مسلک کے (حق ہونے میں) ذرا بھی شک و شبہ نہیں رکھتا!۔

استدراک

حضرت عثمانؓ کی شہادت جن حالات میں ہوئی اور جن اسباب و عوامل کے ماتحت ہوئی، وہ بالکل ایک جداگانہ چیز تھی، لیکن فتنہ جو اور ہنگامہ سرشت طبائع نے یہ الزام حضرت علیؓ کے سر رکھ دیا، اور ان سے خون عثمان کا مطالبہ کرنے لگے، اس سلسلے میں حضرت عائشہ ام المومنین کو غلط فہمی میں مبتلا کیا، اور امیر معاویہ نے اس تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

حضرت علیؓ کے اس خطبہ میں حق پسندی، حق پروری اور حق پرستی کا جو جوش نظر آرہا ہے، اس کی ماہیت پورے طور پر ذہن نشین نہیں ہو سکتی، جب تک ہم اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ، قتل عثمان کا منظر اور پس منظر نہ پیش کر دیں۔

"— حضرت حضرت عثمان کے دوازدہ سالہ دور خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و سکون سے گزرے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت اور تجارت کی ترقی اور حضرت کے نظم و نسق نے تمام ملک میں

تمول، فارغ البالی، اور عیش و تنعم کو عام کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ بعض متقشف صحابہ ایام نبوت کی سادگی، اور بے تکلفی کو یاد کر کے حد درجہ غمگین تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ذر غفاریؓ جن کو آنحضرتؐ نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، علانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے، امیر معاویہ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلوا لیا، لیکن اب مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہ رہا تھا، اس لئے حضرت ابو ذر غفاریؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام ایک گاؤں میں اقامت اختیار کر لی۔

لیکن اس کے علاوہ فتنہ و فساد کی پیدائش کے اور اسباب بھی تھے —— (مثلاً) حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک دل، ذی مروت اور نرم خو تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر جرائم کو بھی بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

حضرت عثمانؓ اموی تھے، اس لئے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے، آپ ان کو تحائف پہنچانا چاہتے تھے —— حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام و استحکام کے لئے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے، (اب) خفیہ ریشہ دوانیاں شروع، عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، امیر المومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی:

حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور بھی تھے اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی، یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا۔ ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینیوں کا موقعہ مل گیا ——" (تاریخ اسلام ص ۲۵۹ شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ، از شاہ معین الدین احمد ندوی)

حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی، جس کا بجھانا

اللہ ان پر اپنی رحمت کرے

آسان نہ تھا۔ مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، چنانچہ ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے، مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر منسلک کر دیا۔ مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ان میں ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا، اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے، اہل عراق کی ایک جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کی دشمن تھی، لیکن امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب متفق تھے؛

۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا، اسلامی بیڑا رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا، محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر بیڑے کا تعاقب کیا، اور جہاں جہازات لنگر انداز ہوتے، وہ اپنی کشتی کو قریب لے جا کر اپنے خیالات (مخالف عثمانؓ) کی اشاعت کرتے۔ مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر واپس ہوتے تو چند آدمیوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن حذیفہ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی، انہوں نے کہا، ہم اس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس کا انتظام عثمانؓ کے ایما سے ہوا ہو، اور جس کا امیر عبیداللہ بن سعد ہو، اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل داستان شروع کر دی۔[۵۰]

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ ممبر پر خطبہ دے رہے تھے ابھی حمد و ثنا شروع ہی کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، عثمانؓ کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا!

---

۵۰ - ابن اثیر ص۹۱-۹۲

لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا:

"بیٹھ جاؤ!"

دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اس نے اس جملہ کا اعادہ کیا، حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا، تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی حضرت عثمان نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو کہا، لیکن ہر طرف سے مفسدین نے نرغہ کر لیا۔ اور اس قدر سنگریزوں اور پتھروں کی بارش کی کہ نائب رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرش خاک پر گر پڑا۔

حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن عاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہؓ بن مسعود اور عبداللہؓ بن ارقم کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

۲۔ بیت المال میں بے جا تصرف کیا، اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا، مثلاً حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ نے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا، مدینہ آنے کی اجازت دی، اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم اس کے لڑکے حارث کو بازار کی فروخت (پر) عشر وصول کرنے کی اجازت دی، مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا حصہ دیا۔ عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ درہم گراں قدر عطیہ دیا، اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عطا فرمائے اپنے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقم نے اس پر اعتراض کیا، تو ان کو معزول کر کے بن ثابت کو یہ عہدہ تفویض کر دیا، ایک مرتبہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ کی رقم پس انداز ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے بے وجہ زید بن ثابت کو

گراں قدر رقم لینے کی اجازت دیدی۔

۳۔ عبداللہؓ بن مسعود اور ابیؓ کے روزینے بند کر دیتے۔

۴۔ مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا۔ اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا۔

۵۔ مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لئے مخصوص کر لی

۶۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطعات زمین مرحمت فرماتے۔

۷۔ بعض کبار صحابہ کی تذلیل کی گئی اور انہیں جلا وطن کیا گیا، مثلاً ابو ذرؓ غفاری عمار بن یاسرؓ، جندبؓ بن جنادہ، عبداللہؓ بن مسعود، اور عبادہؓ بن صامت کے ساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک کیا۔

۸۔ زید بن ثابت کے تیار کردہ مصحفوں کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا۔

۹۔ حدود کے اجرا میں تغافل سے کام لیا۔

۱۰۔ فرائض وغیرہ تمام امت کے خلاف روایات شاذ پر عمل کیا۔

۱۱۔ مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں بعض کو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا، مثلاً حج کے موقع پر منی میں دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی، حالانکہ خود رسول اللہ نے اور آپ کے بعد شیخین (ابوبکرؓ و عثمانؓ) نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔

۱۲۔ مصری وفد کے ساتھ بد عہدی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں دیکھنا چاہئے کہ صداقت کا کتنا شائبہ ہے، اور رنگ آمیزی کا کتنا؟ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر

پورا نہیں اترتا۔ تاہم حضرت عثمان نے شورش رفع کرنے کے لئے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی اور ایک مجلس شوریٰ منعقد کی عمرو بن العاص[۲] نے کہا "امیر المومنین آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا اس کے "تدارک کی صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا عدل و انصاف سے کام لیجیے" یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجیے" اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجیے"۔

مجلس شوریٰ کے (دوسرے) ارکان نے (ابھی) اگرچہ اپنے خیال کے مطابق مفید رائیں دیں۔ لیکن کسی رائے سے اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور نہ تیار ہو سکا۔ حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا اور خود ایک مکمل اسکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے، حضرت طلحہ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیقات کے لئے وفود بھیجے جائیں۔

ادھر دربار خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں، دوسری طرف انقلاب کی وہ سازش مکمل ہو چکی تھی، چنانچہ بصرہ کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رخ کیا، مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے، باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ وقاص اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں، لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کیا، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجیے میں جائز مطالبات کے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں، چنانچہ حضرت علی کی وساطت سے مفسدین واپس چلے گئے[۱]

---

[۱] [illegible]

(مگر) ایک دن دفعتہً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا، کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے دیکھا تو مفسدین کی جماعت پھر واپس آگئی ہے اور انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا، مصریوں نے کہا:
راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا جو نہایت عجلت کے ساتھ مصر واپس جا رہا تھا۔ تلاشی لی گئی تو فرمان برآمد ہوا۔ جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن ماردی جائے۔ اس لئے اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا، کہ مجھے مطلق اس کی اطلاع نہیں ہے، حضرت عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا، یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا جو خلیفہ اتنا غافل ہو وہ کسی طرح خلافت کے لئے موزوں نہیں، اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا، جب تک مجھ میں جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے اپنے ہاتھ سے نہیں اتاروں گا ___!

حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا" جان نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا، چند نوجوان حضرت امام حسین ابن عباس محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر واپس نہ گئے۔ آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علیؓ اور ام حبیبہ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ خطاء صواب کی تمیز باقی نہ رہی، حرم نبوی

کا بھی ادب و احترام نہ کیا۔

یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہوگئے، چنانچہ حضرت عباس نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا، تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپ نے اپنا عمامہ اُتار کر قاصد کو دے دیا۔ اور فرمایا۔ جو حالت ہے دیکھ لو۔ اور جا کر کہدو۔[1]

باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی، مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا، باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا، حضرت امام حسنؓ جو دروازے پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی ہوئے، عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ سے نہ دیکھا گیا وہ بے تابانہ بچانے کے لئے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں۔ اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔

حضرت عثمان کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچ گئیں، جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں نکالی گئیں تو ماتم برپا ہوگیا۔ اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

حضرت علیؓ کو شہادت عثمانؓ کا حال معلوم ہوا تو اس سانحہ جاں کاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے۔ اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو مارا، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔؟

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی اکابر

---

[1] ابن سعد ص۔

صحابہ میں ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین و انصار، جن میں حضرت طلحہ و زبیر بھی تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا مجھ کو اس کی حاجت نہیں، جسے تم منتخب کرو گے میں بھی اسے قبول کر لوں گا، ان لوگوں نے عرض کیا، آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے، اس لئے آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو ہم منتخب ہی نہیں کر سکتے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر میں لوگوں نے باصرار کہا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، غرض مسلمانوں کے اصرار پر امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے منظور فرما لیا۔ اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ شریک تھے۔

بیعت خلافت کے بعد سب سے مقدم فرض حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا۔ اور ان سے قصاص لینا تھا، حضرت علی کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین عدد پر کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ شہادت کے وقت صرف نائلہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکر دو آدمیوں کے ساتھ جنہیں وہ پہچانتی نہیں تھیں اندر آئے، حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی، کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے مجحوب ہو کر پیچھے ہٹ گئے، البتہ دو نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا، جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکر شریک قتل نہ تھے۔

غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ چلا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں

کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم نہیں ثابت ہوتے، اس لئے مجرمین کا کوئی پتہ نہیں چلا، اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کاروائی نہیں کر سکے۔

حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر (بعض اکابر صحابہ تک کی) نظر نہ جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ زبیر اور چند صحابہ نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ عثمانؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا، تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا قابو نہیں ہے۔ —— " آگے چل کر (بعض صحابہ کو خود اپنے طور پر قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ جمل برپا) ہوئی۔

حضرت عائشہ یہ (خبر سنکر) مکہ لوٹ گئیں، اس کے بعد ہی حضرت طلحہ و زبیر پہنچ گئے، انہوں نے بیان کیا، ہم لوگ ہنگامہ کے باعث بھاگے چلے آرہے ہیں، مدینہ میں لوگ حیران و سرگرداں ہیں، وہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں، نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں، اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ و زبیر بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے، حضرت عائشہؓ نے ان سے وہاں کے حالات دریافت کئے انہوں نے شور و غوغا کی داستان بیان کی، ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی۔ اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی ——!

خطبہ کے بعد سے اس وقت تک کی ساری عبارت تاریخ اسلام کی دو مستند ترین کتابوں :—

ان سلہ ابن سعد جلد ۳۔

۱۔ تاریخ اسلام حصہ اول۔

۲۔ خلفائے راشدین۔

سے ماخوذ ہے، یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڈھ کی شائع کردہ ہیں، اس سارے بیان کے پڑھ لینے سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں اور جو حقایق نظر کے سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عثمان کے رحم، مروت اور رواداری نے لوگوں میں حق طلبی کا مادہ پیدا کیا۔

۲۔ بنوامیہ کے جو لوگ عہد عثمانؓ میں برسراقتدار ہوئے، ان کے عدم استحقاق نے لوگوں کو مشتعل کیا۔

۳۔ مصر، کوفہ، اور بصرہ کے لوگ عزل عثمانؓ پر متفق ہوگئے۔

۴۔ یہ لوگ جب جتھہ بنا کر مدینہ آئے اور شورش کا آغاز کیا تو حضرت علیؓ کی فہمائش سے متاثر ہو کر واپس چلے گئے۔

۵۔ حضرت علیؓ نے فہمائش کا خطرہ اس وقت مول لیا جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ دخل دینے سے صاف انکار کر چکے تھے،

۶۔ راستہ میں خلافت کا قاصد ملا۔ جو یہ حکم لے جا رہا تھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔

۷۔ مشتعل ہو کر یہ لوگ واپس آئے۔

۸۔ حضرت عثمان نے اس خط سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

۹۔ ان لوگوں نے کہا ایسا غافل شخص خلافت کا مستحق نہیں، لہذا دستبرداری کا مطالبہ کیا۔

۱۰۔ حضرت عثمانؓ نے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

۱۱۔ باغیوں نے محاصرہ کر لیا۔

۱۲۔ حضرت علیؑ نے اپنے جگر گوشوں حسنؑ و حسینؑ کو حفاظت پر مامور کیا۔

۱۳۔ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا، حسنینؑ مدافعت میں زخمی ہوئے حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو پیٹا۔ اور دوسروں کو بُرا بھلا کہا۔

۱۴۔ حضرت علی سے شہادت عثمان کے بعد جن لوگوں نے باصرار خلافت قبول کر لینے کی استدعا کی ان میں حضرت طلحہ و زبیر بھی تھے،

۱۵۔ حضرت علیؑ منصب خلافت قبول کرنے سے انکار فرماتے رہے لیکن اصرار سے مجبور ہو کر قبول فرمایا۔

۱۶۔ بیعتِ خلافت کے بعد قصاص عثمان پر توجہ کی، محمد بن ابی بکر نے انکار کیا۔ حضرت نائلہ نے تصدیق کی کہ یہ قتل کرنے والوں میں نہیں تھے۔

۱۷۔ قاتلوں کو نہ حضرت نائلہ پہچانتی تھیں، نہ محمد بن ابی بکر، اور پھر شرعی شہادت کے بغیر کسی کو بھی قصاص کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔

۱۸۔ بیعت کے بعد حضرت علیؑ سے اجازت لے کر حضرت طلحہ و زبیر حضرت عائشہ کے پاس مکہ تشریف لے گئے، اور ابتر حالات بیان کئے جس سے حضرت عائشہ قصاص عثمانؓ کے بارے میں اور زیادہ سخت ہو گئیں۔

۱۹۔ حضرت نائلہ مدینہ میں ہی رہیں، لیکن ان کی کٹی ہوئیں انگلیاں اور حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچ گیا، اس کی نمائش ہوئی اور انتقام انتقام کی صدائیں گونجنے لگیں۔

۲۰۔ حضرت علیؑ نے جب عہد عثمانؓ کے عمال کو معزول کیا تو امیر معاویہ دعویٰ قصاص لے کر کھڑے ہوئے، بیعت علی سے انکار کیا، اور لڑنے پر تیار ہو گئے۔

یہ باتیں اور نتائج، جو ان واقعات سے مستنبط ہوتے ہیں، انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد سوچنا چاہیئے کہ قتل عثمانؓ کی ذمہ داری حضرت علیؓ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے اور حضرت عائشہؓ تو خیر موقع واردات سے دُور تھیں، حضرت طلحہ و زبیر تو مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ جو کچھ ہوا تھا، ان کی نظروں کے سامنے ہوا تھا اور یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا تھا کہ وہ منصب خلافت قبول فرمالیں، جب وہ راضی ہوئے تو دوسرے اکابر صحابہؓ کی طرح انہوں نے بھی بیعت کی، بیعت کے بعد اجازت لی اور مکہ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت عائشہ کے ہمرکاب ہو گئے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس کی روشنی میں یہ خطبہ پڑھنا چاہیئے۔ اور یہ ہے وہ منظر جسے سامنے رکھ کر امیر المومنینؓ نے یہ خطبہ دیا تھا۔ اور اپنے آپ کو خونِ عثمانؓ سے بری الذمہ قرار دیا تھا۔

اس خطبہ کے مخاطب وہ تمام لوگ ہیں جو کسی نہ کسی نہج سے، یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ حضرت علی اس ذمہ داری کو انجام دیں، یعنی قاتلین عثمانؓ کو ڈھونڈ نکالیں، اور انہیں کیفر کردار تک پہنچا دیں۔ حضرت علیؓ کی خاص مجبوری اور بے بسی ظاہر تھی لہٰذا انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں جو حقیقت تھی وہ بیان کر دی، تاکہ اگر کوئی غلط فہمی میں مبتلا ہے تو وہ تصحیح خیال کر لے، ورنہ کسی کو کوئی بات ماننے پر مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔

طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ

"خدا کی قسم اب میں بجو کی طرح نہیں رہ سکتا۔ جس کا بھٹ تھپتھپایا جاتا ہے کہ وہ سو جائے، یہاں تک کہ شکاری پہنچے اور اسے دھوکا دے کر پکڑ لے، بلکہ (اب تو میں) اہل حق، و راستی کو ساتھ لے کر ان لوگوں سے جو حق سے روگرداں ہو چکے ہیں، مقابلہ کروں گا، فرماں برداروں کے جلو میں، اہل معاصی سے جو شک و ریب میں مبتلا ہیں جنگ کروں، یہاں تک کہ میری زندگی ختم ہو جائے"

استدراک :-

حضرات طلحہؓ و زبیرؓ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے امیرالمومنینؑ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی۔ مگر پھر نقض بیعت کر کے مخالفین کے گروہ سے جا ملے۔ حضرت علیؑ کو اس طرز عمل سے تکلیف پہنچی اور یہ دیکھ کر اندوہ والم میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا کہ جنگ جمل میں بھی یہ موجود تھے، نہ صرف موجود تھے بلکہ اس کے محرکین میں تھے، حضرت عائشہؓ نے جب خواب میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور تنبیہہ رسولؐ یاد کر کے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا تو ان ہی حضرات کی وجہ سے وہ اپنا یہ ارادہ پورا نہ کر سکیں۔ اور بالآخر جنگ برپا ہو کر رہی، مسلمانوں نے مسلمانوں کا خون بہایا، ان کی ہوا خیزی ہوئی اور ان کے شکوہ و جبروت میں فرق آیا اور ساکھ کم ہو گئی، ان ہی واقعات و حوادث نے تاریخ اسلام میں ایسے رخنے پیدا کئے جو آج تک پر نہیں ہو سکے۔

یہ بڑی الجھی ہوئی تاریخی بحث ہے لیکن تاریخ ہی ایک ایسا فن ہے جو صرف واقعات سے بحث کرتا ہے، واقعات کے اثرات و نتائج پڑھنے والوں پر چھوڑ دیتا ہے

وہ خود متاثر نہیں ہوتا، ہاں کسی دوسرے کے تاثر میں آڑے بھی نہیں آتا۔

اس موضوع پر بھی ہم ایک مرقع تاریخ کا حوالہ پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے

امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسرا قضیۂ نامرضیہ پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت عائشہ مکّہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے ان سے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دئے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے، لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکّہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دئے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ و زبیرؓ بھی حضرت علی سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کئے انہوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی، ان کے بیان سے حضرت عائشہ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی۔ اور انہوں نے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پبلک میں بدنامی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمّال و حکام کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لئے نہایت کافی تھا ان ہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ عبد اللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے

بنو امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ و کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچکر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں۔ اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامر نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، عمر فاروق کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر اس وقت خالد، ابو عبیدہ، سعد وقاص اور ابو موسیٰ اشعری نے شام و ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا، تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں تھی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں، اس لئے میرا وہاں موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لئے تیار ہو جائیں۔ چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے، ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں۔ اور بنو امیہ کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا۔ اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ

روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسن جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابو موسیٰ اشعری والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اس لئے ہتھیار لے کر حملہ کر دو۔ یا بالکل عزلت نشین ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اس اثنا میں حضرت امام حسن مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسن کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیجکر تمہیں دعوت دی ہے' اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کر دو، میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔ غرض امام حسن اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علی کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی جناب امیر نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا۔ دوسرا حضرت علی کا طرفدار تھا اور تیسرا حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وغیرہ کا حامی تھا جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے حضرت علی اور حضرت عائشہ دونوں چاہتے تھے۔ کہ

جنگ کی نوبت نہ آئے اور کسی طرح باہمی اختلافات دُور ہوجائیں صلح کی گفتگو حرفی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی حضرت علی کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا۔ اور حضرت عائشہ کی طرف کچھ اموی تھے حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہوگئی تو ان کی خیر نہیں۔ اس لئے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہ کی فوج پر شبخون مارا گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش وخروش تھا۔ قلب فوج میں ان کا ہودج تھا۔ محمد بن طلحہ سواروں کے افسر تھے عبداللہ بن زبیر پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ و زبیر کے ہاتھوں میں تھی۔

دوران جنگ میں حضرت علی گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیر کو بلا کر کہا، ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یاد کرو۔ اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑوگے، حضرت زبیر نے جواب دیا ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔

یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیر جنگ سے کنارہ کش ہوگئے اور اپنے صاحبزادے

عبداللہ سے فرمایا جان پدر علی نے ایسی بات یاد دلائی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہوگیا بے شک ہم حق پر نہیں ہیں اب میں اس جنگ میں شرکت نہیں کروں گا۔ تم بھی میرا ساتھ دو لیکن حضرت عبداللہ نے انکار کیا، تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں۔ حضرت طلحہ نے حضرت زبیر کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوگیا۔ مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت طلحہ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا جو گھٹنے میں پیوست ہوگیا۔ یہ تیر زہر میں بجھا تھا۔ زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہوگیا، اب میدان جنگ میں صرف ام المومنینؓ حضرت عائشہ اور ان کے جاں نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہوچکی تھی، دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی ام المومنینؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں۔ نا مرتبہ شناس سپاہی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے، اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل ازد اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی، عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہوکر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے کو قربان کردیا، بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا۔ کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا مارا جاتا تھا۔ اور ابن بجرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یا امنا یا خیر ام نعلم والام تغذوا ولدھا وترحم

اے ہماری بہترین ماں، اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے۔

الا ترین کم جواد کم وتختلی ھامۃ والمعصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کئے جاتے ہیں اور ان کی کھوپری اور کلائی کاٹی جاتی ہے

آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے رد و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے، اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا۔ اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا۔

نحن بنو ضبة اصحاب الجمل الموت احلی عندنا من العسل

موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں۔

ننعی ابن عفان باطراف الاسل نحن بنو الموت اذا الموت نزل

ہم موت کے بیٹے ہیں جب اتے ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہی ہیں

ردوا علینا شیخنا ثم بجل

ہمارا سردار ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لئے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علی کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا آپ نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علی کے ساتھ تھے حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کر دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مال غنیمت نہ لوٹا جائے جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکر کے ہمراہ عزت و احترام کے

مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ کیا۔ اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بصرہ میں چند روزہ قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا۔ لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لئے بس ہے، چنانچہ میدان میں قیام فرمایا۔ اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاد پرہیزگاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی کی جو توہین ہوئی ہے، اس نے علیؓ مرتضیٰ کو مجبور کیا کہ وہ آیندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔

(خلفائے راشدین، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

مذکورہ تاریخی واقعات کے اسباب وعلل اور محرکات ودواعی کی کمیت اور کیفیت میں فکر و آراء کا تصادم ہو سکتا ہے، لیکن ایک بات بہر حال سورج کی طرح روشن اور تابناک ہے اور وہ یہ کہ ملت اسلامیہ کے یہ اکابر، اختلاف کے حدود سے واقف تھے۔ اور اب یہی چیز ناپید ہے!

ابوبکرؓ عمرؓ اور علیؓ

امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی یہ مشہور کر کے لوگوں کو بہکاتے تھے کہ حضرت علیؓ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بھی دشمن تھے، اس کے جواب میں جو تحریر لکھی، اس کا ترجمہ نیچے لکھا جاتا ہے

اما بعد، اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے نذیر، تنزیل کا امین اور اس امت پر شہید بنا کے مبعوث فرمایا۔ اے قوم عرب تم بے دین تھے، بد راہ تھے، اپنا خون بہاتے تھے، اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے، اپنے رشتے کاٹتے تھے۔ اور باطل کی راہ سے اپنے آپس کا مال کھا جایا کرتے تھے، تمہاری یہ حالت تھی کہ خدا نے کرم فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری زبان کے ساتھ تم میں اٹھایا۔ اب تم مومن تھے۔ رسولؐ تم میں تھا۔ اور تم میں سے تھا۔ تم اسے پہچانتے اور اس کا نسب جانتے تھے، رسولؐ نے تمہیں کتاب وحکمت، فرائض وسنت کی تعلیم دی۔ رشتے جوڑنے، خونریزی سے بچنے، آپس میں صلح رکھنے، امانت ادا کرنے، عہد پورا کرنے کا حکم دیا، تاکید فرمائی کہ آپس میں میل محبت رکھو۔ ایک دوسرے کی دستگیری کرو ایک دوسرے پر ترس کھاؤ اور منع کیا ظلم وحسد سے، سب وشتم سے، سرکشی وزیادتی سے، حرام کھانے پینے سے، ناپ تول میں کمی کرنے سے، اور حکم دیا کہ زنا نہ کرو، یتیموں کا مال ظلم سے نہ کھاؤ۔ غرض کہ ہر اس نیکی پر ابھارا جو دوزخ سے دور کرنے والی ہے اور اس برائی سے روکا جو جنت سے دور کرنے والی ہے،

پھر جب دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت پوری ہو گئی تو خدا نے اس حال میں اٹھایا کہ آپ کی سعی مشکور تھی، عمل محمود تھا۔ گناہ معاف تھے اور خدا کے

حضور در حد عظیم تھا۔ آہ رسولؐ کی وفات کتنی بڑی مصیبت ہے اقربی رشتہ داروں کے لئے بھی اور عام مومنوں کے لئے بھی۔

رسول اللہؐ کے بعد خلافت کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہوا۔ بخدا نہ مجھے شبہ تھا نہ میرے وہم میں آیا تھا۔ کہ عرب اس معاملہ کو میرے سوا کسی اور کے سپرد کردیں گے، مگر دیکھتا کیا ہوں کہ لوگ ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اور بیعت کر رہے ہیں۔

اس پر میں نے اپنا ہاتھ بیعت سے روک لیا، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا اپنے آپ کو سب سے زیادہ حق دار سمجھتا تھا۔ ایک مدت تک میں رکا رہا۔ یہاں تک کہ لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے، اور دین محمدی وملت ابراہیمی کو مٹا ڈالنے کی دعوت دینے لگے۔ اب مجھے اندیشہ ہوا کہ اسلام اور اہل اسلام کی نصرت وامانت پر کھڑا نہیں ہونگا۔ تو ممکن ہے اسلام میں شگاف پڑ جاتے، یا اس کی عمارت ڈھ جاتی، ایسا ہوا تو یہ مصیبت تمہاری حکومت کے فوت ہو جانے سے کہیں بڑی ہوگی، اس لئے کہ تمہاری حکومت 'متاع چند روزہ' ہے اسی طرح زائل ہو جائے گی جس طرح سراب زائل ہو جاتا ہے۔ یہی سوچ کر میں اٹھا اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ پھر ان کے ساتھ معاملات کی درستگی پر کربستہ ہو گیا۔ آخر باطل مرگیا اور کفار کے علی الرغم کلمۂ الٰہی سربلند ہو گیا۔

ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی۔ اعتدال سے انہوں نے تجاوز نہ کیا۔ ان کے ساتھ میری ناصحانہ رفاقت تھی۔ اور میں ان سب کاموں میں ان کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا، جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے۔

پھر جب ابوبکرؓ کا وقت آخر ہوا تو انہوں نے عمرؓ کو بلایا۔ اور خلافت سپرد کر دی۔ ہم نے ان کی بات مان لی۔ اطاعت کی بیعت سے انکار نہ کیا۔ اور خیر خواہی کے

دطیرے پر قائم رہے۔ عمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی۔ اور وہ عمر بھر اقبال مند رہے۔

پھر جب عمرؓ بھی دنیا سے رخصت ہونے لگے، تو میں نے دل میں کہا۔ اب یہ معاملہ میرے ہاتھ سے باہر نہیں جا سکتا، مگر عمرؓ نے اسے شوریٰ قرار دے دیا، اور اہل شوریٰ میں مجھے چھٹا آدمی بنایا۔

اہل شوریٰ کو میری خلافت سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہ تھی، وہ مجھے ابوبکرؓ سے بحث و حجت کرتے دیکھ چکے تھے،

پھر مجھ سے کہنے لگے آگے بڑھو اور عثمانؓ کی بیعت کرو، تو اب خداوندی کی امید پر میں نے صبر کر لیا۔ طعنہ زنی کرنے والوں نے یہ بھی کہا کہ ابو طالبؑ کے بیٹے تو خلافت کا کتنا بڑا حریص ہے"۔ میں نے جواب دیا لیکن تم مجھ سے کہیں زیادہ حریص ہو۔

اس زیادتی کے بعد مجھ سے کہنے لگے۔ جھیلو غم اور کڑھو عمر بھر! اس پر میں نے ہر طرف دیکھا کوئی رفیق مددگار نظر نہ آیا۔ صرف میرے اہل بیت تھے، مگر انہیں ہلاکت کے حوالے کر دینا مجھے گوارا نہ تھا۔ ناچار زہر سے زیادہ کڑوے اور تپتے ہوئے لوہے سے زیادہ دردناک غم و غصّے کو پی کر رہ گیا۔

پھر ایسا ہوا کہ تم عثمانؓ سے بگڑے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ اب تم میری طرف بڑھے اور بیعت کرنا چاہی، میں نے انکار کیا۔ لیکن تم اڑ گئے، پیچھے پڑ گئے۔ مگر میں انکار ہی کرتا رہا۔ آخر تم مجھ پر ٹوٹ پڑے اور ایسا معلوم ہوا کہ آپس میں لڑنے لگو گے یا خود مجھے مار ڈالو گے۔ تم نے کہنا شروع کیا، تیرے سوا کوئی نہیں ہے، اور ہم تیرے سوا کسی کو بھی منظور نہیں کرینگے، لہٰذا اپنا ہاتھ پھیلا اور ہماری بیعت قبول کر۔ ہم تیری اطاعت قبول کریں گے اور آپس میں متفق رہیں گے۔

مجبوراً میں نے تمہاری بیعت قبول کر لی۔ تب سب لوگوں کو تم بیعت کے لئے

بلانے لگے، جس نے خوشی خوشی بیعت کی میں نے منظور کر لیا اور جس نے انکار کیا۔ اسے چھوڑ دیا۔ طلحہ اور زبیر بیعت میں پیش پیش تھے، اگر انکار کر دیتے، تو دوسروں کی طرح انہیں بھی ہرگز مجبور نہ کرتا۔

لیکن بیعت کر چکنے کے بعد یہ دونوں ایک فوج کو لے کر بصرے کی طرف چل پڑے، اس فوج میں کوئی ایسا نہ تھا، جس نے بیعت نہ کی ہو اور میری اطاعت کا اقرار نہ کر چکا ہو۔ ان باغیوں نے بصرہ سے پہنچ کر میرے خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ میرے عہدہ داروں اور طرف داروں پر یہ لوگ ٹوٹ پڑے۔ ان کی جمعیت پراگندہ کر ڈالی۔ ان کی طاقت سے مجھے محروم کر دیا۔ بہتوں کو دھوکے سے مارا .... بہتوں کو بے دست و پا اور قتل کیا۔ اور بہتیرے ان سے لڑتے ہوئے راہ حق میں شہید ہو گئے۔ اگر ان باغیوں کے ہاتھ سے ایک ہی آدمی قتل ہوا ہوتا تو بھی بخدا ان سے جنگ کرنا جائز تھا۔ مگر انہوں نے تو اتنے مسلمانوں کی جان لی جو تعداد میں خود ان سے بھی زیادہ تھے، آخر نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے باغیوں کا قلع قمع کر ڈالا۔

پھر میں نے اہل شام کی طرف نگاہ اٹھائی۔ یہ لوگ اجڈ اور بدتمیز عرب میں طماع و حریص ہیں۔ سرکش و وحشی ہیں، آفاقی ہیں، ادھر اُدھر سے جمع ہو گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی تربیت کی جائے اور انہیں حکومت کی نگرانی میں رکھا جائے۔ یہ نہ مہاجر ہیں، نہ انصار ہیں، نہ تابعین لہم باحسان ہیں۔

مجھے ان پر چڑھائی کرنا پڑی لیکن پہلے میں نے یہ کیا کہ جماعت و اطاعت کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا۔ شقاق و نفاق پر ہی اڑے رہے اور مہاجرین و انصار اور تابعین لہم باحسان کو اپنے تیروں اور نیزوں سے گھائل کرنے لگے، تب میں نے جنگ شروع کی

لہ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران محمد بن مسلمہ عبداللہ بن عمر اسامہ بن زید نے یہ کہہ کر بیعت نہیں کی کہ ہمیں کوئی اختلاف نہیں جب مسلمان بیعت کر لیں گے تو ہم بھی حاضر ہو جائیں گے۔ ان کے سامنے یہ خیال تھا کہ خانہ جنگی سے دور رہیں۔

اور حملہ کر دیا۔

آخر جب ہتھیاروں نے کاٹا اور زخموں نے دکھ پہنچایا، تو قرآن اٹھا کر دہائیاں دینے لگے، اور کتاب اللہ کی طرف تمہیں بلانے لگے۔ میں نے ہر چند تمہیں سمجھایا کہ یہ لوگ نہ دیندار ہیں نہ اہل قرآن ہیں۔ بلکہ تمہیں دھوکہ دینے کے لئے قرآن اٹھا رہے ہیں۔ ان کے فریب میں نہ آؤ۔ اور لڑائی جاری رکھو۔ مگر تم نے الٹے مجھی پر شک کیا۔ کہنے لگے ان کی دعوت قبول کر لیجئے، کیونکہ انہوں نے قرآن کا فیصلہ تسلیم کر لیا ہے۔ اور اسی حق پر آگئے ہیں، جس پر ہم استوار ہیں۔ ایسا نہ کرتے تو بے شک ہماری محبت ان پر باقی رہتی۔

مجبوراً تمہاری ضد مجھے مان لینا پڑی اور دشمن سے تلوار ہٹا لی سمجھوتہ یہ ہوا تھا۔ کہ دو حَکم مقرر ہوں گے، قرآن نے جو کچھ زندہ کیا ہے اسے زندہ کریں گے، اور قرآن نے جو کچھ مٹایا ہے اسے مٹائیں گے، مگر ان میں اختلاف پڑ گیا۔ ان کا فیصلہ الگ الگ ہوا، حکم قرآن کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ کتاب اللہ کے خلاف ہو گئے۔ اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں مبتلا ہو گئے، اس پر خدا نے ہدایت سے دُور کر کے ضلالت کی موجوں پر انہیں ڈال دیا۔ اور وہ اس کے مستحق بھی تھے۔

اس کے بعد تمہارے ایک گروہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہم نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ لیکن جب وہ زمین میں فساد پھیلانے اور مومنوں کو قتل کرنے لگے تو ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس پر وہ بکنے لگے ہم سبھی ان کے قاتل ہیں۔ اور ان کے خون کی طرح تمہارا خون بہانا بھی حلال سمجھتے ہیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان کے سواروں اور پیدلوں نے ہم پر بھی حملہ کر دیا۔ آخر خدا نے ان کا بھی وہی حشر کیا جو ظالموں کا ہوا کرتا ہے۔

پھر میں نے تمہیں حکم دیا کہ دشمن کو مہلت نہ دو، فوراً ٹوٹ پڑو۔ ایسا کرنے

سے اس پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔ اس کا مکر باطل ہو جائے گا! اس کے فریب کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ مگر تم کہنے لگے ہمارے بازو شل ہو چکے ہیں، ہماری تلواریں تھک گئی ہیں۔ ہمارے تیر ختم ہو گئے ہیں۔ ہمارے نیزوں کی انیاں ڈھیلی پڑ چکی ہیں تم مچل گئے اور ضد کرنے لگے کہ لوٹ چلئے۔ تم نے کہا، لوٹ کر ہم پہلے سے کہیں زیادہ اچھی تیاریاں کر لیں گے۔ اپنے مقتولوں، زخمیوں، الگ ہو جانے والوں کی جگہ نئے جانباز بھرتی کریں گے۔ اور اس طرح دشمن کے لئے اور بھی سخت مصیبت بن جائیں گے۔

میں نے تمہاری یہ ضد بھی مان لی اور تمہیں لے کر لوٹ پڑا، مگر جب تم کوفہ کے سامنے پہنچے تو میں نے حکم دیا کہ چھاؤنی ہی میں رہو، اپنی تیاریاں کرو، اور جہاد پر اپنے دلوں کو مستعد رکھو۔ میں نے بار بار کہا، ہزاروں تاکیدوں سے کہا کہ بال بچوں سے زیادہ ملنا جلنا نہ رکھو، ورنہ تمہارے دل نرم پڑ جائیں گے اور جنگ سے پھر جاؤ گے، جنگ والے نہ محبت کو دل میں راہ دیتے ہیں۔ نہ کسی تکلیف ہی کی پرواہ کرتے ہیں، نہ راتیں آنکھوں میں کاٹنے سے اکتاتے ہیں، نہ دن پیاس میں گذارنے سے گھبراتے ہیں۔ نہ بھوک سے پیٹ لگ جانے سے پریشان ہوتے ہیں، ان کے سامنے بس ایک خیال، ایک ہی مقصد رہتا ہے ــــــ دشمن پر فتح!

اس پر تمہارے کچھ لوگ تو شرما شرمی میرے ساتھ چھاؤنی میں اتر پڑے لیکن بہت سے نافرمانی کر کے شہر میں چلے گئے، مگر نہ ساتھ اترنے والے ہی ساتھ رہے نہ جانے والے ہی واپس آئے۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ہر طرف دیکھا تو مشکل پچاس آدمی چھاؤنی میں نظر آئے۔

یہ دیکھ کر مجھے بھی اٹھ آنا پڑا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ تم نے نکلنے اور چڑھائی کرنے کا نام بھی نہ لیا۔ خدا تمہارا بھلا کرے، آخر کس انتظار میں ہو؟ کیا تم

دیکھتے نہیں کہ تمہارے علاقے کم ہو گئے ہیں؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ مصر پر بھی دشمن کا قبضہ ہو چکا ہے؟ آخر یہ بے حسی کیوں ہے؟ دشمن میں اتحاد ہے، جوش عمل ہے، باہم ہمدردی و خیر خواہی ہے، لیکن تم؟ تو تم میں اختلاف ہے، پھوٹ ہے، خود غرضی ہے، نفسی نفسی پڑی ہوتی ہے، ہمدردی و خیر خواہی کا فقدان ہے، تم میں بھی ایکا ہو جائے تو کیا کہنا ہے، تمہاری خوش بختی کا، لہذا جاگو، خدا کی رحمت ہو تم پر، اور جگاؤ اپنے سونے والوں کو اور اپنے دشمن پر بڑھو،

اور تم سے لڑنے والے کون ہیں؟ طلقاء اور اولاد طلقاء، مجبور ہو کر ہی یہ اسلام لائے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی برابر لڑتے رہے تھے، قرآن و سنت کے یہ لوگ دشمن ہیں، ضلالت پر ایک ہو گئے ہیں، بدعتوں پر تعاون کر رہے ہیں۔
بدکار ہیں، اور بدکار بھی ایسے کہ ان کی کارستانیوں سے پناہ مانگی جاتی ہے، رشوت کھانے والے ہیں، دنیا کے بندے ہیں۔

ان باغیوں میں وہ بھی جنہوں نے شرابیں پیں۔ اور اسلامی قانون کے مطابق سزا پائی، یہ ہیں ان باغیوں طاغیوں کے سردار! لیکن ان سرداروں میں ایسے بھی ہیں جن کے اخلاق کا بیان اور زیادہ رسوائی و مضرت کا موجب ہے۔
یاد رکھو، یہ لوگ تمہارے حاکم ہو جائیں گے تو جانتے ہو کیا کریں گے؟ ہر قسم کا جبر قہر ظلم دشت بد گھمنڈ کریں گے، زمین میں فساد پھیلائیں گے، اپنی خواہشوں کے پیچھے چلیں گے، رشوتیں لیں گے۔

تم اپنی نا اتفاقی اور بے عملی کے باوجود ان باغیوں سے کہیں بہتر اور کہیں زیادہ ہدایت یاب ہو، تم میں حکماء ہیں، علماء ہیں، فقہاء ہیں، قرآن کے حامل ہیں، تہجد گزار ہیں، پرہیزگار ہیں، عابد و زاہد ہیں، مسجدیں آباد کرنے والے ہیں، اہل تلاوت ہیں، کیا تمہارا خون اس خیال سے کھولتا نہیں کہ کمینے رذیل، سفلے اور اشرار تم سے

حکمرانی چھین رہے ہیں؟

خون ضرور کھولتا ہوگا، تو تمہیں چاہیئے کہ میری سنو، میری اطاعت کرو، میری نصیحت مانو۔ میری حکمت عملی پر بھروسہ کرو، میرے عزم کی پابندی کرو، میرے کھڑے ہونے پر کھڑے ہو جاؤ، میں جس سے لڑوں اس سے لڑو، جس سے ملوں اس سے ملو، میری نافرمانی کرو گے تو نہ ہدایت پر رہو گے، نہ متحد ہو سکو گے،

جنگ کے لیئے تیار ہو جاؤ، اس کا سامان مہیا کرو، کیونکہ جنگ کی آگ بھڑکی ہوئی ہے، اس کے شعلے زبانیں نکالے لپک رہے ہیں، اور ظالم اس کے جھنڈے لہراتے ہوئے تمہاری طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں، کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں، اور تمہیں مغلوب و مقہور کر ڈالیں۔

اللہ کے بندو! ایسا نہ ہو کہ شیطان کے دوست جو طمع و بربریت میں گرفتار ہیں اپنی گمراہی، ضلالت اور باطل میں اتنے سرگرم و پرجوش ثابت نہ ہونے پائیں، جتنا اہل اخلاص و عبادت کو اپنے حق، اطاعت اور خیر خواہی امام میں سرگرم و پرجوش ہونا چاہیئے۔

بخدا اگر میرا اور ان باطل پرستوں کا مقابلہ اس طرح ہو کہ میں تن تنہا ہوں بے یار و مددگار ہوں اور باطل پرستوں کی کمک مجھ پہ ساری امنڈ آئی تو بھی مجھے ذرا پرواہ نہ ہوگی۔ اگر پرواہ ہو، تو میں بھی انہی کی سی گمراہی میں ہوں گا۔ لیکن بحمد اللہ میں اپنے رب کی طرف سے بصیرت و یقین کے ساتھ ہدایت پر استوار ہوں، مجھے اپنے پروردگار کی ملاقات کا شوق ہے اور میں اس کے حسن ثواب کا آرزومند ہوں، لیکن اس خیال سے دل کو دھکا لگتا ہے اور جگر پھٹتا ہے کہ اس امت پر سفلوں اور فاجروں کی حکومت ہو جائیے، جو اللہ کے مال کو غصب کریں گے اور اللہ کے بندوں کو غلام بنا ڈالیں گے، نیکوکاروں کے دشمن ہوں گے پرہیزگار

کے بیری بن جائیں گے،

خدا کی قسم: یہ فکر نہ ہوتی، تو میں اس طرح تمہیں جوش نہ دلاتا، نہ ابھارتا نہ اکساتا، بلکہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیتا،

خدا کی قسم: میں کھلے حق پر قائم ہوں اور جام شہادت نوش کرنے کے لئے تڑپ رہا ہوں،

اور سنو، میں جلد ہی تمہیں لے کر نکلنے والا اور دشمن پر چڑھائی کرنے والا ہوں، تم پوری دلجمعی و مستعدی سے نکلو اور جہاد کرو، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

رسولؐ اور آلِ عترتِ رسولؐ

امّتِ مسلمہ اور عترتِ رسولؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے بطن سے آپؐ کی جو نسل چلی وہ اپنے تزہد و تقویٰ، ورع و عبادت ریاضت و نفس کشی، طہارت و پاکیزگی، اخلاق و کردار، صفات و حسنات اور کمالات روحانی و علمی کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ تھی۔

ہاں تو نبوّت کے نور سے جو بھی مستفیض ہوا اس کی کایا پلٹ گئی، جو مشرک اور بت پرست تھے وہ دیندار اور موحد بن گئے، جو بد اخلاق اور بد سرشت تھے، پاک باز اور با اخلاق بن گئے، جو رہزن اور قزاق تھے، ہادی اور راہ نما بن گئے، جو ظالم اور شقی تھے، رحیم اور کریم بن گئے، جو خائن اور بد دیانت تھے، امانت و دیانت کا پیکر بن گئے، جو نفس کے بندے اور ہوا و ہوس کے غلام تھے، وہ خدا کے صالح اور نیکوکار بندے بن گئے، آن کی آن میں اُن کی کایا پلٹ گئی اور وہ ہادیٔ اقوام و ملل بن گئے۔

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
کھیلے جاتے تھے ایوانگہ کسریٰ میں شکار۔

یہ تو تھی عام حالت اور کیفیت:

لیکن جو لوگ دامانِ رسولؐ سے اس طرح وابستہ تھے کہ شب و روز جلوۂ رسالتؐ دیکھتے تھے، سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے، صحت و علالت میں دمسازی اور چاکری کرتے تھے، خلوت و جلوت میں ندیم و سہیم تھے، معاملات قوم اور

اور مسائل ملی میں، جہاد و قتال میں، اور خدا کی راہ میں سب کچھ دے دینے اور سب کچھ لٹا دینے کا جذبہ رکھتے تھے، ان کی سیرت اور کردار میں جو جلا پیدا ہوئی، اس کی مثال چشم فلک نے کم دیکھی ہوگی،

اور ایک گروہ اور بھی تھا، :

یہ وہ اصحاب تھے جنہوں نے دامن رسولؐ میں تربیت پائی تھی، جنہوں نے رسولؐ کے گھر میں جنم لیا تھا، جو رسولؐ کی گود میں کھیلے تھے، جنہوں نے دوش رسولؐ کی سواری کی تھی، جن سے رسولؐ کو محبت تھی، اور یہ محبت اتنی زیادہ تھی کہ آپ نے انہیں جوانانِ جنت کا سردار فرمایا۔ آپؐ نے ان کے لئے اپنے خدا سے دعا کی یا اللہ انہیں میں محبوب رکھتا ہوں، تو بھی محبوب رکھ، جو ان سے بغض رکھے، ان سے تو بھی بغض رکھ۔

ظاہر ہے یہ لوگ معمولی کردار و سیرت کے نہیں ہو سکتے تھے، اور اگر ہوتے تو دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپؐ یہ نہ فرماتے،

"میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنی عترت و اولاد۔"

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ آل و عترت رسولؐ سے محبت کی تعلیم خود آپ ہی نے دی تھی، یہ محبت ثبوت ہے عشق رسولؐ اور حبِ خداوندی کا جس کا دل اس محبت سے خالی ہے، وہ یقیناً دولتِ ایمان سے بھی محروم ہے، اور کیا اس سے بڑی محرومی بھی کوئی ہو سکتی ہے؟ —— کلا ثم کلا!

جہاں تک علی مرتضیٰ کا تعلق ہے، خود بھی ایک اعتبار سے آل رسولؐ میں داخل تھے، لیکن اس سے قطع نظر کر کے بھی انھوں نے آل و عترت

رسول کا بہت زیادہ احترام اور اکرام و اجلال ملحوظ رکھا۔ اور اس طرح امت کے سامنے ایک نہایت شاندار اور قابلِ تقلید مثال قائم کردی، آپ کے اس اندازِ فکر کے نمونے آپ کے اقوال و حکمات، رقعات و توقیعات اور خطبات میں جستہ جستہ ملتے ہیں، اور اگر انہیں مرتّب کیا جائے، تو ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

اب ہم اس عنوان کے ذیل میں امور متعلقہ سے متعلق کی چند مثالیں پیش کریں گے۔

آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

علم کی زندگی —— جہل کی موت

یہ آلِ محمدؐ علم کا عیش، اور جہل کی موت ہیں، ان کی بردباری، دانائی کی، اور ان کا ظاہر باطن کی اور ان کی خاموشی، راستی و درستی کی خبر دے گی، ان کی گفتار، حق کی مخالفت نہیں کرتی، نہ وہ اس میں اختلاف برپا کرتے ہیں۔ یہ اسلام کے ستون اور اس کی پناہ گاہ ہیں، انہی کے وسیلہ سے حق، اپنے اصل مقام میں واپس ہوا، اور باطل و نادرستی اپنی جگہ سے دور و نابود ہو گئی، حق کے آشکار ہونے کے بعد اس کی زبان کٹ گئی، ان آلِ محمدؐ نے دین کو پہچانا، اور ان کا پہچاننا دانائی (علم) اور عمل پر مبنی تھا، نہ کہ سفاہت اور نقل پر، کیونکہ علم (دین) کے راوی بہت ہیں اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔

تو پیغمبر نہیں میرا وزیر ہے

اس خطبہ میں امیرالمومنینؑ نے اپنے اور ذاتِ رسالت پناہ کے روابط کا ذکر فرمایا ہے :-

آگاہ باشید!

تم نے رشتۂ اسلام کو قطع کر ڈالا (باہم دشمنی کر کے) اس کے حدود کو معطل کر دیا۔ (اس کے احکام پر عمل نہیں کیا) اس کے احکام کو مردہ کر دیا۔ (لیکن میں کہ نزدیک ترین اشخاص بہ رسولؐ خدا میں سے ہوں، اسے گوارا نہیں کر سکتا، بنا بریں) جان لو کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ ستمگروں اور پیمان شکنوں اور تباہ کاروں سے روئے زمین پر جنگ کروں، پس پیمان شکنوں کے ساتھ میں نے جنگ کی، اور جنہوں نے حق کو چھوڑ دیا تھا، (اہل شام) ان سے میں نے جہاد کیا، اور جو لوگ دین کے حلقہ سے (خوارج نہروان) باہر نکل گئے تھے انہیں میں نے زبون و خوار کر دیا، اور شیطان ردھہ (خوارج کا سردار شر ملہ یا ذو الثدیہ) اس صدائے ترسناک کے باعث کہ میں نے اس کے تپش دل کی زیادستی اور اس کے سینہ کی لرزش و جنبش دیکھی ہے نیاز ہو گیا، اور ستمگروں (اہل شام) میں سے جو لوگ باقی رہ گئے، میں اگر خدا نے موقع عطا فرمایا، تو دوبارہ ان کی طرف بڑھوں گا، اور ان کی طاقت و توانائی کو تباہ کر دوں گا۔ اور باقی ماندہ اطراف شہر میں منتشر ہو جائیں گے میں نے عہد کم سنی میں عربوں کے سینے زمین پر ٹیک دئے (بڑے بڑے عرب سرداروں کو شکست دی) اور شاخ خو (دیران قبیلہ) ربیعہ اور مضر کو

شکست فاش دی، اور تم میری اس قدر و منزلت سے واقف ہو جو مجھے آپ کی نزدیکی (خویشی و برادری) کے سبب حاصل تھی، نیز اس مقام بلند اور احترام مخصوص سے بھی (کہ نزد آنحضرتؐ داشتم) آنحضرتؐ نے عہد طفولیت میں مجھے اپنی گود میں پرورش فرمایا، اپنے سینہ مبارک سے لپٹایا، اپنے بستر مبارک پر اپنے پہلو میں مجھے لٹایا، تن گرامی کو مجھ سے مس فرماتے تھے، اپنی بوئے خوش مجھے سنگھاتے تھے، اور اپنی چبائی ہوئی خوراک میرے منہ میں ڈال دیتے تھے، (جیسا باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے) آپؐ نے میری گفتار میں کبھی دروغ اور میرے کردار میں خطا و اشتباہ کبھی نہیں پایا، اور جب آنحضرتؐ کا دودھ بڑھایا گیا، اس وقت سے خدا نے اپنے فرشتوں میں سے ایک بزرگ ترین فرشتہ (روح القدس) کو آپ کا ہم نشین قرار دیا، کہ آپ کو روز و شب دنیا کے اخلاق کریمہ اور محاسن عظیمہ کی سیر کراتا تھا، اور میں اس کے پیچھے پیچھے یوں چلتا تھا جیسے بچہ شتر اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے (یعنی میں ہمہ وقت آپؐ کے ساتھ رہتا تھا، کبھی جدا نہ ہوتا تھا) آپ ہر روز از خوہائے خود کوئی چیز مجھ پر آشکارا فرماتے تھے اور اس کی پیروی کے لئے مجھے حکم دیتے تھے، اور ہر سال (قبل از نبوت) ایک مہینہ آپ حرا میں اقامت فرماتے تھے، میں آپؐ کو دیکھتا تھا، اور میرے سوا کوئی نہ دیکھ سکتا تھا، اور اس زمانہ میں اسلام کسی گھر میں نہ پہنچا تھا۔ مگر خانہ رسولؐ خدا خدیجہؑ (زوجہ آنحضرتؐ) اور میں ان میں تیسرا تھا، میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا، اور نبوت و پیغمبری کی خوشبو سونگھتا تھا، اور جس ہنگام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی میں نے شیطان کی آواز سنی میں نے کہا:

اے رسولِ خدا یہ کیسی آواز ہے؟

آپؐ نے فرمایا، یہ شیطان ہے، جو اب اپنی پرستش سے مایوس ہو گیا ہے

(کیونکہ اس وحی و نبوت کے بعد ضلالت و گمراہی کا دَور ختم ہو رہا تھا۔ اور ایمان و فضیلت کے عہد گرامی کا آغاز ہو رہا تھا (اے علیؑ) تو بھی وہ سنتا ہے، جو میں سنتا ہوں، تو بھی وہ دیکھتا ہے جو میں دیکھتا ہوں (اور ہر چیز یا من یکسانی) مگر یہ تو پیغمبر نہیں ہے، ہاں میرا وزیر ہے، اور تو خیر (و نیکوئی کے راستے) پر گامزن ہے!"

فراقِ رسولؐ

رسولِ خداؐ کو غسل دیتے وقت، اور کفن پہناتے وقت امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان اے رسولِ خداؐ آپ کی وفات سے نبوّت احکامِ الٰہی اور اخبارِ آسمانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، دوسرے (پیغمبروں) کی وفات پر (کبھی) نہیں ہوا تھا، آپؐ کی خصوصیت اور یگانگی یہ (بھی) تھی کہ دوسری مصیبتوں سے آپ نے تسلّی دیدی (کیونکہ آپ کی مصیبت ہر مصیبت سے بزرگتر ہے) اور (دنیا سے رحلت فرمانے کی بنا پر) آپ کو یہ عمومیت حاصل ہے کہ آپؐ کے (ماتم) میں تمام لوگ یکساں دردمند (اور سینہ فگار) ہیں، اور اگر آپ نے شکیبائی کا حکم نہ دیا ہوتا اور نالہ، وفریاد وفغان سے منع نہ فرمایا ہوتا، تو ہر آئینہ (آپ کے فراق میں) آنکھوں کا سرچشمۂ اشک (باگریۂ بسیار) ہم خشک کر دیتے، ہمارا درد وغم پیوستہ رہتا، اور حزن واندوہ ہمیشہ باقی رہتا اور اشکِ چشم کا خشک ہوجاتا، اور حزن اندوہ کا دائمی ہونا، آپ کی (جدائی کی) مصیبت میں بہت کم ہے، لیکن موت وہ چیز ہے کہ جس کا برطرف کرنا ممکن نہیں، اور جس کا دفع کرنا غیر مقدور ہے، میرے ماں باپ آپ پر قربان، اپنے پروردگار کے ہاں ہمیں یاد رکھنا اور ہمیں اپنے دل میں رکھنا۔

حضرت فاطمہؓ کی جُدائی

روایت ہے کہ سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت آپ نے یہ کلمات اس طرح فرمائے گویا روضۂ پر آپ رسول اللہؐ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں۔

اے رسول خدا، آپ پر درود ہو، میری طرف سے اور آپ کی دختر کی طرف سے جو آپ کے جوار میں آگئی ہیں اور بہت جلد، آپ سے ملحق ہو گئی ہیں۔

اے رسولِ خداؐ میری شکیبائی (فاطمہؓ سے مفارقت و جدائی کے باعث) ہو گئی ہے اور میری طاقت و توانائی، ان کی جدائی کے باعث ہاتھ سے جاتی رہی، لیکن میرے صبر کے لئے یہ کافی ہے کہ میں نے آپؐ کی جدائی پر صبر کیا، آپ کی وصیت کے وقت میں نے صبر و شکیبائی سے کام لیا، میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو لحد میں اتارا، میرے ہی حلقوم و گلو کے درمیان آپؐ کی جان تن سے باہر نکلی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم خدا کے لئے ہیں اور خدا ہی کی طرف واپس لوٹنے والے ہیں۔ (فاطمہ ایک ودیعت تھی، جو واپس لے لی گئی، ایک نشانی تھی جو اٹھا لی گئی۔ اب میرا حزن و ملال دائمی ہے، اب میری راتوں میں نیند کہاں؟ جب تک خدائے عالم میرے لئے اس مقام (آخرت) کا ارادہ کرے، جہاں آپ مقیم ہیں۔

عنقریب آپ کی صاحبزادی آپ کو آگاہ کریں گی، آپ ان سے اچھی طرح معلوم کر لیجئے، آپ میرے حالات کو ان سے دریافت فرمائیے، حالانکہ ابھی آپ

کی وفات کو کچھ زیادہ مدت نہیں گزری اور زمانہ آپ کی یاد سے خالی نہیں ہوا،
آپ پر اور آپ کی دختر پر میری طرف سے اس طرح سلام پہنچے جیسے کوئی شخص اپنے
دوست کو (محبت کے باعث) سلام کیا کرتا ہے۔ دل تنگ، خشمگیں اور رنجیدہ
ہو کر نہیں۔!

پس اگر میں یہاں سے (زندہ) واپس جاؤں تو یہ بے علاقگی کی وجہ سے نہ
ہوگا۔ اور اگر آپ کی زیارت کے لئے ٹھیرا رہوں تو یہ اجر سے بدگمانی کے سبب
نہیں ہوگا، جس کا خدائے تعالیٰ نے صبر کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے،

نسلِ رسولؐ کا تحفظ

جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ نے ملاحظہ فرمایا، کہ حضرت امام حسنؑ آپ کے فرزند ارجمند، جنگ میں بہت زیادہ تیز دستی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں اس پر آپ نے فرمایا:

"(لوگو) اس لڑکے کی میری طرف سے حفاظت کرو۔ مبادا اس کی ہلاکت مجھے چُور چُور کر دے، کیونکہ میں ان دونوں (حضرات حسنینؑ) کی موت کے بارے میں بہت بخیل ہوں (راضی نہیں ہوں) کیونکہ ان کی موت سے نسلِ رسول کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔"

بزرگانِ اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بزرگانِ اصحابِ محمد —— صلی اللہ علیہ وسلم —— نے، جو حافظِ قرآن و سنت نبوی تھے) جان لیا تھا کہ میں کبھی ایک ساعت کے لئے بھی فرمانِ خدا و رسول سے دُور نہیں ہوا، اور پیغمبر اکرمؐ کی خاطر کبھی اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی، جب دلیروں نے راہ فرار اختیار کی، اور بڑے بڑے پہلوان پیچھے ہٹ آتے، اس شجاعت اور جوانمردی کے باعث جو خداوند نے مجھے عطا کی ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبض روح اس حالت میں ہوئی کہ آپؐ کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا، ان کی جان میرے ہی ہاتھوں پر بدن سے جُدا ہوئی، چنانچہ (بہ جہت تبرک دتیمن) میں نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر ملے، میں نے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو غسل دیا، اور فرشتوں نے (اس کام میں) میری مدد کی، پس بیت نبوی اور اس کے اطراف سے گریہ و نالہ کی صدا بلند ہوئی، فرشتوں کا ایک گروہ جاتا تھا، ان کی نمازِ جنازہ کا ہمہمہ میرے کانوں سے جُدا نہیں ہوا، یہاں تک آپؐ کو (آخری) آرامگاہ میں رکھ دیا گیا۔ پس آنحضرتؐ کی حیات و ممات میں ان سے میرے مقابلہ میں کون سزاوار تھا؟ (جو کوئی اس کا ادّعا کرتا ہے، وہ صحیح نہیں کہتا) بغیر کسی شک اور تذبذب کے از روئے بینائی (جہاد میں میرے ساتھ) جلدی کرو، اور ضروری ہے کہ دشمن کے ساتھ جنگ میں تمہاری نیت راست رہے (بغیر نفاق اور دو روئی کے) اور اس ذات کی قسم کہ جس کے سوا کوئی اور خدائی

کا سزاوار نہیں، کہ میں راہ حق پر (استوار) ہوں۔ اور میرے دشمن (بنی امیہ) لغزش گاہ باطل پر (پیرو نفس) استوار ہیں،

میں وہ کہہ رہا ہوں، جسے تم سن رہے ہو، اور خدا سے اپنے لئے (ک... تم میں مبتلا ہوا) اور تمہارے لئے (گذشتہ غلط کاری کی) آمرزش طلب کرتا ہوں۔

(کہ بار دگر گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ)

داعیؐ اور نگہبانؓ

اہل بیت اطہار کی مزیّت و فضیلت

ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا:

دل خردمند کی آنکھ اپنے پایانِ کار (موت) کو دیکھتی ہے، اپنے نشیب و فراز (خیر و شر) کو پہچانتی ہے، داعیؐ (یعنی پیغمبر کرامؐ) نے دعوت دی اور نگہبان نے حفاظت کی، پس داعی کی بات سنو، اور نگہبان کی پیروی کرو (تاکہ دنیا میں سرفراز، اور آخرت میں سعادت مند بنو)۔

لوگ فتنوں کے دریا میں غرق ہوگئے، سنّتِ نبویؐ سے آنکھ بند کرلی اور بدعتوں کو اختیار کرلیا، مومنوں نے سکوت اختیار کرلیا، اور دروغ گو اور گمراہ بولنے لگے، ہم (اہل بیت) آنحضرتؐ کے (جسم کے) پیراہن ہیں۔ آپؐ کے اصحاب ہیں ان (کے علم کا) خزانہ ہیں (اور علوم کے) دروازے ہیں، گھر میں داخلہ صرف دروازہ ہی کے رستہ سے ہوتا ہے اور جو دروازہ چھوڑکر داخل خانہ ہوتا ہے وہ دُزد کہلاتا ہے۔

(اہل بیت اطہار میں) قرآن کی بزرگی ہے، وہ خدائے رحمٰن کے خزانے ہیں بات کرتے ہیں تو سچی خاموش رہتے ہیں تو کوئی ان پر سبقت نہیں کرسکتا۔ ہر قوم کے پیش رو، اور جلو دار کا فرض ہے کہ اپنے پیروؤں سے سچ کہے اور اپنی

عقل کو حاضر رکھے، اور آخرت کو دوست رکھے، کیونکہ ▪▪ وہیں سے آیا ہے اور وہیں اسے واپس جاتا ہے، پس جس نے دل کی آنکھ کھولی، اس نے از روئے بینائی کام انجام دیا، عمل کے آغاز میں وہ جان لیتا ہے، کہ یہ کام مفید ہے یا مضر، اگر مفید سمجھتا ہے تو انجام دیتا ہے، اگر ضرر کا پہلو دیکھتا ہے تو باز رہتا ہے، کیونکہ بغیر علم کے عمل کرنے والا اس مسافر کی طرح ہے جو غلط راستے پر راہروی کر رہا ہو، جتنا جتنا راستہ طے کرتا جائے گا منزل مقصود سے دور ہوتا چلا جائے گا، اور علم کی روشنی میں عمل کرنے والا راہ راست پر راہروی کرنے والے کی طرح ہے، پس شخص بینا کے لئے لازم ہے کہ وہ دیکھتا رہے کہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے۔ یا بے راہ ہو گیا ہے۔

جان لو ہر ظاہر و آشکار کے لئے ایک باطن اور پنہاں بھی ہوتا ہے، اگر ظاہر پاک اور پاکیزہ ہے تو باطن بھی طیب اور مطہر ہوگا، اور اگر ظاہر خبیث اور بد ہے، تو باطن بھی زشت اور ناپاک ہوگا۔ (اسی لئے) جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کہ خدا بندے کو دوست رکھتا ہے، اور اس کے عمل (حرام و حلال) کو جانتا ہے، اور (کبھی) عمل (نیک) کو دوست رکھتا ہے، اور اس کے عامل کو ناپسند کرتا ہے، اور جان لو کہ ہر عمل کے لئے ایک گیاہ ہے اور کوئی گیاہ بھی پانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، اور پانی کئی طرح کا ہوتا ہے، پس جو درخت آب گوارا سے سیراب ہوتا ہے اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے، اور جو آب ناپاک استعمال کرتا ہے، اس کا درخت خراب اور میوہ تلخ ہوتا ہے۔

اہل بیت رسولؐ

ایک موقع پر امیرالمومنینؑ نے ارشاد فرمایا:

خدا کی قسم، میں پیامات الٰہی کی تبلیغ سے اور خدائی وعدوں کے اتمام سے اور کلمات (حکمت) کی انتہا سے (خوب) واقف ہوں۔

ہم اہل بیت رسول کے پاس حکمت کے دروازے اور امر (خدا) کی روشنی موجود ہے۔

خبردار ——— !

دین کی شریعتیں واحد ہیں، اور اس کے راستے سیدھے ہیں، جو اسے پالے گا، وہ حق سے ملحق ہو جائے گا، اور فائدہ میں رہے گا، اور جو اسے نہ پا سکا، گمراہ ہوگا، پشیمان ہوگا۔

عمل، ہوگا ——— !

اس دن کے لئے جس کے لئے اعمال حسنہ کے ذخائر جمع کئے جاتے ہیں، جب تمام راز فاش ہو کر رہیں گے، جس دن، عقل و اندیشۂ حاضر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، اور عقل غائب عاجز اور درماندہ ہوگی ——— !

اس آگ سے بچنے کی کوشش کرو، جس کی گرمی سخت اور جس کی گہرائی بہت زیادہ ہوگی۔ جس کا زیور لوہا، اور جس کا پانی زرد آب ہوگا۔

خبردار ——— !

وہ نام نیک جو خدا کسی شخص کو درمیان مردم عطا فرماتا ہے، بہتر

سے ، ثروت و دارائی سے کہ میراث میں ملتی ہے ، جو کبھی خدا کی حمد
نہیں کرتا !

ذاتِ رسالت مآبؐ

امیرالمومنینؑ کے ایک خطبہ کا ایک حصہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق :

خداوند متعال نے حضرت رسولؐ کو پیغمبری سے اس وقت مشرف فرمایا، جب لوگ (راہِ حق) سے) گمراہ اور سرگرداں ہو چکے تھے، اور راہِ فتنہ و فساد پر از روئے خبط و اشتباہ گامزن ہو چکے تھے، آرزوئے (بے جا) اور ہوس (نفس) نے اُن پر قبضہ کر لیا تھا، کبر و نخوت نے انہیں اشتباہ کاری میں مبتلا کر دیا تھا۔ جہل و نادانی نے انہیں سبک سر بنا دیا تھا، جس کے باعث وہ پریشان حال اور مضطرب و مبتلا (بہ نادانی) نظر آ رہے تھے،

پس آنحضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح و نصیحت کی کوشش (بے اندازہ) فرمائی، آپؐ خود راہ راست پر چلے اور حکمت و دانش اور پند و نیکوئی کی طرف دعوت دی (تاکہ اہل دنیا بدبختی سے رہائی پائیں، اور دنیا و آخرت کی نیکیوں اور سعادتوں اور کامرانیوں سے بہرہ ور ہوں، جب تک زندہ رہیں کامرانی کی زندگی بسر کریں۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو عیش جاوداں کی نعمت حاصل کریں۔

آلِ نبی کا کام

ایک اور خطبہ کا اہم حصّہ :

یہ آلِ رسولؐ ، رسولؐ کے رازدار، امرِ رسولؐ کے جائے پناہ، علم رسولؐ کے ودیعت گاہ، حکمت رسولؐ کے ملجاو ماویٰ، اور صحف رسول (قرآن و سنّت) کی حفاظت کے لئے پہاڑ، (اور چٹان) ہیں، یہ ہیں جنہوں نے دین کی پشت کو، جو کج ہوگئی تھی، راست کیا، اور بازوئے اسلام کی لرزش انہی کے دم سے زائل ہوئی،

استدراک

علامہ محمد عبدہ اسی خطبہ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں :

"پشتِ دین کج ہونے" سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی کمزوری کے باعث دین میں جو ضعف و اضمحلال پیدا ہوگیا تھا، اسے آلِ رسول کے باعث قوت و اقامت حاصل ہوئی، اور جو خوف و جبن (دلوں میں) پیدا ہوگیا تھا، وہ دُور ہوگیا!

میں کیا ہوں؟

ایک خطبے میں اپنے بارے میں امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

تم نے "تاریکیوں میں ہمارے باعث ہدایت پائی، ہمارے ہی سبب تم سربلند ہوئے، ہماری ہی وجہ سے تم نے رات کے اندھیرے میں صبح کا اجالا پایا، وہ کان بہرے ہو جائیں جو (اپنے رہنما کی) پند نہ سنیں، لیکن وہ کان صدائے آہستہ کیا سن سکتا ہے جو صدائے سنگین سے بہرا ہو چکا ہو۔ خدا اس دل کو طمانیت عطا کرے جو خوف خدا سے لرزاں و ترساں ہو۔

میں ہمیشہ تمہارے نتائج خیانت و نقض عہد و بے وفائی کا منتظر ہوں، اور میری نگاہ بصیرت تم میں فریب کاری کے اوصاف محسوس کر رہی تھی، لیکن لباس تقویٰ اور پیراہن دینداری نے مجھے تم سے پنہاں رکھا، میرے صفات باطن نے تمہارے حال مجھ پر منکشف کر دیئے،

میں بھٹکانے والے رستوں میں تمہارے لئے راہ حق پر کھڑا ہو گیا، جب تم رہروی کرتے تھے اور تمہارا کوئی رہنما نہ تھا، تم کنوئیں کھودتے تھے، مگر پانی نہیں نکلتا تھا۔ آج میں تمہارے لئے حقائق بیان کر رہا ہوں، اس شخص کی رائے کوئی رائے نہیں، جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی، جب سے مجھے حق کا جلوہ دکھایا گیا ہے، مجھے کبھی اس میں شک نہیں پیدا ہوا، موسیٰ کو خوف اپنی جان (اور اپنی ذات) کا نہ تھا۔ بلکہ خطرہ جو کچھ تھا، یہ کہ مبادا غلبۂ جہال

اور اقتدار دول ضلال قائم نہ ہو جائے، ہم دونوں آج حق اور باطل کے راستے پر کھڑے ہیں، جو شخص پانی پر اعتماد کرے گا۔ وہ ہرگز پیاسا نہیں رہے گا۔

خاتم وحی و رسالت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبانِ علی مرتضیٰ رضؓ سے

بارِ خدایا!

اے گسترانندۂ زمین و نگاہدارندۂ آسمان، اے آفرینندۂ قلب شقی و سعید، اپنی پاکیزہ ترین رحمتوں، اور افزوں ترین برکات اپنے اس بندے اور برگزیدہ رسول محمدؐ پر نازل فرما، کہ جو خاتم وحی و رسالت ہے، اور سعادت و سیادت کے رستہ کا فاتح (کھولنے والا) ہے، جس نے حق (دین و شریعت) کو حق (برہان و عقل) پر آشکار کیا، جس نے اباطیل (باطل) کے لشکروں کو دفع کیا، جس نے گمراہی، اور ضلالت کو نابود کیا۔ بار رسالت کا اس نے تحمل کیا، (اس بار کو) اس نے تیرے حکم کی فرماں پذیری تیری خوشنودی کے حصول میں عجلت کرتے ہوئے قوّت و توانائی کے ساتھ اس طرح اٹھا لیا کہ نہ تو اس نے قدم پیچھے ہٹایا، اور نہ عزم میں سستی آنے دی، اس نے تیری وحی کو ضبط کیا۔ تیرے عہد و پیمان کی نگہداری کی، تیرے فرمان کے اجرا پر اصرار کیا۔ یہاں تک کہ (علم و دانش، خدا پرستی، اور حق پسندی کی) آگ بھڑک اٹھی، راہ کج کے چلنے والوں پر حق کا راستہ ہویدا اور نمایاں ہو گیا، جو دل، فتنوں میں سرگشتہ تھے، وہ ہدایت یاب ہوئے،

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نشان ہائے واضح اور احکام شرعیہ کو روبراہ کر دیا۔

وہ تیرے اسرار و رموز کے امین، اور روزِ رستخیز (نیکوکاروں اور بدکاروں پر) تیری جانب سے شاہد، اور گواہ ہوں گے، اور سچائی کے ساتھ تیرے بندوں کی طرف (تیری طرف سے) بھیجے ہوئے رسول تھے!

بارخدایا!

اپنے سایہ رحمت میں تو انہیں مقام فراخ عطا فرما!
اپنے فضل و کرم سے انہیں پاداش نیکو سے سرفراز کر، ان کے دین کی شان کو تمام بانیان دین کی عمارت سے بلند و بالا کر۔ اور ان کے مقام و منزلت کو اپنے نزدیک گراں قدر قرار دے اور ان کے نور کا اتمام کر دے (تاکہ تمام دنیا اس سے بہرہ ور ہو) مقبول گواہی، اچھے کلام، اور قول فیصل (درمیان حق و باطل) کے اعتبار سے انہیں بہترین جزا دے!

بارخدایا!

ہمیں اور ان کو، زندگانی نیک نعمت جاودانی، خواہشات مطلوب، آسائش لذت، اور ارمغان خداوندی میں ایک ہی جگہ مجتمع فرمادے!

شعائرِ اسلام

جسے ذاتِ رسالت مآبؐ سے اس درجہ والہانہ تعلق ہو وہی یہ کہہ سکتا تھا!

خداوند سبحان کی طرف برترین وسیلۂ تقرب (یہ چیزیں ہیں) اوّل اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا۔ (دوم) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کہ سبب بلندی (و رکنِ اعظم) اسلام ہے۔ (سوم) کلمہ اخلاص (لا الٰہ الا اللہ) کہنا کہ یہ اصل فطرت (انسانی) ہے (چہارم) اقامت صلوٰۃ کہ ملت دین اسلام کی نشانی ہے (پنجم) زکوٰۃ کہ یہ فریضہ واجبہ ہے (ششم) صوم رمضان کہ یہ عقاب (الٰہی) سے بچنے کی سپر ہے (ہفتم) حج و عمرہ کہ یہ دونوں چیزیں فقیری کو دور کرتی ہیں، اور گناہ کو دھو دیتی ہیں۔ (ہشتم) مسئلہ رحم (عزیزوں کے ساتھ احسان و نیکوئی) کہ سبب افزائش مال و طول عمر ہے (نہم) صدقہ (فقراء پر احسان اور درماندوں سے سلوک) صدقہ پنہاں گناہ کو ڈھانک لیتا ہے، اور صدقہ آشکار کہ مرگ بد (مرگ ناگہانی، غرقابی، آتش زدگی وغیرہ کو دفع کرتا ہے (نیز) کار پسندیدہ (صنائع معروف) کی بجا آوری (مانند اصلاح و نیکی وغیرہ) یہ نیک کام آدمی کی ذلت و خواری سے حفاظت کرتے ہیں۔

خدا کے ذکر میں شتاب کاری سے کام لو کہ یاد خدا بہترین ذکر ہے، اور

اس (جنّت) کی طرف رغبت کرو، جس کا اس نے اپنے پرہیزگار بندوں سے وعدہ فرمایا ہے، کہ اس کا وعدہ راست ترین وعدہ ہے، اپنے پیغمبر کی ہدایت و رہنمائی کی پیروی کرو کہ اس کی رہنمائی بالاترین رہنمائی ہے، اس کی سنّت اور طریقہ پر چلو، کیونکہ اس کا طریقہ، روش و سنّت میں سب سے زیادہ ہدایت کنندہ ہے۔ اور قرآن کو یاد کرو، کہ وہ نیکوترین گفتار ہے، اس میں اندیشہ اور طلبِ فہم سے کام لو، کہ قرآن دل کی بہار ہے، اس کے نور ہدایت سے شفا، اور بہبودی کے خواہاں ہو کہ قرآن بیماری سینہ کی شفا ہے اور اسے ٹھیک طرح سے پڑھو، (تلفظ صحیح ہو) معنی پر نگاہ ہو (احکام پر عمل ہو) کہ وہ سودمند ترین داستان ہے

وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے، اس سرگشتہ جاہل کی طرح ہے جو اپنے خواب غفلت سے بیدار نہ ہو، (اور قیامت کے روز جاہل کے مقابلہ میں اس کی) سخت حسرت و اندوہ، زیادہ اور نزد خدا توبیخ و سرزنش افزوں تر ہوگی (اس لئے کہ عالم ہونے کے باوجود اس نے جاہلوں کی سی حرکت کی اور فسق و معصیت سے اپنا دامن نہ بچا سکا، اس کا کام رہنمائی کرنا تھا، لیکن یہ خود گمراہ ہوا) لہٰذا جاہلوں اور نادانوں کے مقابلہ میں اس کی سزا بھی زیادہ سخت اور زیادہ عبرتناک ہوگی۔

حمدِ خدا

اور جسے اسلام سے اس درجہ فدا کارانہ تعلق ہو، وہی حمدِ ذاتِ باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہو سکتا ہے :-

"حمد و سپاس کا سزاوار وہ خدا ہے، کہ جس نے حمد کو نعمت سے، اور نعمت کو شکر سے پیوستہ کر دیا، ہم اُس کی نعمتوں پر اسی طرح اس کی حمد کرتے ہیں جس طرح اُس کی آزمائش پر اُس کا سپاس ادا کرتے ہیں۔ اور ہم اُس سے مدد چاہتے ہیں اُن نفوس کاہل و سُست پر کہ جو (عبادت و بندگی پر) مامور ہیں، اور جن چیزوں سے انہیں روکا گیا ہے (نافرمانی اور معصیت سے) ان کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے ہیں، ہم اُن گناہوں سے آمرزش طلب کرتے ہیں جن پر اُس کا علم محیط ہے، اور اُس کی کتاب (لوحِ محفوظ) جنہیں ثبت کر چکی ہے، وہ علم (خدا) کہ قاصر و کوتاہ (بر صغیرہ و کبیرہ) نہیں، اور وہ کتاب کہ جس نے کچھ (لکھنے سے) چھوڑا نہیں، اور اس پر ہمارا ایمان اُس شخص کی طرح ہے، جس نے پنہاں (سکرات و سختی مرگ سوالِ قبر و حساب و دادرسی قیامت وغیرہ) کو آشکار دیکھ لیا ہو، اور موجود چیز سے (مثلاً بہشت جاودانی برائے پرہیزگاراں، و آتش سوزان ہمیشگی برائے گناہگاراں وغیرہ) ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو شرک کو زائل کر چکا ہے اور جس کا شک یقین سے بدل چکا ہے۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور فرستادہ ہیں، اور یہ دو گواہیاں (از روئے صمیم قلب و خلوصِ نیت) گفتار (نیکو) اور کردار پسندیدہ کو اوج رفعت دینے والی ہیں، ترازو کے جس پلڑے میں یہ دو گواہیاں رکھ دی جائیں وہ ہلکا نہیں ہو سکتا، اور جس سے یہ دونوں اُٹھا لی جائیں وہ بھاری نہیں ہو سکتا۔

بندگانِ خدا ــــــــ!

میں تمہیں تقوٰے کی وصیت کرتا ہوں، کہ یہی زادِ معاد (توشۂ سفرِ آخرت) ہے، اور (عذابِ الٰہی سے) پناہ ہے ــــ وہ توشہ کہ (واماندہ کو منزل) پر پہنچا دیتا ہے ایسی پناہ کہ سختی اور مصیبت سے رہا کر دیتی ہے!

شنوا ترین داعی و رسول اکرمؐ نے اسی کی طرف دعوت دی، اور بہترین ادراک کرنے والے (امام علیؑ) نے اس کا درک کیا، (اس پر عمل کیا) پس اس کی دعوت دینے والے نے سب کچھ سنا دیا اور اس کا یاد رکھنے والا کامیاب ہو گیا۔

بندگانِ خدا ــــــــ!

خدا سے ڈرنا اور خوف کھانا خدا کے دوستوں کو، کارِ حرام سے باز رکھتا ہے اور یہی خوف و ترس ہے (از عذابِ الٰہی) جس نے ان کے دلوں کو شان قرار عطا فرمائی یہاں تک کہ انہیں راتوں کو (نماز کے لیئے) بیدار رکھا، اور شدت گرمی میں دنوں کو (بہ روزہ) تشنہ نگاہ رکھا،

پس انہوں نے (آخرت کی) آسائش کو رنج (دنیا) سے، اور (اس دن کی) سیرابی کو (آج کی) تشنگی سے بدل لیا، انہوں نے موت کو قریب سمجھا، اور عمل کی طرف سبقت کی، انہوں نے (دنیا کی) امید کو جھٹلایا، اور (گویا) موت کا نظارہ کر لیا، (بلا شبہ) دنیا فنا کا گھر ہے، تکلیف کا گھر ہے، انقلاب اور عبرت کا گھر ہے، اسبابِ فنا میں سے کے جملہ اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روزگار نے (نابود کرنے کے لیئے) اپنے تیر کو چلہ کمان میں رکھ لیا، اس کا تیر کبھی خطا نہیں جاتا، اس کا زخم کبھی مداوا پذیر نہیں ہوتا، یہ ہر زندہ پر موت کا، ہر تندرست پر بیماری کا، ہر رستگار پر ہلاکت اور بربادی کا تیر چلاتا ہے، یہ وہ کھانے والا ہے کہ کبھی سیر نہیں ہوتا، وہ پینے والا ہے کہ جس کی پیاس ختم نہیں ہوتی، اور اس کے اسبابِ سختی و رنج میں سے یہ بھی ہے کہ انسان

کچھ جمع کرتا ہے اسے کھا نہیں پاتا، جو (بلند و بالا اور شاندار عمارتیں) بناتا ہے، اس میں رہ نہیں پاتا، اور جب (مر کر) خدا کی طرف جاتا ہے تو نہ مال و دولت ساتھ لے جاتا ہے نہ قصر و محل۔

اس کے (دنیا کے) تغیر حالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ جس آدمی پہ (فقر و پریشانی کے باعث) رحم کیا جاتا تھا (اب دولت و ثروت و تونگری کے باعث) اس پہ رشک کیا جاتا ہے (آج غربت و فلاکت کے باعث) اس پر رحم کیا جاتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ نعیم سے محروم ہو گیا اور شدائد و مصائب کا شکار بن گیا۔

اور دنیا کی عبرتوں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان جب اپنی امیدوں اور آرزوؤں سے قریب پہنچ جاتا ہے تو موت اس کا رشتہ زندگی قطع کر دیتی ہے، اور اب نہ کوئی آرزو حاصل ہو سکتی ہے نہ صاحب آرزو (پنجۂ) مرگ سے بچ سکتا ہے۔!

سبحان اللہ! (اس دنیا کی) مسرت کتنی پر فریب اور اس کی سیرابی میں کس قدر تشنگی (آخرت میں) ہے، نہ آنے والی چیز (موت) روکی جا سکتی ہے۔ نہ گزشتہ (از دست رفتہ) واپس آ سکتا ہے۔

سبحان اللہ- زندہ مردہ سے کس قدر قریب ہے، اس سے مل جانے کے لیئے اور مردہ زندہ سے کس قدر دور ہے، اس سے نہ مل سکنے کے لیئے!

(دنیا میں) بدی سے پلید تر کوئی چیز نہیں، مگر وہ عذاب کہ اس پر مرتب ہوتا ہے (دنیا میں) نیکوئی سے خوب تر کوئی چیز نہیں، مگر وہ پاداش کہ (آخرت میں) اس کے لیے مقرر ہے دنیا کی ہر چیز کا سننا، اس کے دیکھنے سے زیادہ اچھا ہے، اور آخرت کی ہر چیز کا دیکھنا اس کے سننے سے کہیں بہتر ہے پس تمہارے لیے (احوال آخرت کا) سننا، اور (بوسیلۂ پیغمبرا) غیب و پنہاں کی خبریں معلوم کرنا دیکھنے سے کفایت کرتا ہے، اور یاد رکھو جو کچھ دنیا میں کم ملے گا اسے آخرت میں زیادہ پاؤ گے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں کم ملے اور دنیا میں زیادہ!

پس بہت سی کم چیزیں ہیں کہ وہ سودمند ہیں اور بہت سی زیادہ چیزیں ہیں کہ زیاں آور ہیں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، وہ فراخ تر اور آسان تر ہیں، ان چیزوں سے کہ جن سے روکا گیا، اور منع کیا گیا ہے، اور وہ چیزیں کہ تم پر حلال کی گئیں، زیادہ ہیں اُن چیزوں سے کہ حرام قرار دی گئیں، لہذا اندک کو بسیار کی خاطر چھوڑ دو، اور تنگ و دشوار کو فراخ اور آسان کے مقابلہ میں واگزار کر دو، تمہاری روزی کی ضمانت (خدا کی طرف سے) کی جا چکی ہے، اور عمل صالح پر تم مامور کیئے گئے ہو، پس (کہیں ایسا نہ ہو) کہ جس روزی کی تمہارے لیئے ضمانت کی جا چکی ہے اس کی طلب تمہیں اس سے غافل کر دے جو تم پر واجب کیا گیا ہے، (لیکن) خدا کی قسم (میں دیکھتا ہوں) کہ شک و تردّد نے (تمہارے عقائد اور دین میں) جگہ کر لی، اور تمہارا الیقین منزلزل ہو گیا، گویا جس کی (روزی) تمہارے لیئے ضمانت دی جا چکی تھی وہ تو واجب ہو گیا، اور جو کچھ (عمل صالح) تم پر واجب کیا گیا وہ ساقط ہو گیا، پس عمل کی طرف جلدی کرو، اور مرگ ناگہانی سے ڈرو، کیونکہ بازگشت عمر کی ایسی امید نہیں جیسی بازگشت رزق کی امید کی جا سکتی ہے۔ آج اگر روزی کا کچھ حصّہ فوت ہو گیا تو کل اس میں اضافہ ہو سکتا ہے، اور کل (گزشتہ) جتنی عمر جا چکی ہے، آج وہ واپس نہیں آ سکتی، آئندہ (روزی) کی امید روا ہے، اور گزشتہ (عمر) سے نومیدی بہتر ہے لہذا (خو کھنا ہے) عذاب الٰہی سے ڈرو، اور پرہیزگار بنو، ایسی پرہیزگاری جو اس کے لیئے سزاوار ہے، اور نہ مرو، مگر مسلمان بن کر۔ اور عالم آخرت میں ایمان و یقین کا توشہ لے کر پہنچو اسی طرح عواقب معصیت سے بچ سکتے ہو اور خدا کی نعمتوں اور بخششوں سے سرفراز اور کامیاب ہو سکتے ہو، ابھی وقت ہے، اس لیئے کہ تم زندہ ہو، مگر جب مر جاؤ گے تو یہ موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر تم کچھ بھی نہ کر سکو گے!

مِہرِ پدَر

افتتاحیہ

حضرت علی کی زندگی ایک مومن کامل اور مومن قانع کی زندگی تھی ۔ یہ زندگی کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہؐ کے احکام و ہدایات، اوامر و نواہی، اور معروف و منکر کی تعمیل ارشاد کا مکمّل ترین نمونہ تھی ۔ یہ ایک انسان کی زندگی تھی، ایک مسلمان کی زندگی تھی ۔ اس زندگی میں انسانی اور اسلامی اقدار جاگزیں تھے ۔ اس حیاتِ گراں کا ہر انداز تعلیمات اسلام کا چربہ تھا ۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ۔ بیشک اور بلاشبہ علی مرتضیٰؑ کی نماز اور قربانی، زندگی اور موت صرف رب العالمین کے لیئے تھی، جس نے قاتل کا مہلک وار سہنے کے بعد بے ساختہ فزت برب الکعبۃ (خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا) فرمایا ۔ !

ایک مسلمان جس طرح، اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، عبادت کرتا ہے، ریاضت اور مجاہدے میں زندگی بسر کرتا ہے، اسی طرح بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے، وہ اپنے پڑوسیوں کے دکھ درد کا خیال رکھتا ہے، اپنے افرادِ قوم کی راحت و عافیت کا جویا رہتا ہے، اپنے بنی نوع کی ہمدردی کے جذبہ سے سرشار رہتا ہے، اسی طرح اپنے خاندان کے ساتھ، اپنے قرابت مندوں کے ساتھ اور اپنی اولاد ـــــ کے ساتھ اس کا برتاؤ سراسر مہر و محبت کا ہوتا ہے ۔

چنانچہ علی مرتضیٰؓ کی زندگی یک سر اور تمام تر اولاد کے لیئے محبت اور شفقت تھی، اس کے سوا کچھ نہ تھی، اور یہ نتیجہ تھا اُن کے مومن کامل ہونے کا،!
اب ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں چند مثالیں پیش کریں گے۔

خدا سے ڈرتے رہو

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم امیرالمومنینؑ کے ایک خطبہ کا کچھ حصہ نذر قارئین کرتے ہیں، جس سے امیرالمومنینؑ کے انداز فکر پر روشنی پڑتی ہے آپ نے فرمایا :-

"خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) کو بندوں کا رہنما بنایا، جس میں نیک و بد کا (اعتقاد و گفتار و کردار کا بیان فرما دیا) پس راہِ نیک کو اپنے سامنے رکھو، تاکہ ہدایت یافتہ بن جاؤ، اور بدی سے دوری اختیار کرو، تاکہ راہ راست کے رہرو بن جاؤ، واجبات کی بجا آوری کر کے بارگاہ خداوندی تک پہنچا دو، یہ بجا آوری واجبات تمہیں دروازۂ جنت تک پہنچا دے گی۔ خدا نے ان چیزوں کو کہ نامعلوم نہیں حرام قرار دیا ہے، اور جس چیز میں کوئی عیب و نقص نہیں اُسے حلال قرار دیا ہے، اور احترام مسلمان کو ہر حرمت پر فوقیت عطا فرمائی ہے، اور اخلاص (دین) و (عقیدۂ) توحید کے باعث مسلمانوں کے حقوق کو باہمی مربوط کر دیا ہے، لہٰذا (سچا) مسلمان وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان سالم اور آسودہ ہیں۔ اور (یاد رکھو) کسی مسلمان کو بغیر کسی جائز اور معقول سبب کے ایذا پہنچانا، قطعاً نادرست ہے، (قطعاً قصاص، چوری کی سزا وغیرہ) اس چیز کی طرف تیزی سے بڑھو، جو امر عام سے تعلق رکھتی ہو، پھر اس چیز کی طرف سبقت کرو، جو تم میں سے ہر شخص کے لیے مخصوص ہے، (یعنی موت) کوئی شبہ نہیں مردمانِ رفتہ،

تمہارے پیش رو ہیں، اور قیامت کا دن تم کو پیچھے سے ہنکا رہا ہے (پس) گناہوں کے بار سے ہلکے پھلکے ہو جاؤ، تاکہ جو تم سے پہلے جا چکے ہیں ان سے (بآسانی) مل جاؤ، تمہارے اوّل کے لیے تمہارے آخر کا انتظار کیا جا رہا ہے، خدا کے بندوں اور اس کے شہروں کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو، کیونکہ تم سے ہر چیز کے بارے میں، حتیٰ کہ چارپایوں اور زمینوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا، (پس) اللہ کی اطاعت کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، اور ہرگاہ جب کسی نیکی کو دیکھو اسے اختیار کر لو، اور ہرگاہ جب بدی کو دیکھو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لو!

علی مرتضیٰ کا وصیت نامہ

امام عالی مقام حسن علیہ السلام کے نام

جنگ صفین سے واپسی آپ نے وصیت نامہ امام حسن علیہ السلام کے لیئے تحریر فرمایا جس کا ایک ایک حرف حقائق و معارف کا بحر بے کراں ہے۔ آپ نے فرمایا:-

دل شکستہ، بے بس، بیزار دنیا، مسافر عدم آباد، کہن سال پدر کی وصیت، کم سن آرزومند راہرو راہ مرگ، ہدف امراض، اسیر دنیا، تاجر غرور، مقروض اجل، قیدی موت، حلیف تردد، قرین حزن، نشانہ آفات، مغلوب نفس، جانشین اموات، نوخیز فرزند کے نام۔

فرزند! زمانے کی گردش، دنیا کی بے وفائی، آخرت کی نزدیکی نے مجھے ہر طرف سے غافل کر کے صرف آنے والی زندگی کے اندیشوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اب مجھے صرف اپنی فکر ہے۔ تمام نشیب و فراز پیش نظر ہے۔ بے نقاب حقیقت آنکھوں کے سامنے ہے۔ سچا معاملہ روبراہ ہے۔ اسی لیئے میں نے یہ وصیت تیرے لیے لکھی ہے۔ خواہ تیرے لیئے زندہ رہوں یا فنا ہو جاؤں، کیونکہ مجھ میں تجھ میں کوئی فرق نہیں۔ تو میری جان ہے۔ میری روح ہے۔ تجھ پر آفت آئے گی تو مجھ پر پہلے آئے گی۔ تیری موت میری موت ہو گی۔

فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں، خدا سے خوف کر اس کے حکم پر کاربند ہو، اس کے ذکر سے قلب کو آباد کر، اس کی رسّی کو مضبوطی سے تھام کیونکہ اس رشتے سے

زیادہ مستحکم کوئی رشتہ نہیں جو تجھ میں اور تیرے اللہ کے موجود ہے بشرطیکہ تو خیال کرے۔

فرزند! دل کو موعظت سے زندہ کر، زہد سے مار، یقین سے قوت دے، حکمت سے روشن کر۔ موت کی یاد سے اس پر قابو پا۔ فانی ہونے کا اس سے اقرار لے، مصائب یاد دلا کے اسے ہشیار بنا۔ زمانے کی نیرنگیوں سے اُسے ڈرا۔

اِس کے بعد تلقین و نصیحت کرتے ہوئے فرزند دل بند سے فرمایا:

نفس کو بچھڑ جانے والوں کی حکایتیں سُنا، گزرے ہوؤں کی تباہی سے اُسے عبرت دلا، اُن کی اُجڑی ہوئی بستیوں میں گشت کر۔ اُن کی عمارتوں کے کھنڈر دیکھ اور دل سے سوال کر ان لوگوں نے کیا کیا! کہاں چلے گئے؟ کدھر رخصت ہو گئے کہاں جا کے آباد ہوئے؟

ایسا کرنے سے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے دوست و احباب سے جُدا ہو گئے ویرانوں میں جا بسے اور تو بھی بس دیکھتے ہی دیکھتے انہی جیسا ہو جائے گا۔ لہذا اپنی جگہ درست کر لے، آخرت کو دنیا کے بدلے نہ بیچ، بے علمی کی حالت میں بولنا چھوڑ دے، بے ضرورت گفتگو سے پرہیز کر۔ جس میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہو اس سے باز رہ کیونکہ قدم کا روک لینا، ہولناکیوں میں پھنسنے سے بہتر ہے۔

تو نیکی کی تبلیغ کرے گا تو نیکوں میں سے ہو جائے گا۔ بُرائی کو اپنے ہاتھ سے اپنی زبان سے بُرا ثابت کر۔ بُروں سے الگ رہ، خدا کی راہ میں جہاد کر، جیسا حق ہے جہاد کرنے کا، خدا کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈر۔ حق کے لیئے مصائب کے طوفان میں پھاند پڑ، دین میں تفقہ حاصل کر۔ مکروہات کی برداشت کا عادی بن کیونکہ برداشت کی قوت بہترین قوت ہے۔

سب کاموں میں اپنے لیے خدا کی پناہ تلاش کر، اس طرح تو مضبوط ہو جاتے پناہ اور غیر مسخر قلعے میں پہنچ جائے گا۔

اپنے خدا سے دعا کرنے میں کسی کو شریک نہ کر، کیونکہ بخشش و عطا منع و حرمان سب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ استخارہ زیادہ کر۔ میری یہ وصیت خوب سمجھ۔ اس سے رو گردانی نہ کرنا، وہی بات ٹھیک ہوتی ہے جو مفید ہوتی ہے۔ بے فائدہ علم بے کار ہے اور اس کی طلب نارو !

فرزند! جب میں نے دیکھا کہ آخر عمر کو پہنچ گیا ہوں اور ضعف بڑھتا جا رہا ہے تو یہ وصیت لکھنے میں مجھے جلدی کرنا پڑی۔ میں ڈرا۔ کہیں وصیت سے پہلے موت آ جائے یا جسم کی طرح عقل بھی کمزور پڑ جائے یا تو سرکش گھوڑے کی طرح قابو سے باہر ہو جائے۔

اس اندیشہ کا ذکر کر چکنے کے بعد آپ نے اپنے لختِ جگر کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا:۔

"اسی خیال سے میں نے وصیت لکھنے میں جلدی کی تاکہ دل کے سخت ہونے اور ذہن کے دوسری طرف لگ جانے سے پہلے ہی تو اس معاملے کو سمجھ لے جس کے تجربے اور تحقیق سے اگلوں نے تجھے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس کی راہ کی تگ و دو اور تجربے کی تلخیوں سے تجھے بچا لیا ہے۔ وہ چیز تیرے پاس بلا کلفت پہنچ رہی ہے جس کی جستجو میں ہمیں خود نکلنا پڑا تھا۔ اب وہ سب تیرے سامنے آ رہا ہے جو شاید ہماری نگاہوں سے بھی اوجھل رہ گیا ہو۔

فرزند! میری عمر تو اتنی دراز نہیں جتنی اگلوں کی ہوا کرتی تھی، تاہم میں نے اُن کی زندگی پر غور، اور اُن کے حالات میں فکر کیا ہے، اُن کے پیچھے بحث و جستجو میں نکلا ہوں حتیٰ کہ اب میں انہی میں کا ایک فرد ہو چکا ہوں۔ بلکہ ان کے حالات سے حد درجہ واقف ہونے کی وجہ سے گویا ان کا اور اُن کے بندگوں کا ہم سن بن گیا ہوں۔

اسی طرح یہاں کا شیریں و تلخ، سفید و سیاہ، سود و زیاں سب مجھ پر کھل گیا ہے اس سب میں سے میں نے تیرے لیے ہر اچھی بات چن لی ہے، ہر خوشنما چیز منتخب کر لی

ہے، ہر بُری اور غیر ضروری بات تجھ سے دور رکھی ہے، اور چونکہ مجھے تیرا ویسا ہی خیال ہے جیسا شفیق باپ کو بیٹے کا ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ یہ وصیت ایسی حالت میں ہو کہ تو ابھی کم عمر ہے۔ دنیا میں نووارد ہے۔ تیرا دل سلیم ہے نفس پاک ہے۔

پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ تجھے صرف کتاب اللہ اور اُس کی تفسیر کی شریعت اور اس کے احکام، حلال و حرام کی تعلیم دوں گا، پھر خوف ہوا مبادا تجھے بھی اسی طرح شکوک و شبہات گھیر لیں جس طرح لوگوں کو نفس پروری کی وجہ سے گھیر چکے ہیں، لہذا میں نے یہ وصیت ضروری سمجھی"۔

باپ اپنے بیٹے سے کیا چاہتا ہے؟ صرف خدا ترسی، صرف فکرِ آخرت، صرف توشۂ حسنِ عمل، چنانچہ امام حسنؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

فرزند! تیری جس بات سے میں خوش ہوں گا، یہ ہے کہ تو خدا سے خوف کرے اُس کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرے، اپنے اسلاف اور خاندان کے پاک بزرگوں کی راہ پر گامزن ہو، کیونکہ جس طرح تو اپنے آپ کو دیکھتا ہے، اسی طرح کل وہ بھی اپنے آپ کو دیکھتے تھے۔ اور جس طرح تو غور کرتا ہے وہ بھی غور کرتے تھے، آخر تجربوں نے انہیں مجبور کر دیا کہ سیدھی راہ پر آجائیں اور فضول باتوں سے پرہیز کریں۔

لیکن اگر تیری طبیعت یہ قبول نہ کرے اور انہی کی طرح بذاتِ خود تجربے حاصل کرنے پر مصر ہو تو بسم اللہ تجربہ شروع کر مگر عقل و دانائی کے ساتھ شبہوں اور بحثوں میں بے عقلی سے الجھ کر نہیں اور اس سے پہلے کہ یہ کام تو شروع کرے، اپنے خدا سے مدد کا خواستگار ہو، اُس کی توفیق کا طالب ہو اور ہر قسم کے شبہات سے پرہیز کر۔ کیونکہ شبہات تجھے حیرت و گمراہی میں ڈال دیں گے اور جب تجھے یقین ہو جائے کہ قلب صاف ہو کر قبضے میں آگیا ہے، عقل پختہ ہو کر جم گئی ہے اور ذہن میں یک سوئی پیدا ہو چکی ہے تو اس وقت اس وادی میں قدم رکھو، ورنہ تیرے لیے یہ راہ تاریک ہو گی اور تو اس میں

بھٹکتا پھرے گا، حالانکہ طالب دین کو نہ بھٹکنا چاہیئے، نہ حیرت میں پڑنا چاہیئے ایسی حالت میں طالب دین کے لیئے اس راہ سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

فرزند! میری وصیت خوب سمجھ، اور جان لے جس کے ہاتھ میں موت ہے وہی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے، جو پیدا کرنے والا ہے، وہی مارنے والا بھی ہے"۔!

علم اور جہالت، واقفیت اور ناواقفیت کے فلسفے پر امیر المومنین نے کتنے دل نشین پیرائے میں روشنی ڈالی ہے، فرمایا:۔

یقین کر دو دنیا کا قیام، اللہ کے اس ٹھہرائے ہوئے قانون پر ہے کہ انسان کو نعمتیں بھی ملتی ہیں اور ابتلاء و آزمائش بھی پیش آتی ہے اور پھر آخرت میں آخری جزا دی جاتی ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ اگر کوئی بات تیری سمجھ میں نہ آئے تو انکار نہ کر دے بلکہ اسے اپنی کم سمجھی پر محمول کر کے غور کر، کیونکہ اوّل اوّل تو جاہل ہی پیدا ہوا تھا۔ پھر بتدریج علم حاصل ہوا اور ابھی نہیں معلوم کتنی باتیں ہیں جن سے تو لاعلم ہے جن میں تیری عقل حیران رہ جاتی ہے اور بصیرت کام نہیں دیتی، لیکن بعد چندے ان کا علم تجھے ہو جاتا ہے پس تیری وابستگی اسی ذات سے ہو، جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ رزق دیا ہے اور تیری خلقت پوری کی ہے۔ اسی کے لیئے تیری عبادت ہو، اسی کی طرف تیرا سر جھکے اسی سے تیری خشیت ہو۔

فرزند! خدا کی بابت کسی نے ویسی تعلیم نہیں دی، جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا رہنما اور نجات کے لیئے انہی کو قطب نما تصور کر۔

میں نے تجھے نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور یقین کر اپنی بھلائی کے لیئے تو کتنا ہی غور کرے، میرے برابر غور نہ کر سکے گا۔

فرزند! اگر تیرے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے، اس کی سلطنت و حکومت کے بھی آثار دکھائی دیتے۔ اس کے افعال و اشغال بھی ظاہر ہوتے مگر نہیں، وہ اللہ تو ایک ہی ہے، جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے میں فرما دیا ہے۔ اسکی

حکومت میں کوئی شریک نہیں ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ سب سے اوّل ہے، مگر خود اس کی ابتدا نہیں، سب سے آخر ہے، مگر خود اس کی انتہا نہیں۔ اس کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ قلب کے تصور اور بصر کے ادراک پر اس کی ربوبیت موقوف ہو۔ یہ سب کچھ اچھی طرح سمجھا چکنے اور دل نشین کر چکنے کے بعد سلسلہ وصیت و نصیحت جاری رکھتے ہوئے فرمایا :-

پس تیرا عمل ویسا ہو جیسا اس شخص کا ہوتا ہے جس کی حیثیت چھوٹی ہے مقدرت کم ہے اور اپنے پروردگار کی طرف اس کی اطاعت کی جستجو میں، اس کی عقوبت کی وحشت میں اور اس کے غضب کے خوف میں جس کی محتاجی بہت بڑی ہے۔ یاد رکھ تیرے پروردگار نے تجھے اچھی باتوں ہی کا حکم دیا ہے اور صرف بُرائیوں سے منع کیا ہے۔

فرزند! میں نے تجھے دنیا کا نقشہ دکھا دیا ہے، اس کی حالت بتا دی ہے اس کے ناپائدار اور ہرجائی ہونے کی خبر سنا دی ہے، آخرت کی حالت بھی تیرے پیش نظر کر دی ہے اور اس کی لذت و نعیم کی بھی خبر دے دی ہے۔ میں نے مثالیں دے کر سمجھایا ہے تاکہ تو عبرت حاصل کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔

جن لوگوں نے دنیا کو پرکھ لیا ہے، اس کی جدائی سے گھبراتے نہیں۔ ان کی مثال ایسے مسافر کی ہے جو ناموافق اور قحط زدہ علاقہ چھوڑ کر سرسبز و زرخیز علاقے کی طرف روانہ ہوئے ہیں، یہ مسافر راہ کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، احباب کی جدائی گوارا کرتے ہیں، سفر کی مشقتیں اٹھاتے ہیں، خوراک کی خرابی سہتے ہیں تاکہ کشادہ اور آرام دہ مقام تک پہنچ جائیں۔ کسی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے۔ کسی خرچ سے جی نہیں چراتے۔ ان کے لیئے ہر وہ قدم جو منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ دنیا سے چمٹے ہوئے ہیں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کی مثال اس مسافر جیسی ہے جو سرسبز و شاداب زمین چھوڑ کر قحط زدہ

زمین کی طرف چلا ہے۔ اس کے لیئے یہ سفر بد ترین اور خوفناک سفر ہوگا۔ اصلی مقام کی جُدائی اور نئے مقام میں آمد کو بعیا تک مصیبت سمجھے گا۔

فرزند! اپنے اور دوسروں کے درمیان خود اپنی ذات کو میزان بنا۔ جو بات تجھے اپنے لیئے پسند ہے، وہی اُن کے لیئے بھی پسند کر اور جو بات خود اپنے لیئے تو نا پسند کرتا ہے، اُن کے حق میں بھی ناپسند کر۔ کسی پر ظلم نہ کر کیونکہ دوسرے کا ظلم تو اپنے آپ پر نہیں چاہتا۔ سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ جس طرح تیری خواہش ہے کہ وہ تجھ سے پیش آئیں۔"

اس دنیا میں جب تک انسان کسر و انکسار اور افہام و تفہیم سے کام نہ لے وقار اور عزت اکرام اور اجلال کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"لوگوں کی جو باتیں ناپسند ہوں وہ اپنی بھی ناپسند کر۔ اگر لوگ تجھ سے وہی برتاؤ کریں جو تو ان سے کرتا ہے، تو اُسے ٹھیک سمجھ۔ بغیر علم کے کچھ نہ کہو۔ اگرچہ تیرا علم کتنا ہی کم ہو۔ اور ایسی بات کسی کے حق میں ہرگز نہ کہہ جو خود تو اُس سے اپنے لیئے سننا نہیں چاہتا۔

خود پسندی حماقت ہے اور نفس کے لیئے ہلاکت۔ لہٰذا سلامت روی سے اپنی راہ طے کر۔

دوسروں کے لیئے بخیل نہ بن اور جب تجھے خدا سے روشنی مل جائے تو تیرا تمام تر خوف صرف اپنے پروردگار سے ہو۔

فرزند! تیرے سامنے ایک دور دراز، دشوار گزار سفر درپیش ہے۔ اس سفر میں حسنِ طلب کی بڑی ضرورت ہے۔ اس سفر میں تیرا زاد راہ ضرورت سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ اگر تو طاقت سے زیادہ بوجھ اپنی پیٹھ پر اُٹھا کے چلے گا تو تیرے لیئے وبال جان بن جائے گا۔ لہٰذا اگر بھوک مزدور تیرا زاد راہ قیامت تک

لیئے اٹھانے کو مل رہے ہوں تو انہیں غنیمت جان اور اپنا بوجھ اُن پر رکھ دے تاکہ کل ضرورت پر یہ توشہ تجھے کام دے، مقدرت کی حالت میں تیرا توشہ بار ہو جانا چاہیئے کہ مبادا ضرورت آ گھیرے اور تو کچھ نہ پائے، دولتمندی کے زمانے میں اگر کوئی قرض مانگے تو فوراً دے دے، تاکہ ناداری کے زمانے میں وہ تجھے واپس مل جائے۔

فرزند! تیرے سامنے ایک کٹھن گھاٹی ہے۔ اس گھاٹی میں ایک ہلکا پھلکا آدمی بوجھل آدمی سے بہتر ہے اور سُست رفتار تیز رفتار سے بدتر ہے۔ تیرا اس گھاٹی سے گزرنا لازمی ہے۔ اس کے بعد جنّت ہے یا دوزخ، لہٰذا آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے اپنا پیش خیمہ بھیج دے اور قیام سے پہلے جگہ ٹھیک کر لے، کیونکہ مر جانے کے بعد نہ معذرت ممکن ہو گی نہ دنیا کی طرف واپسی"۔

رجوع الی اللہ کی تلقین کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کیئے ہیں وہ آب دار موتی کی طرح تاریک خانۂ قلب و روح کو روشن اور تاباں کر دیتے ہیں، فرمایا:۔

"یقین کر جس کے دستِ تصرف میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں اُس نے مانگنے کی اجازت دے دی ہے اور قبول کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے، اُس نے کہا مانگ مل جائے گا، رحم کی التجا کر، رحم کیا جائے گا! اس نے اپنے اور تیرے درمیان حاجب کھڑے نہیں کیئے جو تجھے اُس کے حضور پہنچنے سے روکیں نہ سفارشیوں ہی کا تجھے محتاج بنایا ہے، جو اس کے سامنے تیری سفارش کریں۔ تیری توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی تجھے نہ محروم کرتا ہے نہ تجھ سے انتقام لیتا ہے اور جب تو دوبارہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ نہ تجھ پر طعنہ زن ہوتا ہے، نہ تیری پردہ دری کرتا ہے، حالانکہ تو اس کا مستحق ہوتا ہے۔ وہ توبہ کے قبول کرنے میں حجّت نہیں کرتا۔ اپنی رحمت سے مایوس ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ اُس نے توبہ کو نیکی قرار دیا ہے۔ ایک بدی کو وہ بزرگ و برتر ایک ہی گنتا ہے، مگر ایک نیکی کو دس شمار کرتا ہے۔ اُس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا

ہے۔ وہ تیری پکار سنتا ہے۔ تیری مناجات پر کان دھرتا ہے۔ تو اُس سے مرادیں مانگتا ہے۔ دل کی حالت بیان کرتا ہے۔ اپنی بپتا سناتا ہے۔ اپنی مصیبتوں کی فریاد کرتا ہے، اپنی مشکلوں میں مدد مانگتا ہے، تو اس سے عمر کی درازی جسم کی تندرستی، رزق کی کشادگی چاہتا ہے اور اس کی رحمت کے ایسے ایسے خزانے طلب کرتا ہے جو اس کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ غور کر اُس نے طلب کی اجازت دے کر اپنی رحمت کے خزانوں کی کنجیاں تیرے حوالے کر دی ہیں تو جب چاہے دعا کر کے اُس کی نعمتوں کے دروازے کھلوا لے، رحمتوں کا مینہ برسوا لے۔ لیکن اگر اجابتِ دعا میں دیر ہو تو مایوس نہ ہو، کیونکہ قبول دعا کا مدار نیّت کی صحت پر ہے۔ کبھی اجابتِ دعا میں اس لیئے دیر ہوتی ہے کہ سائل کو زیادہ ثواب ملے، امیدوار کو زیادہ بخشش دی جائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی مانگتا ہے اور محروم رہتا ہے، مگر جلد یا بدیر طلب سے زیادہ اسے دیا جاتا ہے۔ یا پھر محرومی ہی اُس کے حق میں بہتر ہوتی ہے"۔

یہ حیات ناپائیدار ایک بے قیمت چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا کوئی وزن نہیں، انسان اس لیئے پیدا ہوا ہے کہ فنا ہو۔ پس فکرِ آخرت سے کبھی بے نیاز نہ ہونا چاہیئے، فرمایا:۔

فرزند! تو آخرت کے لیئے پیدا ہوا ہے نہ کہ دنیا کے لیئے۔ فنا کے لیے بنا ہے نہ کہ بقا کے لیے، تو ایک ایسے مقام میں ہے جو ڈانواڈول ہے اور تیاری کرنے کی جگہ یہ محض آخرت کا راستہ ہے۔ موت تیرے تعاقب میں لگی ہوئی ہے۔ تو لاکھ بھاگے بچ نہیں سکتا۔ ایک نہ ایک دن تجھے شکار ہو جانا ہی ہے لہذا ہوشیار رہ! کہ موت ایسی حالت میں نہ آ جائے کہ تو ابھی توبہ و انابت کی فکر ہی میں ہو اور وہ درمیان میں حائل ہو جائے۔ ایسا ہوا تو بس تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔

فرزند! موت پر، اپنے عمل پر اور موت کے بعد کی حالت پر ہمیشہ تیرا دھیان

رہے تاکہ جب اس کا پیام پہنچے تو تیرا سب کچھ پہلے ٹھیک ٹھاک ہو، اور تجھے اچانک اس پیغام کو سننا پڑے۔

فرزند! دنیا میں دنیا داروں کی محویت اور اس کی طلب میں ان کی مسابقت تجھے فریب نہ دے۔ کیونکہ خدا نے دنیا کی حقیقت کھول دی ہے۔ خدا ہی نے نہیں خود دنیا نے بھی اپنے فانی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اپنی برائیوں پر سے نقاب اٹھا دی ہے۔ دنیا دار تو بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں، جو ایک دوسرے پر غراتے ہیں۔ طاقت ور کمزوروں کو کھاتے ہیں۔ بڑے چھوٹوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ان میں کچھ تو بندھے ہوئے اونٹ ہیں جو نقصان کرنے سے مجبور ہیں اور کچھ چھٹے ہوئے اونٹ ہیں جو ہر طرح کا نقصان کرتے پھرتے ہیں۔ ان کی عقل گم انجان رستوں پر پڑے ہوئے ہیں مصائب کی ناہموار وادیوں میں بلائیں اور ... چرنے کے لئے چھوڑ دیے گئے ہیں، نہ کوئی ان کا گلہ بان ہے نہ رکھوالا۔"

اصل چیز ہے اعتدال، اور سلامت روی جو اس سے روگردان ہوا، اس نے گویا عافیت سے کنارہ کیا، اور گمراہی کے غار میں گر گیا۔ فرمایا:۔

"فرزند! تو اپنی سب امیدوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا، زندگی سے زیادہ جی نہیں سکتا، تو بھی اسی راہ پر چلا جا رہا ہے جس پر تجھ سے پہلے لوگ جا چکے ہیں۔ لہٰذا اپنی طلب میں اعتدال مد نظر رکھ، کمائی میں سلامت روی سے تجاوز نہ کر۔ یاد رکھ کوئی طلب ایسی بھی ہوتی ہے جو حرماں نصیبی کی طرف لے جاتی ہے نہ ہر مانگنے والے کو ملتا ہے نہ ہر خود دار محروم رہتا ہے۔ ہر قسم کی ذلت سے اپنے آپ کو بچا چاہے وہ کیسی ہی مرغوب کی طرف لے جانے والی ہو۔ کیونکہ عزت کا معاوضہ تجھے کبھی مل نہیں سکتا۔ دوسروں کا غلام نہ بن، کیونکہ خدا نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے۔ وہ بھلائی بھلائی نہیں جو برائی سے آئے، وہ دولت دولت نہیں جو ذلت کی راہ سے حاصل ہو

خبردار، خبردار! تجھے حرص و ہوس ہلاکت کے گھاٹ پر نہ لے جائے۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے اور خدا کے درمیان کسی کے احسان کو نہ آنے دے۔ کیونکہ تجھے تیرا حصہ بہرحال مل کے رہے گا۔ خدا کا دیا ہوا تھوڑا، مخلوق کے دیئے ہوئے بہت سے کہیں زیادہ ہے اور شرلیفانہ بھی، اگرچہ مخلوق کے پاس بھی جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔

خاموشی کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک آسان ہے۔ مگر گفتگو سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک مشکل ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ مشک کا منہ باندھ کر ہی پانی روکا جاتا ہے؟ اپنا مال نہ خرچ کرنا دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں اچھا ہے۔ مایوسی کی تلخی، سوال کرنے سے بہتر ہے اور آبرو کے ساتھ محنت مزدوری بدکاری کی دولت سے بہتر ہے۔ آدمی اپنا راز خود ہی خوب چھپا سکتا ہے۔

کبھی آدمی اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لیتا ہے، جو زیادہ بولتا ہے، زیادہ غلطی کرتا ہے۔

نیکوں کی صحبت اختیار کرو، نیک ہو جاؤ گے۔ بدوں کی صحبت سے پرہیز کرو گے بدی سے دور رہو گے۔ حرام کھانا، بدترین کھانا ہے۔ کمزور پر ظلم کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

جب نرمی سختی بن جائے تو سختی نرمی بن جاتی ہے۔ کبھی دوا بیماری ہو جاتی ہے، اور بیماری دوا۔ کبھی بدخواہ خیرخواہی کر جاتا ہے اور خیرخواہ بدخواہی، موہوم امید پر تکیہ نہ کرو کیونکہ یہ مُردوں کا سرمایہ ہیں۔ تجربے یاد رکھنے کا نام عقل ہے۔ بہترین تجربہ وہ ہے جو نصیحت آموز ہے۔ موقعے سے فائدہ اٹھاؤ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے خلاف ہو جائے۔ ہر کوشش کرنے والا کامیاب نہیں ہوتا۔

ہر جانے والا واپس نہیں آتا۔ مال کا ضائع کرنا اور عاقبت کا بگاڑنا فساد

عظیم ہے۔ انسان کی قسمت مقدر ہو چکی ہے۔ جو کچھ تیرے نوشتۂ تقدیر میں ہے جلد یا دیر سے سامنے آجائے گا۔ تاجر ایک لحاظ سے قمار باز ہوتا ہے کبھی قلت میں کثرت سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔

توہین کرنے والے مددگار اور سوء ظن رکھنے والے دوست میں ذرا بھلائی نہیں، جب تک زمانہ ساتھ دے زمانے کا ساتھ دو۔ حرص تجھے اندھا نہ کر دے اور عداوت تجھے بے عقل نہ بنانے پائے۔ دوست دوستی توڑے تو تم اُسے جوڑ دو، دوری اختیار کرے تو تم نزدیک ہو جاؤ۔ وہ سختی کرے، تو تم نرمی کرو۔ وہ غلطی کرے تو تم اُس کے لیئے عذر تلاش کرو۔ دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گویا تم غلام ہو اور وہ آقا، لیکن خبردار یہ برتاؤ بے محل نہ ہو۔ نااہل کے ساتھ نہ ہو۔ دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ، ورنہ دوست بھی دشمن ہو جائے گا۔ دوست کو بے لاگ نصیحت کرو، خواہ اچھی لگے یا بُری،

انسان کی سب سے بڑی کمزوری جو اُسے راہ صواب سے منحرف کر دیتی ہے غصہ اور اشتعال ہے۔ اور مومن اس مرض کا مریض نہیں ہوتا، ارشاد فرمایا:۔

" غصہ پی جایا کرو۔ میں نے غصے کے جام سے زیادہ میٹھا کوئی جام نہیں دیکھا، جو تم سے سختی کرے، تم اُس سے نرمی کرو خود بخود نرم پڑ جائے گا۔ دوستی کا بلنا منظور ہی ہو تو بھی کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رکھو تاکہ جب چاہو دوستی کو جوڑ سکو۔

جو تم سے حُسن ظن رکھے اُس کے حُسن ظن کو جھوٹا نہ ہونے دو، دوست کے حقوق اس بھروسہ پر تلف نہ کرو کہ دوست ہے، کیونکہ جس کے حقوق تلف کر دیئے جاتے ہیں وہ دوست نہیں رہتا۔

ایسے نہ ہو جاؤ کہ تمہارا خاندان ہی تمہارے ہاتھوں سب سے زیادہ بدبخت بن جائے۔ جو کوئی بے پروائی ظاہر کرے اس کی طرف نہ جھکو۔ دوست دوستی توڑنے

میں اور تم جوڑنے میں برابر نہ ہو۔ تمہارا پلّہ ہمیشہ بھاری رہے۔

نیکی سے زیادہ بدی میں تیز نہ ہو۔

ظالم کے ظلم سے تنگ دل نہ ہو، کیونکہ وہ خود اپنا نقصان اور تمہارا نفع کر رہا ہے۔ جو تمہیں خوش کرے اُس کا صلہ یہ نہیں کہ تم اُسے رنج پہنچاؤ۔

فرزند! رزق دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کی تو جستجو کرتا ہے، دوسرا وہ جو تیری جستجو کرتا ہے۔ پس اگر تو جستجو چھوڑ دے تو رزق خود ہی تیرے پاس آجائے گا دنیا میں تیرا حصّہ بس اتنا ہے، جتنے سے تو اپنی عاقبت درست کر سکے۔ اگر تو اس چیز پر رنج کرتا ہے، جو تیرے ہاتھ سے نکل گئی ہے تو ہر اُس چیز پر رنج کر جو تیرے ہاتھوں میں نہیں آئی ہے۔ آئندہ کو گذشتہ سے عبرت سمجھو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن پر نصیحت نہیں ملامت اثر کرتی ہے۔ دانا آدمی معمولی تادیب سے مان جاتا ہے مگر چوپایہ مار سے باز آتا ہے۔

خواہشوں اور دل کے وسوسوں کو صبر و یقین کی عزیمتوں سے زائل کر دو۔

جو کوئی راہِ اعتدال سے تجاوز کرتا ہے بدراہ ہو جاتا ہے"۔

اِس دنیا میں بغیر دوست انسان کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوست کی تعریف کیا ہے؟ دوست کسے کہتے ہیں؟ دوستی کا حق اور فرض کیا ہے؟ یہ بھی بتا دیا، فرمایا:۔

دوست رشتہ دار کی طرح ہے، سچا دوست وہی ہے جو پیٹھ پیچھے حقِ دوستی ادا کرے۔

نفس کی خواہشوں اور بدبختیوں میں ساجھا ہے۔

کتنے اپنے ہیں جو غیروں سے زیادہ غیر ہیں اور کتنے غیر ہیں جو اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔

پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

جس نے راہِ حق چھوڑ دی اس کا رستہ تنگ ہے۔ جو اپنی حیثیت پر رہتا ہے اُس کی عزت باقی رہتی ہے۔ سب سے زیادہ مضبوط تعلق وہ ہے جو آدمی اور خدا کے مابین ہے۔ جو کوئی تیری پروا نہیں کرتا، وہ تیرا دشمن ہے۔ جب امید میں موت ہو تو ناامیدی ہی زندگی بن جاتی ہے۔ نہ ہر عیب ظاہر ہوتا ہے نہ ہر موقعہ سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ کبھی آنکھوں والا ٹھوکر کھا جاتا ہے اور اندھا سیدھی راہ چلا جاتا ہے۔ بدی کو دور رکھو کیونکہ جب چاہو گے لوٹ آئے گی۔ احمق سے دوستی کاٹنا عقلمند سے دوستی جوڑنے کے برابر ہے۔

جو دنیا پر بھروسہ کرتا ہے، دنیا اس سے بے وفائی کر جاتی ہے اور جو دنیا کو بڑھاتا ہے دنیا اُسے گرا دیتی ہے۔ ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ جب حاکم بدلتا ہے تو زمانہ بھی بدل جاتا ہے، سفر سے پہلے سفر کے ساتھیوں کو دیکھ لو۔ ٹھہرنے سے پہلے پڑوسیوں کی جانچ کر لو۔

خبردار تمہاری گفتگو میں ہنسانے والی کوئی بات نہ ہو، اگرچہ کسی دوسرے کا مقولہ ہی کیوں نہ ہو۔

محمد بن حنفیہ

حضرت محمد بن حنفیہ بھی حضرت علیؓ کے فرزند ارجمند تھے اور ان سے بھی آپ بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وقت وفات آپ نے جو وصیت حسنین علیہما السلام کو فرمائی تھی، اس میں انہیں محمد بن حنفیہ سے شفقت کا برتاؤ کرنے۔ اور محمد بن حنفیہ کو، ان دونوں بھائیوں کی رعایت کرنے کی نصیحت اور وصیت فرمائی تھی۔

یہ محمد بن حنفیہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بطن مبارک سے نہیں، بلکہ حضرت خولہ دختر جعفر بن قیس (یکے از قبیلہ بنو حنیف) کے بطن سے تھے۔!

حضرت فاطمہؓ جب تک زندہ رہیں حضرت علیؓ نے کوئی دوسرا عقد نہیں فرمایا، آپ کے وصال کے بعد، آپ نے دوسری شادیاں کیں۔ چنانچہ خولہ کے بطن سے محمد پیدا ہوئے جو سعادت، شجاعت، شرافت اور زہد و عبادت میں اپنے قابل نازش خاندان کے قابلِ فخر سپوت تھے۔ حسنین علیہما السلام کے بعد حضرت علیؓ سب سے زیادہ آپ ہی کو چاہتے تھے، حضرات حسنین علیہما السلام بھی آپ پر ہمیشہ شفقت کرتے رہے۔ اور یہ جب تک زندہ رہے، بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی چاکری کو اپنا قابلِ فخر سرمایہ سمجھتے رہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ، عمرؓ کے عہد آخر میں تولد ہوئے، ۸۱ھ (یکم محرم الحرام) میں آپ کا انتقال ہوا، حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت سے اس درجہ دل برداشتہ اور رنجور ہوئے کہ پھر گھر سے نہ نکلے، گوشۂ عافیت اختیار کر لیا اور وہیں متمکن رہے۔ انتقال کے بعد جنت البقیع میں آپ کی تدفین

عمل میں آئی۔

امیرالمومنین علیؑ اکثر و بیشتر جنگوں اور معرکوں میں آپ کو بھیجا کرتے تھے۔ اور حضرات حسنین علیہما السلام کو یہ کام نہیں سونپتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے یہی سوال آپ سے کیا، تو کتنا بلیغ جواب دیا ـــــ فرمایا:۔

لانهما كانا عينيه وكنت يديه فكان يقي عينيه بيديه

(یعنی حضرات حسنین علیہما السلام، امیرالمومنین علی کی دو آنکھوں کی حیثیت رکھتے تھے اور میں اُن کا ہاتھ تھا، لہذا آنکھوں کو ہاتھ سے بچاتے تھے!)

ان الفاظ سے جہاں حضرت علیؑ کے جذبہ کی ترجمانی ہوتی ہے وہاں خود حضرت محمد بن حنفیہ کی سعادت بھی کس طرح جھلک رہی ہے؟

خود امیرالمومنین علیؑ نے بھی اسی سوال پہ جنگ صفین کے موقع پر روشنی ڈالی تھی، عین اُس وقت جب کہ جنگ زور شور سے جاری تھی، آپ کو اگر فکر تھی، تو بس حسنؑ و حسینؑ کی بار بار بآواز بلند آپ فرماتے تھے۔

امسكوا ملكوا عنى هذين الفتيين اخاف ان ينقطع بهما نسل رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

"یعنی ان دونوں لڑکوں (حسنؑ و حسینؑ) کو روکے رہو، جنگ کے میدان میں نہ کودنے دو، ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگ کے میدان میں کود پڑیں، جام شہادت نوش کریں اور اس طرح نسل رسول منقطع ہو جائے!!"

محمد بن ابی بکرؓ

یہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے فرزند ارجمند تھے، حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کی اہلیہ سے شادی کر لی جو محمد کی ماں تھیں، یہ ابھی تو عمر اور کم سن تھے ان کی تعلیم و تربیت تمام تر حضرت علیؓ کے دامن میں ہوئی، حضرت علیؓ کی طرف سے شفقت کا اور محمد بن ابی بکر کی طرف سے سعادت کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ ان دونوں میں سگے باپ بیٹے کے سے ربط قائم ہو گئے۔

اپنی خلافت کے زمانے میں آپ نے محمد کو مصر کا گورنر بنایا پھر بعض مصالح کے پیش نظر مالک اشتر نخعی کو اُن کی جگہ فائز کیا جس سے محمد بہت دل گیر ہوئے آپ نے اُنہیں تسلی دیتے ہوئے لکھا۔

"اشتر کی وجہ سے تمہارے ملالِ خاطر کا حال معلوم ہوا۔ میں نے اُشتر کو تمہاری جگہ اس لیئے نہیں دی تھی کہ تمہیں کمزور یا نااہل سمجھتا تھا۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ اس عہدے کے بدلے تمہیں ایسا عہدہ دوں، جس کا معاملہ آسان ہو اور تمہیں مصر کی حکومت سے زیادہ پسند آئے۔

جس شخص کو میں نے مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ ہمارا بڑا خیر خواہ اور دشمن پر بہت سخت تھا، خدا کی رحمت اُس پر اُس نے اپنے دن پورے کر لیئے اور اپنی موت کو لبیک کہا۔ ہم اس سے رضامند ہیں۔ خدا کی رضامندیاں بھی اس کے شامل حال ہوں، اور زیادہ سے زیادہ ثواب اُس کے حصے میں آئے۔

اب تم یہ کرو کہ دشمن کے مقابلے میں نکلو۔ اپنی بصیرت پر گامزن ہو اور جو کوئی تم سے لڑے، اُس کے لیئے تیار ہو۔ اپنے رب کے رستے کی طرف دعوت دو اور خدا سے برابر مدد کی التجا کرتے رہو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہاری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ

محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کا صدمہ

پھر جب محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی حمایت میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو اس حادثہ پر عبداللہ بن عباس کو آپ نے تحریر فرمایا :-

دشمن نے مصر فتح کر لیا۔ اور اللہ کی رحمت ہو محمد بن ابی بکرؓ پر جو شہید ہو گیا۔ اس خیر خواہ فرزند کی شہادت کا ثواب ہمارے لئے خدا ہی کے پاس ہے۔ یہ فرزند زبردست جدوجہد کرنے والا تھا۔ تیغ براں تھا۔ مدافعت کا ستون تھا حادثے سے پہلے میں نے لوگوں کو اس کی حمایت میں کھڑے ہونے کے لئے ہر ممکن طریقے سے ابھارا علانیہ اور خفیہ دعوتیں دیں۔ جوش دلانے میں کسر نہ اٹھا رکھی، مگر ہوا یہ کہ جو آئے تھے دل کی ناخوشی سے آئے تھے۔ کچھ لوگوں نے جھوٹے عذر کر دیئے اور کچھ لوگ پاؤں توڑ کے بیٹھ رہے، خدا سے دعا ہے کہ مجھے ان لوگوں سے چھٹکارا دے دے۔ جلد سے جلد چھٹکارا دے دے۔ اگر دشمن سے دو بدو جنگ کرتے ہوئے شہادت کی آرزو نہ ہوتی اور مر جانے پر دل ٹھہر نہ چکا ہوتا تو میں ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ گزارتا۔ ان سے ملنے کی میرے دل میں کبھی خواہش ہی نہ پیدا ہوتی۔

اپنا دشمن، اپنا قاتل،

شذرات

مردِ مومن موت سے نہیں ڈرتا،

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!

علی مرتضیٰؑ صرف مردِ مومن نہ تھے، مومن کامل تھے، وہ موت سے خائف نہیں تھے، موت کے شیدا تھے، اس کا استقبال کرنے کے لیئے بیلے تاب تھے، جو شانِ ایمان و اسلام تھی۔

اس باب کے تحت ہم چند ارشادات پیش کریں گے، جن سے ہمارا دعوےٰ ثابت ہوتا ہے۔!

ایک پیش گوئی

میرے بعد بہت جلد، ایک کشادہ گلو، اور کشادہ شکم شخص تم پر غلبہ حاصل کر لے گا۔

وہ جو کچھ پاتا ہے اُسے کھا لیتا ہے، اور جو نہیں پاتا اُس کی طلب و سعی میں لگ جاتا ہے۔

پس (اگر تم میں قوت و حوصلہ ہو تو) اُسے ختم کر دو۔ (لیکن میں جانتا ہوں، تم میں یہ تاب و طاقت نہیں، لہذا) ہرگز تم اُسے قتل نہیں کر سکو گے۔ !

یہ شخص عنقریب حکم دے گا کہ مجھے ناسزا کہو، اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو!

پس اگر تم ناسزا کہنے پر مجھے مجبور ہو جاؤ تو دشنام دے لینا، کیونکہ اس لیئے کہ وہ سب و شتم میرے لیئے زکاۃ اور تمہارے لیئے نجات ہے، لیکن تبرّا، تو مجھ سے برات کا اظہار نہ کرنا، کیونکہ میں فطرت اسلام پر تولد ہوا ہوں، اور ایمان و ہجرت کی جانب میں نے سبقت کی ہے۔

استدراک

بالآخر امیر المومنین کی یہ فراست صحیح، درست، اور مبنی بر واقعہ ثابت ہوئی۔ امیر معاویہ کے عہد میں سبّ علی کی بدعت، مساجد میں، منبروں پر شروع ہوئی، اور جب تک بنو امیہ تباہ و برباد نہ ہو گئے، —— ایک مختصر سے وقفہ عہد عمر بن عبد العزیز کے سوا —— یہ جاری رہی۔

جن لوگوں کے بارے میں ارباب حکومت کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ شیعان،

(دوست داران علی میں ہیں، ان پر خواہ وہ صحابی ہوں یا تابعی یا عامۂ مسلمین میں سے طرح طرح کی سختیاں کی جاتی تھیں، انہیں کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا، ان کے حقوق سوخت کر لیئے جاتے تھے، اور بالآخر ان کی جان لے لی جاتی تھی۔ اس معاملہ میں کسی قسم کی رواداری یا رحم و رعایت کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا!"

جو کچھ امیرالمومنینؑ نے اس خطبہ میں بطور پیشین گوئی کے فرمایا، وہ ان کی حیاتِ طیبہؑ کے بعد واقعہ اور حقیقت بن کر رہا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر تاریخ کی شہادت بھی پیش کر دی جائے، تاکہ یہ بات واشگاف ہو جائے کہ نیکوکار اور پاک سرشت لوگوں کی آنکھ دیکھ لیتی ہے جو ابھی رونما نہیں ہوا تھا۔

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں بر سرِ منبر حضرت علیؑ پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی، اور ان کے تمام عمّال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدیؓ اور ان کی جماعت کو قدرتاً اس سے تکلیف پہنچتی تھی، اس کے جواب میں وہ بھی مغیرہ اور معاویہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے؛ مغیرہ اس پر باز پرس نہ کرتے تھے[۲]

ایک مرتبہ حسبِ معمول مغیرہ بن شعبہ جناب امیرؑ کو برا بھلا کہہ رہے تھے، اس پر حجر بن عدیؓ نے کنکریاں پھینکیں، زبانی بھی نامِلائم الفاظ کہے؛ اور لوگ بھی ان کے ہم نوا ہو گئے؛ مغیرہ بالکل خاموش ہو گئے[۳]

---

[۱] مقتدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۲] اخبار الطوال ص ۲۳۳-۲۳۴ [۳] یعقوبی ج ۱، ص ۲۷۳ و ابوالفداء ج ۱ ص ۱۸۶

"مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کے زمانہ میں بھی یہ رسم جاری رہی، اور اسی کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ زیاد نے شروع میں انہیں سمجھا دیا تھا کہ حضرت علیؓ کی مدح اور معاویہؓ کی مذمت کا طریقہ چھوڑ دیں، لیکن حجر نے نہ سنا۔ زیاد کو اطلاع ملی کہ حجر اور اُن کی جماعت امیر معاویہ اور زیاد کی بُرائیاں اور اُن کے خلاف سازش کرتے ہیں، اور لوگوں کو ان کے خلاف اُبھارتے ہیں[۱]۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں زیاد کو بصرہ جانے کی ضرورت پیش آئی، وہ کوفہ میں عمرو بن الحریث کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ اس نے حسب معمول حضرت علیؓ پر سب و شتم کیا۔ حجر نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں، عمرو بن الحریث خاموش رہا، اور زیاد کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی، وہ فوراً کوفہ واپس آیا اور حجر اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس بھجوا دیا، اور ان کو لکھا یہ لوگ "فتنہ" کی بنیاد ہیں، جب تک قتل نہ کیئے جائیں گے فتنہ کی جڑ باقی رہے گی، چند آدمیوں نے حجر بن عدی کے خلاف جھوٹی "شہادت" دے دی، اس لیئے امیر معاویہ نے ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کرا دیا[۲]۔

حضرت حجر بن عدی بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اس لیئے اُن کے قتل کا اثر بہت بُرا پڑا، حضرت عائشہ نے اُن کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی امیر معاویہ کے پاس اُن کی سفارش کے لیئے آدمی دوڑائے تھے، لیکن وہ اس وقت پہنچے جب حجر قتل کیئے جا چکے تھے۔ حضرت عائشہ کو سخت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ امیر معاویہ جب اس سال حج کے لیے گئے اور حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے (حضرت عائشہ نے) ان سے فرمایا،

"معاویہ! تم کو حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل پر خدا کا خوف نہ آیا؟"

معاویہ نے عرض کیا،

---

[۱] یعقوبی۔ ج ۲ ص ۲۰۴ ؛ [۲] اخبار الطوال ص ۲۲۳۔

انہیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے اُن کے خلاف شہادت دی تھی[1]

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی اور اُن کے بعد ان کے جانشینوں نے بھی سب علیؓ کی رسم جاری رکھی۔ یہ رسم منجملہ واجبات بن گئی تھی۔ اس کا ترک کسی حالت میں مناسب اور مستحسن نہیں سمجھا جاتا تھا، البتہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مختصر عہدِ خلافت میں یہ رسم بند کر دی گئی۔"

——— اموی خلفار نے ایک بڑی بدعت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور اُن کے تمام عمال (تمام مقبوضہ مقامات میں) خطبہ میں حضرت علیؓ پر لعن طعن کیا کرتے تھے، اور اسے خطبے کا جزو بنا دیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے بالکل بند کر دیا، اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ حضرت علی کے متعلق جو نا ملائم الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں، وہ بند کر دیں، اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کر دی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ	یعنی اللہ تعالیٰ عدل، احسان،
وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى	قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے، اور
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ	فحش اور برائی اور ظلم سے روکتا ہے۔
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔	کہ شاید تم سمجھو۔

یہی نہیں بلکہ اوراق تاریخ سے اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے، کہ اس خاندان میں حضرت عمر بن عبد العزیز پہلے شخص تھے، جو حبِّ اہلِ بیت سے سرشار تھے۔

---

[1] استیعاب ج اول ص ۱۳۵۔ تاریخ اسلام ج ۲ ص ۱۳ و ۱۴۔ تاریخ الخلفا ص ۲۲۴ تاریخ اسلام ص ۲۲۹

——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب وتعلق نے اگرچہ اہل بیت کو تمام مسلمانوں کے نزدیک عزیز تر بنا دیا تھا، لیکن بنوامیہ کا خاندان ابتدا ہی سے سیاسی مصالح کی بنا پر ان کا دشمن بن گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی اس خاندان کے رکن تھے، اور اُن کے زمانہ تک اس بغض وعداوت کا خمیر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ خاندانِ بنوامیہ کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا، لیکن وہ خود اہلِ بیت کی محبت میں اس قدر مخمور وسرشار تھے کہ ایک بار گورنری مدینہ کے زمانہ میں ان کے ہاں فاطمہ بنت علیؓ آئیں تو انہوں نے پہلے تمام پہرہ داروں، اور غلاموں کو گھر سے نکلوا دیا، پھر تنہائی میں لے جا کر اُن سے کہا،

"اے دخترِ علی، ——— صفحۂ زمین پر مجھے کوئی خاندان تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے، تم خود میرے خاندان سے زیادہ مجھے عزیز ہو"[1]!

ان الفاظ سے اُن کی دلی عقیدت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے، جو انہیں خاندانِ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تھی۔

(حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے پہلے) خلفائے بنوامیہ نے حضرت علیؓ کی نسبت اہانت آمیز فقرے جمعہ کے خطبہ میں شامل کر دیئے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان فقروں کو خطبہ سے خارج کر دیا، چنانچہ کثیر عزۃ الخزاعی نے ایک قصیدہ میں اس کی طرف مداحانہ طریقہ سے اشارہ کیا ہے[2]

ولیت فلم تشتم علیًا ولم تخف

بریًا ولم تتبع مقالۃ مجرم

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۴۵۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۹۱ و تاریخ الخلفا ص ۲۴۳۔

یعنی تم خلیفہ ہوئے تو نہ تم نے علیؓ کو گالی دی، نہ (جن کا دامن صاف تھا) ان آدمیوں کو ڈرایا، نہ مجرمین کی بات پر گرفت کی۔!

وہ ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے، ایک بار ان کے ہاں فرقہ زہاد کا تذکرہ ہوا، تو لوگوں نے مختلف لوگوں کے نام لیے لیکن انہوں نے کہا کہ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

صرف اہل بیت ہی کی خصوصیت نہیں، جو لوگ خاندان نبوت سے ادنی تعلق بھی رکھتے تھے ان کے ساتھ وہ اسی قسم کا فیاضانہ سلوک کرتے تھے، حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی زادہ تھے، ایک بار اُن کی بیٹی ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خود اُٹھ کر گئے اور ہاتھ پکڑ کر اُن کو لائے، اور اپنی جگہ بٹھایا، اور اُن کی تمام ضرورتیں پوری کیں۔

ایک بار حضرت کا آزاد شدہ غلام زریق ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا،

"یا امیر المومنین، میں مدینہ کا رہنے والا ہوں، قرآن مجید اور فرائض مجھے یاد ہیں، لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں ہے"۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا،

تم کس طبقہ کے آدمی ہو؟

وہ بولا،

"میں موالی بنی ہاشم میں ہوں"

پھر اس نے حضرت علی ابن ابی طالب کا نام لیا، تو حضرت عمر بن عبد العزیز کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور کہا،

"میں خود علی کا غلام ہوں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ میں جس کا مولی (دوست) ہوں، علی بھی اس کے مولی ہیں۔"

پھر اپنے مولی (غلام) مزاحم سے پوچھا،

"اس قسم کے لوگوں کو کیا وظیفہ دیتے ہو؟"

اس نے کہا،

"سو یا دو سو درہم!"

فرمایا،

"ولایت علی کی بنا پر اسے پچاس دینار دو۔"

ایک بار خاندان بنو امیہ کے بہت سے لوگ دروازے پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام کو سب سے پہلے باریابی کا موقع دیا،

ہشام نے دیکھا تو جل کر کہا،

"کیا عمر بن عبد العزیز کو سب کچھ کر کے اب بھی طمانیت نہیں ہوئی کہ ابن عباس کے ایک غلام کو موقع دیتے ہیں کہ ہماری گردن پھاند کے چلا جائے۔"[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ تقویٰ، یہ خوف خدا، یہ عشق رسول،

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۱۱

یہ حبِ اہلِ بیت نبوی، یہ مدینہ منورہ سے والہانہ شیفتگی، یہ سُنتِ رسولؐ پر چلنے کا جذبہ، یہ بیت المال کے سلسلہ میں احتیاط، امرائے بنو امیہ سے غیر شرعی جائدادوں اور جاگیروں کی واپسی، رنگ لائے بغیر نہ رہی، کوئی شبہ نہیں، اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو شاید بہت سی برائیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جاتیں۔ لیکن غرض مند لوگ اپنا فائدہ چاہتے تھے، اُن کی زندگی نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا ـــــ!

- بنو امیہ نے غاصبانہ طور پر مسلمانوں کی جو جائدادیں اپنے قبضہ میں کر لی تھیں، اُن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے ساتھ ہی نہایت سختی کے ساتھ واپس کر دیا۔ جس نے ان کے تمام خاندان میں عام برہمی پھیلا دی تھی، لیکن یہ ناراضی صرف زبان و قلم تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس نے ایک خطرناک سازش کی صورت اختیار کر لی، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات۔ اسی سازش کا نتیجہ ہے۔

ابتدائے مرض میں عام یہ خیال تھا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے، لیکن خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اصلی راز معلوم ہو گیا تھا، چنانچہ اُنہوں نے ایک بار مجاہد سے پوچھا،

"میری نسبت لوگوں کا کیا خیال ہے!"

اُنہوں نے جواب دیا۔

"لوگ آپ کو مسحور سمجھتے ہیں!"

فرمایا،

"میں مسحور نہیں ہوں، مجھے وہ وقت یاد ہے، جس میں مجھے زہر دیا گیا ہے ـــــ!"

اس کے بعد ایک غلام کو بلا کر پوچھا،
"تم مجھے زہر دینے پر کیوں آمادہ ہوئے؟"
اُس نے کہا،
"مجھے ہزار دینار دے کر آزاد کرنے کا وعدہ دیا گیا تھا!"
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہ دینار منگوا کر بیت المال میں داخل کروا دیئے
اور اُس سے کہہ دیا،
"تم ایسی جگہ چلے جاؤ، جہاں تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے!"[1]
طبیب آیا تو اُس نے یہی تجویز کی، اور علاج کی طرف توجہ دلائی لیکن
اُنہوں نے علاج سے انکار کر دیا!

۲۰ دن تک بیمار رہے، اور ۲۵ رجب سنہ ۱۰۱ھ روز چہار شنبہ کو ۳۹ سال
کی عمر میں بمقام دیر سمعان انتقال کیا، اور وہیں دفن کیے گئے[2]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۳۔
[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۵۱۔

خُدا کی سپر

جب حضرت کو دھوکے کے ساتھ شہید کرنے سے ڈرایا گیا، تو آپ نے فرمایا:-

میرے جسم پر خدا کی سپر محکم موجود ہے۔
جب میری موت کا دن آئے گا، یہ سپر مجھ سے جُدا ہو جائے گی، ا۔
اور مجھے اس کے سپرد کر دے گی، پھر اس وقت تیر مرگ خطا نہیں کرے گا۔
اور زخم نیزۂ تقدیر اندمال پذیر نہیں ہو گا۔

قاتلانہ حملہ کے بعد وصیّت

بالآخر اندیشے صحیح ثابت ہوئے، ابن ملجم نے علی مرتضیٰ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اور گرفتار کر لیا گیا۔ اس موقعہ پر آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا :۔

تم سب کو میری وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو ضائع نہ ہونے دینا۔ یہ دوستون تم نے قائم کر لیئے تو کیا کہنا ہے تمہارا۔

کل میں تمہارا ساتھی تھا، آج تمہارے لیئے عبرت ہوں اور آئندہ کل تم سے جدا ہوجانے والا ہوں۔ اگر میں بچ گیا، تو اپنے خون کا خود مجھے اختیار ہے، فنا ہو گیا تو فنا ہی کی طرف مجھے لوٹنا تھا، قاتل کو معاف کردوں گا تو یہ معاف کرنا میرے لیئے قربت الٰہی کا سبب بن جائے گا اور اس میں تمہارے لیئے بھی بھلائی ہو گی، تو اے لوگو! معاف کردو۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں معاف کردے۔

بخدا موت کے کسی پیامبر سے بھی میں نے کراہت نہیں کی، موت کے کسی قاصد سے بھی مجھے دہشت نہیں ہوئی۔ آج میری مثال اس پیاسے کی سی ہے جو پانی کی تلاش میں گھاٹ پر پہنچ گیا ہو یا گمشتہ متاع کے جوئندہ کی، جسے اپنی جستجو میں کامیابی نصیب ہو گئی ہو۔

خدا کے پاس جو کچھ ہے، نیکو کاروں کے لیئے بہتر ہے۔

بنی فاطمہؓ اور بنی علیؓ کا حق

آنے والی گھڑی کا آپ کو احساس تھا۔ چنانچہ قاتلانہ حملے سے بہت پہلے آپ نے اپنی جائداد اور املاک سے متعلق وصیت نامہ تیار کر لیا تھا، اور ضروری ہدایتیں دے دی تھیں، وصیت نامے کی عبارت یہ ہے :۔

"یہ ہے وہ جس کا حکم دیا ہے اللہ کے بندے علی ابن ابی طالب نے اپنی جائداد کے بارے میں اور اس سے اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے، تاکہ اس کے جنت میں جانے اور امن پانے کا ذریعہ بن جائے۔

اس وقف کا متولی حسن بن علی ہوگا نیکی کے ساتھ اس میں سے کھائے گا اور نیکی کے ساتھ خرچ کرے گا۔ اگر حسنؓ کو کچھ ہو جائے گا اور حسین زندہ ہو، تو حسنؓ کا قائم مقام ہوگا۔ اور اسی کی روش پر چلے گا۔

علیؓ کے اس وقف میں بنی فاطمہؓ اور بنی علیؓ کا حق برابر ہے لیکن میں نے وقف کا متولی فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں کو اس لیئے بنایا ہے کہ خدا کی خوشنودی اور رسول خدا کی قربت ہو۔ ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے کی بزرگی کا بھی اعتراف ہو۔

متولی کے لیئے ضروری ہے کہ جائداد کو اصلی حالت پر رہنے دے۔ صرف اس کی آمدنی وصیت کے مطابق خرچ کرے۔ کسی نخلستان کو اس وقت تک نہ بیچے جب تک اس کی بہت سی نسل پیدا نہ ہو جائے۔

قاتل کے لیئے وصیت

ابن ملجم کے قاتلانہ حملہ کے بعد آپ نے حسنین علیہما السّلام کو جو وصیت کی یہ تھی :-

تم دونوں کو میری وصیت ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا اور دنیا کے پیچھے نہ دوڑنا اگرچہ دنیا تمہارے پیچھے دوڑے۔ دنیا کی کسی محرومی پر نہ کڑھنا، ہمیشہ حق کے لیئے تمہاری زبان کھلے۔ ہمیشہ ثواب ہی کے لیئے تمہارا عمل ہو۔ ہمیشہ ظالم کے حریف بننا اور مظلوم کے مددگار۔

تم دونوں کو اپنی سب اولاد کو، سب خاندان کو، اور ان سب لوگوں کو جن تک میری یہ تحریر پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اپنا معاملہ درست رکھیں اور آپس میں اتفاق واتحاد سے رہیں کیونکہ میں نے تمہارے نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپس کا میل ملاپ عام روزے نماز سے افضل ہے۔

اور اللہ اللہ یتیموں کے بارے میں، انہیں کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تمہارے سامنے وہ تتر بتر نہ ہو جائیں۔

اور اللہ اللہ پڑوسیوں کے بارے میں کہ وہ تمہارے نبیؐ کی وصیت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں برابر وصیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا، انہیں وارث بھی قرار دے دیں گے۔

اور اللہ اللہ قرآن کے معاملہ میں! قرآن کے عمل میں کوئی تم سے سبقت

نہ لے جائے!

اور اللہ اللہ، پروردگار کے گھر کے بارے میں! جب تک جیتے رہنا اس سے دست بردار نہ ہونا۔ بیت اللہ سے بے پروائی کرو گے تو تمہاری بھی کسی کو پروا نہ رہے گی۔

اور اللہ اللہ راہ خدا میں اپنے مال سے، اپنی جان سے، اپنی زبان سے جہاد کے بارے میں۔

آپس میں میل محبت، ہمدردی رکھنا، پھوٹ سے نااتفاقی سے بچنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے باز نہ رہنا، ورنہ شریروں کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے گا پھر دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔

اولاد عبد المطلب! خبردار، ایسا نہ ہو، مسلمانوں کا خون بہانے لگو اور کہو امیر المومنین کو مار ڈالا گیا ہے! خبردار میرے بدلے صرف میرے قاتل ہی کو قتل کرنا۔ دیکھو، اگر میں اس کی اس ضرب سے مرجاؤں تو قاتل کو بھی ایسی ہی ایک ضرب سے مارنا۔ اس کی شکل نہ بگاڑی جائے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، "خبردار کسی کے ناک کان نہ کاٹو، اگرچہ وہ کٹھا کتا ہی کیوں نہ ہو"!

موت سے ذرا پہلے

ابن ملجم کا مہلک وار اپنا اثر کر چکا ہے، علی مرتضیٰ دنیا سے آخرت کے لیئے رخت سفر باندھ رہے ہیں، اس موقع پر آپ نے فرمایا :۔

"ہر شخص (اگرچہ) موت سے بھاگتا ہے لیکن اس سے ملاقات کرنے پر مجبور رہے، اور مدتِ زندگی نفس کو اسی طرح کھینچ لے جاتی ہے اور موت سے فرار کی کوشش میں اس سے (اور زیادہ) نزدیک ہو جاتا ہے، میں نے زندگی کے کتنے دن اس رازِ پنہاں کی کنجکاوی میں بسر کر دیئے (پس میں نے یہ راز معلوم کر لیا اور) خدا نے اس راز (مرگ) کو (تم سے) پنہاں ہی رکھنا چاہا، (کیونکہ اس امر کا شمار مسائل مشکلہ قضا و قدر میں ہے، اور تمہاری عقل و فہم کوتاہ تر ہے، لہذا تم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) اس (رازِ مرگ) سے آگاہ ہونا کتنا بعید (از کار) ہے، (کیونکہ) یہ وہ علم ہے جو پنہاں ہے (اور ہر ایک پر اس کا آشکار کر دینا سزاوار نہیں) لیکن میری وصیت اور سفارش تم کو یہ ہے کہ خدا کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو ضائع نہ کرو) یہ دو ستونوں کو (توحید حق تعالیٰ و شریعت و اسوۂ پیغمبر اکرمؐ) ہمیشہ قائم رکھو، یہ دونوں چراغ ہمیشہ روشن رہیں۔ (تاکہ نادانی و گمراہی کی تاریکی میں کبھی سرگرداں نہ ہو) تم پر اس وقت کوئی سرزنش روا نہیں جب تک (ان دونوں چیزوں سے) دور اور پراگندہ نہ ہو جاؤ۔ (تم پر دستور خدا اور رسول کی پیروی دشوار نہ ہونی چاہیے، کیونکہ) خدا نے تم میں سے ہر کسی کو اس کی طاقت و توانائی کے مطابق مکلف بنایا ہے اور نادانوں پر سے تخفیف کر دی ہے (پس نادان دانا ؤں کے مقابلہ میں مکلف نہیں ہیں کیونکہ)

تمہارا پروردگار رب رحیم ہے اور تمہارا دین مذہبی استوار ہے (کہ جس میں کجی کو دخل نہیں) اور تمہارا پیشوا (پیغمبر اکرم) وہ پیشوا ہے جو (تمام احکام الٰہی سے) واقف ہے، کل تک میں تمہارا ساتھی تھا (تندرستی کے عالم میں دلیری کے ساتھ تھا، خدمت کرتا تھا،) اور آج تمہارے لیئے پند و عبرت ہوں، اور کل میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اللہ تعالےٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔

اگر اس لغزش گاہ میں میرے قدم استوار رہے (میں زندہ رہا) پس (میں وہی چاہتا ہوں، جو خدا کی مرضی ہو، راضی برضا ہوں) یہی (تمہارا) مقصود و مطلوب ہے، اور اگر میرے قدم ڈگمگا گئے، (مجھے موت آگئی) تو کوئی بات نہیں، کیونکہ شاخوں کے زیر سایہ تھے، (جو زیر ابر ڈھلتا رہتا ہے) ہواؤں کی گزرگاہ میں تھے (جن کے جھونکے اِدھر اُدھر ہوتے رہتے ہیں) اور ایسے ابر کے سایہ میں تھے فضا میں (جس کے ٹکڑے) مضمحل ہوئے اور زمین پر جن کا نقش مٹ گیا — !

میں تمہارا ہمسایہ تھا، میرا بدن کچھ عرصہ تک تمہارا ساتھی رہا بہت جلد تم میرے اس بدن کو اس طرح دیکھو گے کہ (پہلے) حرکت کرتا تھا اب بے حس و حرکت ہے، (پہلے) گویا تھا اب خاموش ہے، کتنا اچھا ہو اگر تم میری خاموشی اور میرے اعضاء کے سکون سے نصیحت حاصل کرو، کیونکہ یہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لیئے گفتار بلیغ اور قول مسموع سے زیادہ اثر انگیز وعظ ہے، میری تم سے جدائی اس شخص کی جدائی کے مانند ہے جو کل (پھر) ملاقات کا منتظر ہو!

کل تم میرے عہد کو (جب بنو امیہ کی سختیاں جھیلو گے) یاد کرو گے اور میرا باطن تم پر منکشف ہوگا۔

جب میری جگہ پہ دوسرا آجائے گا، اور میری مسند خالی ہو جائے گی تب مجھے پہچانو گے۔

اُسوۂ علیؓ

یعنی

علیؓ اور اقدارِ انسانی

اس کتاب میں امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی حیات گرامی کا
وہ اُسوہ پیش کیا گیا ہے جو اُمت اسلامیہ کیلئے دلیل راہ کی حیثیت رکھتا ہے

از

سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)



آفتاب اکیڈمی

۱۴- اُردو بازار کراچی نمبر۱ ——— ٹیلیفون (۷۱۷۱۵)